۱۳۷۰ھ

اللہ نزل احسن الحدیث

(سورۃ الزمر، آیت ۲۳)

اللہ نے نازل فرمایا ہے بہترین کلام (القرآن)

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی

علامہ مشرقی پبلی کیشنز
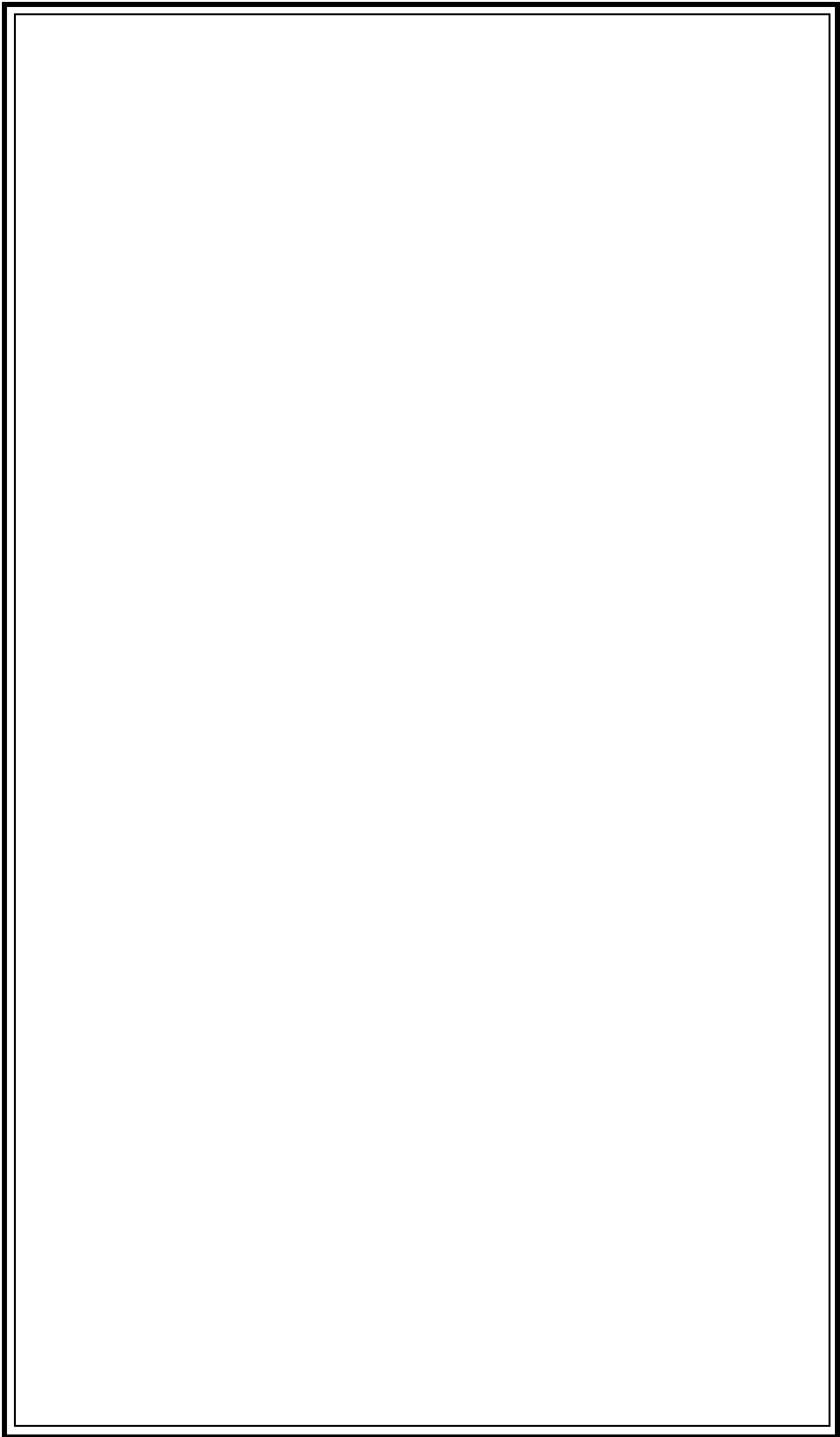
المشرقی ہاؤس، ۳۴ ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور

حَدیُثُ القُراٰن

۱۳۷۰ھ

اَللّٰهُ نَزَّل اَحْسَنُ الْحَدِیُثِ (۳۹/۳)

المشرقی

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (۷/۲۳)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تمہید

دین اسلام کو علم اور حقیقت (یعنی سائنس) کے بلند درجے تک پہنچانے کے لئے میری آواز جو قرون اولیٰ کے عملی اسلام کے بعد روئے زمین پر غالباً پہلی آواز تھی تذکرہ کی پہلی جلد تھی جو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ اس جلد میں مَیں نے واضح کیا کہ قرآن حکیم (جو اپنے الفاظ کے لحاظ سے قطعی طور پر محفوظ ہے) اُمتّوں کے عروج و زوال کا ایک عالم آرا قانون ہے جو سب قوموں پر حاوی ہے اور پہلے مذاہب بھی اسی قانون کے ابتدائی ٹکڑے تھے جو وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے انسانی شعور☆ کے مختلف مراحل میں انبیا کی وساطت سے بنی نوع انسان کو دیئے گئے۔ اس نقطہ نظر سے سب انبیاء کا پیغام ایک اور مسلسل تھا اور اس کا مقصد انسانی قوموں کو ان کے زمین پر قائم رہنے کا قانون بتدریج واضح کرنا تھا۔

یہ قانون تذکرہ کی پہلی جلد کے عربی اور اردو دیباچوں میں بالاجمال ظاہر کر دیا گیا تھا اور اس کا علمی ثبوت ناقابل انکار دلائل کے ساتھ بقیّہ جلدوں میں موجود ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم کا یہ حصّہ ہر صاحب نظر کے لئے ایک حیرت انگیز انکشاف ہے جس کی قدر و قیمت ابھی تک انسان نے اس لئے نہیں سمجھی کہ مذہب کو آج تک انسان نے اِن معنوں میں نہیں لیا اور نہ قرآن حکیم کے بار بار دعاوی کے باوجود کہ ''خدا کی الکتٰب'' جو بھیجی گئی تھی ''عِلم'' تھی، خدا کے پیغام کو کسی قوم نے عِلم یعنی حقیقت اور سائینس سمجھا۔ اگر یہ ہو جاتا تو مذہب بھی اَور علوم فطرت کی طرح حقیقت کے بلند درجہ حاصل کر لیتا اور سب دنیا اسی ایک حقیقت پر باقی علوم کی طرح متفق ہو جاتی بلکہ مذہب کے متعلق فرقہ بندی اور تعصّب بھی قطعاً دور ہو جاتے۔ قران میں **وما تفرقوا الا من بعد ما جآء ھم العلم بغیا بینھم** ط : (۲/۴۲) کا محاکمہ ہے۔ یعنی ''انسان نے آپس میں بغاوت کر کے عِلم (اور حقیقت) کے آنے کے بعد بھی گروہ بنا لئے'' اور یہی تاکید بار بار ۲/۴۵، ۲/۳، ۲/۱۰، ۱۰/۱۱، ۲/۱۰، ۲۶/۱۱ میں ہے لیکن سورۂ ہود میں حسب ذیل حیرت انگیز آیت تمام دنیا کے انسانوں کے ''ایک اُمّت'' ہونے اور اُن کی وحدت مذہب کے متعلق ہے جس میں صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ بنی نوع انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا گیا کہ ایک اُمّت بن کر رہے اور اگر ایسا نہیں ہوگا تو تمام مخلوقِ خدا سے جہنّم کو بھر دیا جائے گا۔

☆ ابتدا میں تو انسانی شعور اس قدر تھوڑا تھا کہ انسان یہ بھی نہ سمجھتا تھا کہ قوم کیا ہے اور اس کا عروج و زوال کیا ہے۔ اسی لئے پہلے مذہبوں میں اکثر صرف معاشرت کے ابتدائی اصول ہیں۔

ولوشآء ربک لجعل الناس امة واحدة ولا یزالون مختلفینo الا من رحم ربکط ولذالک خلقھمط وتمت کلمة ربک لاملئن جھنم من الجنة والناس اجمعینo : (۱۱/۱۰)

(ترجمہ: اور اگر خدا اپنی مرضی کے مطابق کرتا تو ضرور بنی نوع انسان کو ایک اُمّت بنا دیتا لیکن انسان (اپنی مرضی کے مالک ہوکر) ہمیشہ اختلاف ہی کرتے رہتے ہیں الاّ وہ لوگ جن پر خدا کی رحمت ہو اور اسی وحدت کے لئے خدا نے انسان کو پیدا کیا (اور اگر یہ نہ ہوا تو) تیرے خدا کا قول پورا ہوکر رہے گا کہ میں ضرور جہنم کو تمام جن وانس سے بھر کر رہونگا)

ایک دوسری جگہ ہے:۔

ولوشآء اللہ لجعلکم امة واحدة ولکن یضل من یشآء ویھدی من یشآء ولتسئلن عما کنتم تعملونo: (۱۶/۱۳)

(ترجمہ) اور اگر خدا اپنی مرضی کرتا تو ضرور تم کو ایک اُمّت بنا دیتا لیکن وہ جس کو مناسب سمجھتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو مناسب سمجھتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم ضرور اپنے عملوں کے متعلق پرسش کئے جاؤ گے)۔

الغرض اگر مذہب امتوں کے عروج وزوال کا قانون ہے تو مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ اس (عِلم) کو پورے طور پر سمجھنا کس قدر اہم شے ہے اور روئے زمین پر انسان کا ایک اُمّت ہوجانا اور مذہب کے بارے میں اختلاف نہ پیدا کرنا از روئے قران کس قدر نا گزیر اور اس کا انجام کس قدر خوفناک ہے۔ آج اسی اختلافِ اقوام کے باعث جس قدر جلد جہنّم انسانوں سے بھرا جا رہا ہے ہر صاحب نظر پر واضح ہے اور اگر دنیا نے مذہب کو (عِلم) سمجھ کر سب قوموں کو ایک مذہب پر متحّد نہ کیا تو اس جہنّم کی آگ کا روز بروز تیز تر ہوتے جانا اٹل ہے۔

لیکن وحدتِ اُمّت یا بالفاظ دیگر وحدتِ مذہب کا مسئلہ ایک بڑا کٹھن اور مشکل مسئلہ ہے جس کا حل زمین کی ترقی کے اس مرحلے میں قریباً ناممکن نظر آتا ہے۔ قران کو قانون خدا ماننے والی اُمّت کا فرض سرِ دست اتنا ہے کہ اپنی امت کے اندر سب قسم کے تفرقے مٹا کر اسی طرح کی اُمّت بن جائے جیسی کہ قرونِ اولیٰ میں تھی اور اس کے بعد اپنی طاقت میں نمایاں ہوکر اتحادِ عالم کی دعوت مسلسل طور پر تمام اقوام عالم کو دیتی رہے بلکہ تمام اقوام پر اپنی مادی قوت اور عمل کے زور سے (غالب) آ کر

رہے اور (**لیظھرہ علی الدین کلہ**) کی مصداق بن جائے، جس واحد غرض کے لئے آخری رسولؐ بھیجے گئے تھے۔**ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ :(۹/۵)**۔

قرآن کی تعلیم کے اس حِصّہ کی تشریح (**تذکرہ**) کی چھ ابتدائی جلدوں میں ہے لیکن قران حکیم کی ''پوری کہانی'' اس قانونِ عروج و زوال کے علاوہ اَور شے بھی ہے اور وہ شے کائنات کی پیدائش کا آخری مقصد انسان پر واضح کرنا ہے تاکہ انسان اپنی دنیاوی ترقی کے آخری مرحلوں تک پہنچ سکے اور کائنات جہاں کی اس عظیم الشان چیستاں کا حلّ سامنے آجائے۔قرآن عظیم کا پیغام ظاہر ہے کہ اس ہدایت کے بغیر مکمّل اور آخری نہیں ہوسکتا بلکہ یہی وہ پیغام ہے جو قران حکیم کی تعلیم کا جزوِ عظیم ہے جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوجائے گا۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں پر قران حکیم کی تعلیم کا لبّ لباب اس قدر واضح اور منطقی طور پر روشن تھا کہ وہ قرنوں تک اِسی دُھن میں لگے رہے کہ خدا کی زمین کو خدا کے ماننے والوں سے پُر کردیں۔ یہ ولولہ اس قدر دلوں میں گرمی پیدا کرنے والا تھا کہ غلبہ دین اور جہاد بالسّیف کے قرانی حکم کے بالمقابل انسانی جان کی قدر و قیمت نہ رہی تھی۔اسی وحدت اُمّت ، جہاد بالسّیف ، اطاعتِ امیر، اور ایمان بالاخرۃ کے یقین نے دین اسلام کو لمحوں کے اندر اندر روئے زمین پر غالب کردیا اور قریب تھا کہ بنی نوع انسان کی روئے زمین پر پیدائش کا واحد مقصد بھی پورا ہوکر رہے۔اُدھر قدم قدم پر قران حکیم کا صحیفۂ فطرت کے بے مثال طلسم کی طرف توجّہ دلانا اور اسی فطرت کو واحد برحق شے قرار دینا قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو جوق در جوق (**علم فطرت**) کی طرف لے جارہا تھا اور انہوں نے لمحوں کے اندر اندر دنیا میں صحیح اور یقینی عِلم کی بنیادیں ڈال دیں بلکہ دنیاوی ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے کئی نئے عِلم ایجاد کیئے۔ یہ دونوں منظر اگر کافی دیر تک اَور قائم رہتے تو عرب کے آخری نبیؐ کی اُمت کے سَر ہی انسان کی نجات کا سہرا رہتا مگر بہت جلد مسلمانوں کی بے راہ روی اور مفسّرین اور عوام کی غلط بینی قران نے اس شرف کو مسلمانوں سے چھین لیا اور مغرب کی قومیں جو اُس وقت تک اہل عرب کی چار سو برس کی تدریس و تعلیم اور مسلمانوں کے عالم آرا غلبے اور حصولِ علم سے متاثر تھیں، قانون خدا کو مضبوط پکڑنے میں خود کامیاب ہوگئیں، اور قران حکیم کی جلالی اور جمالی تعلیم کے دونوں سرے مغرب نے مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لئے!

آج چونکہ قرنہا قرن کی بدعملی اور ناراہ بینی کے باعث صرف قران حکیم کی کتاب کے اوراق مسلمان کے پاس رہ گئے ہیں اور قران کا ماحول موجود نہیں رہا، مسلمان قران کے بارے میں عجب پریشان ہے۔ایک طرف اس کے سامنے اسلاف کے حیران کن عملی اور علمی کارنامے اور دوسری طرف کتاب خدا کی عجیب و غریب ''پریشان خیالی'' بلکہ صحیفۂ فطرت کی طرح کی ''بیکرانی'' ہے۔ان دونوں باتوں پر مستزاد یہ کہ زمانہ زوال کے قرانِ حکیم کے متعلق ٹامک ٹوئیوں نے دین اسلام کی تصویر کو رنگ برنگ کر کے اس کی تمام اصلیّت مسخ کر دی ہے۔ یہ منظر اس قدر دلخراش ہے کہ مغربی اقوام کے بالمقابل جو قران کی تعلیم کا تمام لُبّ لباب اپنے وجود کے رگ ریشے میں صدیوں سے جاری وساری کر چکے ہیں، اور حیران کن طور پر آگے بڑھ رہے ہیں، مسلمانوں کی ترقی کی کوئی گنجائش اس وقت تک باقی نہیں رہی جب تک کہ قران حکیم کی تعلیم کا تمام لُبّ لباب از سرِنو چند لفظوں میں مسلمان کے سامنے پھر پیش نہ کیا جائے۔

''حدیث القران''، میں جس کے معنی ''قران کی بات'' ہے، میں نے قران کی تمام بات اس (نقطۂ نظر سے چند لفظوں میں کہہ دی ہے) اور تذکرہ کی ضخیم دس جلدوں سے جو چھ سات ہزار بڑے اور نہایت باریک لکھے ہوئے صفحوں پر مشتمل ہیں، مسلمانوں کو ایک حد تک بے نیاز کرنا چاہا ہے۔مسلمانوں کی یہ فرمائش مجھ سے ایک بڑی مدّت سے تھی اور قید کی فرصت میں ہی میں نے اس کو پورا کرنا غنیمت سمجھا۔میں نے ''حریم غیب'' ''دہ الباب'' اور ''ارمغانِ حکیم'' میں شعرزدہ اُمّت کے سامنے گا گا کر بالآخر اس چھوٹے سے باب میں اس کی توجہ اس نثر کی طرف اس لئے بھی دلائی ہے کہ وہ میرے کہے ہوئے کئی شعروں کے مفہوم کو سمجھ سکے لیکن اُمّت کے ہوشمند اور ناشعرزدہ حصّے کو خطاب کرنا میری ان تصانیف کا اصلی مقصد ہے۔

قران کے ہوشربا علم کے بالمقابل مغربی قوموں کا دوسری قوموں پر زہرہ گداز غلبہ اور علم کے میدان میں ان کی حیرت انگیز ترقیاں میرے نزدیک ابھی تک ہیچ اس لئے ہیں کہ میں مغربی قوموں کو ابھی تک قران حکیم کے بتائے ہوئے علم کے پاسنگ تک بھی پہنچا ہوا نہیں دیکھتا۔ مجھے یقین ہے کہ مغربی اقوام کا غلبہ اس لئے ناپائیدار غلبہ بلکہ منشائے ربّانی کے خلاف غلبہ ہے کہ اس میں انسانیت کی چاشنی موجود نہیں۔میں دھڑلّے سے کہہ سکتا ہوں کہ مغربی اقوام کا علم بھی قران عظیم

کے مفہوم عِلم سے ابھی تک کوسوں دور اس لئے ہے کہ اس میں اسلام کی روحانیّت کی چاشنی ہرگز نہیں ۔ یہ دونوں مقام میں نے قران حکیم کی آیات میں خدا کے ایک ایک کہے ہوئے لفظ کو پوری اہمیّت دے کر مطالعہ کرنے کے بعد اختیار کئے ہیں اور اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ کیا عجب ہے کہ زمین کی نجات بالآخر پھر ''مسلمان'' کے ہاتھ سے ہی ہو کر رہے۔

میں نے ''حدیث القران'' کو مختلف عنوانوں کے ماتحت تقسیم کیا ہے تا کہ ہر عنوان کے ماتحت قران حکیم کا مقام اس کے اپنے کہے ہوئے چند لفظوں میں واضح ہو جائے۔ چونکہ کسی بڑی تفصیل یا تشریح کی گنجائش نہیں رکھی، لازم ہے کہ حدیث القران کے مطالعے میں قران کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو پوری اہمیت ☆ دی جائے اور مسلمان صرف ان لفظوں پر اور ان آیتوں کے مدّعا پر غور کرے۔ آیتوں پر غور کے بعد اس پورے عنوان پر غور کرے۔ پھر ایک عنوان کو دوسرے عنوان سے مربوط کرنے کی سعی کرے۔ پھر تمام عنوانوں کو یکجا سامنے رکھ کر قران حکیم کے پورے پروگرام پر غور کرے اور اس نتیجے پر پہنچے جس پر حدیث القران کے اخیر میں پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں نے قران کی صرف دو سورتوں یعنی سورۂ سجدہ ۳۲ اور سورۂ جاثیہ ۴۵ کا مربوط ترجمہ حدیث القران میں پیش کیا ہے۔ مجھے حرص تھی کہ کئی سورتوں کا ترجمہ بالخصوص سورۂ بقرہ کا مربوط ترجمہ پیش کرتا اور اپنے دعوے کی دلیل میں تمام قران کو نہ صرف مربوط بلکہ قران کے متعلّق اسکے اپنے دعوے کو قطعاً نا قابلِ ردّ کر دیتا، لیکن پھر وہ ''مختصر بات'' نہ رہتی جو مدِّ نظر تھی۔ یہ سورۂ بقرہ وہی ہے جس کا مطالعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آٹھ برس میں کیا تھا۔ اسی نقطہ نظر سے میں نے جو کچھ کہا نہایت سادہ الفاظ میں اور کہانی کے طور پر کہا کہ باتوں باتوں میں قران سمجھ میں آجائے۔ مقصد صرف اس قدر ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی ادنیٰ سی عملی اور علمی آگ پاکستان کے زوال یافتہ مسلمان میں پیدا ہو جائے اور وہ آگے بڑھنے کے قابل ہو۔ یہی امید ہے جو مجھے کھینچے لئے جارہی ہے اور کیا عجب ہے کہ ایک گروہ یہاں یا کسی اَور اسلامی ملک میں پیدا ہو جائے۔

حدیث القران کی تصنیف از اوّل تا آخر قید خانہ میں ہوئی۔ ۳۰ مئی ۱۹۵۱ء کو اُسے شروع کیا گیا اور دورانِ رمضان میں ہی ۱۹ جون ۱۹۵۱ء تک (یعنی کل ۲۰ دنوں میں) اس کا اکثر حصّہ ختم ہو چکا تھا۔

۲۵ نومبر ۱۹۵۲ء

عنایت اللہ خاں المشرقی

☆ اگر یہ نہ ہوا اور حدیث القران کے پڑھنے والے نے کم از کم میرے موٹے کئے ہوئے اور خط کشیدہ الفاظ، نیز میرے کئے ہوئے ترجموں پر پورا غور نہ کیا تو قران کی تہ تک پہنچنا محال ہو جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

حدیث القرآن

قرآن حکیم میں عِلم کا مفہوم

اس موقع پر کہ ان تصانیف ☆ میں کئی جگہ قرانی آیات سے استدلال کیا گیا ہے، قران حکیم کے مطلب کو واضح کرنے کے لئے بعض اہم عنوانوں کے ماتحت آیاتِ قرانی یکجا کر دی جاتی ہیں تا کہ نتائج کے استنباط میں آسانی ہو اور آیاتِ الٰہی کو قران حکیم میں بار بار دہرانے کی عِلّت واضح ہو۔ اس طریق کار سے قران حکیم کے عام **لائحہ عمل** کی بھی وضاحت ہو جائے گی اور مسلمان کے سامنے ایک **مستقل نصب العین** اپنے فرائض کے بارے میں پیدا ہو سکتا ہے جو اس کے قلب کو **مطمئن** کر سکے۔ قرن اوّل کی نبوی تعلیم کا ماحول چونکہ موجود نہیں رہا، دین اسلام کا مفہوم بگڑ چکا ہے، اور جس **ترتیب** سے وحی نازل ہوئی وہ بھی برقرار نہیں رکھی گئی، اس لئے اب عام مسلمان قران حکیم کے مطالعے سے اپنے لئے کوئی مستقل شے اخذ نہیں کرتا اور جو پڑھتا ہے اس کو روائتی عزّت اور عقیدت سے دیکھ کر اپنا مطالعہ ختم کر دیتا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلمان قرانِ حکیم کو پھر **علمی** بلکہ **عملی** نقطہ نظر سے دیکھے، اس کی بے پناہ طور پر حیران کن صداقتوں کو پیش نظر رکھ کر میدانِ عمل میں گامزن ہو اور **ایک دفعہ پھر دنیا میں امتیازی مقام حاصل کرے۔**

میری تمام پہلی اور موجودہ تصانیف میں **عِـلـم** سے مراد علم صحیفۂ فطرت ہے۔ **قران حکیم کے نزدیک عِلم** وہ شے ہے جس کو آنکھ نے دیکھا ہو، کان نے اس کے صحیح ہونے کی گواہی دی ہو اور فوٗاد (قلب یعنی ذہن) نے اس کے **دھوکہ نہ** ہونے کی تصدیق کی ہو۔ سورۂ **بنی اسرآئیل** کے چوتھے رکوع میں واضح کر کے کہ "یہ وہ چیزیں ہیں جو خدا نے تم پر بطور **حکمت** وحی کی ہیں۔" ایک حکمت اس طرح پر واضح کی ہے:۔

ولا تقف ما لیس لک بہ علم ط ان السمع والبصر و الفواد کل اولٰئک کان عنہ مسؤلاO: (۱۷/۴)

ترجمہ: وہ اس شے کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں (کیونکہ) بے شک تیرے کان اور آنکھ اور ذہن (فوٗاد) سب سے اس شے کے **متعلق** پوچھا جائیگا۔ (۱۷/ بنی اسرائیل/ ۳۶/۴)

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ جس شے کی تصدیق انسان کے یہ تین اعضا کر دیں وہ **عِلم** ہے اور قران منع کرتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور شے کی پیروی کی جائے۔ اس حکمت کی رو سے کسی شے کو جس کی تصدیق صحیفۂ

☆ یعنی حریم غیب، دہ الباب اور ارمغان حکیم کی تصانیف میں جو دوران قید میں لکھی گئیں۔

فطرت نے نہ کی ہو عِلم کا بلند درجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ مافوق الفطرت سب باتیں گویا ظَنّ ہیں اور قران حکیم ان کے ''پیچھے پڑنے'' کی اجازت نہیں دیتا۔ اسی لحاظ سے وہ تمام دریافتیں جو صحیفۂ فطرت کے عالموں نے کی ہیں **علم** ہیں۔ مثلاً علم ریاضی، علم طبیعات، علم طبّ، علم طبقات الارض، علم نجوم، علم تشریح الابدان وغیرہ وغیرہ بیسیوں علم جو فطرت کے مشاہدے سے اخذ ہوئے ہیں۔ باقی جو علوم دنیا میں رائج ہیں وہ خوشامد کے طور پر ''علم'' کہے جا سکتے ہیں لیکن وہ فی الحقیقت ظنّ ہیں۔ قران حکیم میں بھی جہاں لفظ علم یا اس کے مشتقو اقع ہوئے ہیں انہی معنوں میں ہیں۔ (**فواد** اور **قلب** کے صحیح مفہوم کے متعلّق آگے (صفحہ ۱۰۸ پر آیت (۱۷۱) ب دیکھیں) جس سے واضح ہو جائے گا کہ **عرب کے نزدیک ذہن اور دل ایک شے ہیں۔**

اس موقع پر یہ بھی لائق ذکر ہے کہ ہزار ہا برس تک یورپ (جو اس وقت علم کا گہوارہ ہے) انسان کے ظلم کے باعث بیسیوں قسم کی ظنّیات میں مبتلا رہا۔ حتیٰ کہ سولہویں صدی میں یورپ کے بعض عالموں نے (قران حکیم کے نازل ہونے کے کامل ایک ہزار برس بعد اور اہل عرب کی علمی ترقیوں سے متاثر ہو کر) قریباً **انہی لفظوں** میں جو اوپر کی آیت کے ہیں اعلان کیا کہ وہی شے سچ ہے جس کی تصدیق آنکھ، کان اور ذہن کر لیں۔ باقی سب غلط، وہم اور گمان ہے۔ اس اعلان کے بعد سے یورپ کی نشاۃ ثانیہ یعنی وہ عروج شروع ہوا جو آج اس کو حاصل ہے۔

اختصار کے لئے ہم مضمون آیتوں کو پاس پاس اور متقابل اس لئے بھی کر دیا ہے کہ قران کا طالب العلم اس حیرت انگیز کتاب میں عدم اختلاف کا بھی قائل ہو۔ قابل غور الفاظ کو اکثر جگہ جلی کر دیا ہے اگر چہ قران حکیم کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے۔

۳۰/مئی ۱۹۵۱ء **المشرقی**

۱۔ مقامِ انسان ☆

کائنات کی ماہیّت کو سمجھنے کے لئے پہلی شے جو جاننے کے لائق ہے یہ ہے کہ انسان کا اس کائنات میں مقام کیا ہے۔ اس مسئلے کے سلسلے میں انسان ہزار ہا سال تک صحیفۂ فطرت کی مختلف اشیاء سے مرعوب ہو کر ان کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ انبیاء نے انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں خدا کے وجود کا احساس دلایا مگر انسان کے سمع و بصر اور ذہن کے ابتدائی حالت میں ہونے کی وجہ سے یہ تخیّل

☆ قرآن حکیم کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے طالب علم کو سب سے پہلے (۲۷۸ تا ۲۸۰ صفحے) کے مضمون ''بلندی نگاہ'' کا مطالعہ کر لینا چاہئے، تمام تصنیف کو پڑھنے کے بعد اس کا دوبارہ مطالعہ زیادہ مفید ہوگا۔

اکثر نقش برآب رہا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی امتیں خدا کے وجود سے کافی طور پر آشنا ہیں اور مقدم الذکر نبی نے تورات میں انسان کو خدا کا مماثل بھی کہا مگر یہ اُمتیں بھی بہت جلد وہم و جہالت میں پھنس گئیں اور انسان کا اس کائنات میں صحیح مقام واضح نہ ہو سکا۔ قران حکیم نے تمثیلی طرز کلام میں انسان کا اس دنیا میں مقام سب سے پہلے حسب ذیل بلیغ اور معنی خیز الفاظ میں واشگاف کیا:۔

(۱) اذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفة ط قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدمائج ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک ط قال انی اعلم مالا تعلمونo: (۲/۴)

(۱) ☆ جب خدا نے فرشتوں کو کہا کہ میں زمین میں اپنا قائم مقام مقرر کرنے والا ہوں، انہوں نے کہا کہ کیا تُو ایسی نسل کو خلیفہ مقرر کرے گا جو اس میں فساد مچائیگی اور خون گرائیگی حالانکہ ہم تیرے پورے فرمانبردار ہیں خدا نے کہا کہ تم نہیں جانتے (کہ کیوں انسان اس کے لئے زیادہ موزوں ہے) اور میں جانتا ہوں۔

(۲) وعلم آدم الاسمآء کلها ثم عرضهم علی الملآئکة فقال انبئونی باسماء هولاء ان کنتم صادقین o قالوا سبحنک لاعلم لنا الا ما علمتنا ط انک انت العلیم الحکیمo: (۲/۴)

(۲) پھر خدا نے انسان کو بصیرت دی کہ فطرت کی کل اشیا کو سمجھ سکے پھر فرشتوں کی تسلی کیلئے کہا تم مجھے سمجھاؤ کہ یہ کیا چیزیں ہیں اگر تم اس مرتبے کے اہل ہو، فرشتوں نے کہا ہمیں تو کوئی علم ہی نہیں ماسوا اس کے جو تُو نے ہمیں سمجھایا، بے شک تُو ہی علیم وحکیم ہے۔

(۳) قال یا ادم انبئهم باسماء همج فلما انبهم باسمآء هم لا قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموت والارض واعلم ماتبدون وما کنتم تکتمونo : (۲/۴)

(۳) پھر انسان کو کہا کہ ان اشیا کی حقیقت فرشتوں کو بتاؤ، پھر جب انسان نے ان کی حقیقت بتائی (اور وہ کچھ سمجھ نہ سکے) تو خدا نے کہا کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ میں سب کچھ اندرونی طور پر جانتا ہوں اور جانتا ہوں کہ تمہاری ظاہری اور باطنی فضیلتیں کیا ہیں۔

مراد یہ ہے کہ فرشتوں کے پاس وہ اعضا ہی نہ تھے جس سے وہ فطرت کو سمجھ سکتے، اس لئے وہ خدا کے قائم مقام کیا بنتے۔ ان کی تسلی کر دی کہ تم اس مرتبے کے لائق نہیں ہو۔ یہ کم بخت انسان ہی اس کا اہل ہے جو خون گراتا اور فساد مچاتا رہتا ہے۔ تم تسبیح و تقدیس میں ہی لگے رہو کیونکہ تمہارے پاس نافرمانی کرنے کی اہلیّت ہی نہیں۔ یہی صاحب ارادہ، صاحب سمع و بصر، صاحب ذہن انسان اس کا اہل ہے کہ میری زمین میں جا کر میرا قائم مقام بنے۔ وہاں جا کر کچھ سمجھے گا، کچھ سوچے گا، کچھ دیکھے گا، تم بچارے وہاں جا کر کیا کرو گے۔ غرض فرشتوں کی کوئی بڑی حیثیّت انسان کے مقابلے میں نہیں۔ وہ معلوم ہوتا ہے ''خدا کی مقرر کردہ بے پناہ قوتیں'' ہیں جن کے عظیم الشان

☆ یہ تینوں ترجمہ قرانی آیتوں کے لفظی ترجے نہیں بلکہ صحیح مفہوم ہے۔ حضرت آدم نے کوئی فساد نہ کیا تھا نہ خون گرایا تھا اس لئے یہ کہانی نسل انسانی کی ہے اور تمثیلی ہے۔ حضرت آدم کی نہیں۔

ہونے میں کچھ شک نہیں لیکن آنکھ، کان، اور ذہن جیسے عظیم الشان ہتھیار ان کے پاس نہیں! انسان کی فضیلت انہی اشیا کے باعث ہے جو خلّاق (اللہ تعالیٰ) فطرت نے ان کو دی ہیں:۔

(۴) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویمo ز: (۹۵/۱)

(۴) بے شک انسان کو ہم نے اس کے اعضا کی بہترین درستی کیساتھ پیدا کیا۔

(۵) ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البروالبحر ورزقنھم من الطیبت وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاo: (۱۷/۷)

(۵) ہم نے انسان کو بڑی عزّت دی اور اس کو خشکی اور تری کا مالک بنایا، اس کو بڑی بڑی عمدہ چیزیں استعمال کے لئے دیں اور جو مخلوق ہم نے پیدا کی اس میں سے اکثر سے وہ بڑھا ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ **انسان سے بھی بہتر مخلوق** اس کائنات میں موجود ہے۔ خدا جانے وہ کیا ہو گی، کس ستارے میں ہوگی؟ ان کے آنکھ کان اور ذہن بھی ہوں گے یا نہیں؟ کیا ہماری طرح کے جسم ہوں گے یا نہیں؟ الغرض ابھی انسان کو ذرا معلوم نہیں کہ اوپر کیا ہے۔ تیرہ سوستر برس پہلے کا قران دیکھو کس دھڑلے سے دعوے کر رہا ہے۔ کیا یورپ کا ذہن اُس وقت اس دعوے تک پہنچ سکتا تھا؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کروڑ در کروڑ ستارے جو زمین بلکہ زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑے سورج سے بھی ہزاروں گنا بڑے ہوں بے آباد ہوں اور جب وہاں ہَوا ابھی نہیں تو وہاں کی مخلوق ہماری طرح کی کِس طرح ہو سکتی ہے؟:

(٦) واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الاابلیسط ابی واستکبرق وکان من الکافرین o وقلنا یاآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ وکلا منھا رغدا حیث شئتماص ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمینo: (۲/۴)

(٦) ہم نے فرشتوں کو کہا کہ انسان کے آگے سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا لیکن شیطان اکڑا اور انکار کیا اور کافر ہوا پھر انسان کو کہا تُو اور تیری بیوی الجنۃ میں رہو اور جو مزیدار چیزیں ہیں کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم ظالم ہو جاؤ گے۔ (غور کرنے کا مقام ہے کہ انسان کے متعلق خدا کے اس ''کہانی'' کو بیان کرنے کا کیا مقصد تھا)

خدا ویسے تو سوائے اپنے کسی کو ''سجدے'' کا حکم نہیں دیتا۔ یہاں کیوں دیا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ ذی روح انسان والا سجدہ نہیں تھا بلکہ مراد یہ تھی کہ **یہ غیر ذی حِس فرشتے انسان کے تابع** ہو کر رہیں گے۔ گویا وہ ''خدا کی مقرر کردہ بے پناہ قوتیں'' جن کا ذکر اوپر ہوا ایسی ہیں کہ انسان ان کو تابع اور فرمانبردار کر سکے۔ یہاں واضح کر دیا ہے کہ سب ''فرشتے'' سجدہ کر سکتے ہیں بلکہ انہوں نے سجدہ کیا! صرف ایک فرشتہ اکڑا یعنی شیطانی طاقت جو انسان کو ہر لحظہ راہ راست سے بھٹکاتی رہتی ہے۔ اس طاقت نے کہا کہ میں ہرگز ہرگز اس انسان

کے تابع بن کر نہ رہونگا۔ پھر چونکہ انسان کو ''الـجـنّة''، میں رکھنا مقصود الٰہی نہ تھا اُس پر پابندی لگا دی کہ باقی سب کچھ کھاؤ پیو لیکن اس درخت کی طرف نہ آ ؤ۔ معلوم نہیں یہ درخت کیا تھا؟ بہرنوع ہمیں کریدنے کی کیا ضرورت؟:۔

(۷) فازلهما الشيطن عنها فاخرجهما مما كان فيهص وقلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدوج ولكم فى الارض مستقرومتاع الى حين o فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه ط انه هو التواب الرحيمo قلنااهبطوا منها جميعاج فاما ياتينكم منى هدى فمن تبع هدى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنونo: (۲/۴)

(۷) پھر شیطان نے انسان اور اس کی بیوی دونوں کو پھُسلا کر جنّت سے نکلوا دیا تو ہم نے بھی کہا نکلو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، جاؤ ایک وقت تک زمین میں رہو۔ پھر انسان نے پچھتاوا کیا اور فریاد کرتا رہا تو کچھ تھوڑی بہت فریاد بھی خدا نے سُن لی اور کہا کہ نکلو سب نکل جاؤ لیکن میں زمین میں تمہاری نسل کو ہدایت بھیجا کروں گا اور اگر تم نے اس کو مانا تو پھر سزائیں نہ ملا کرینگی اور تم بے خوف و حزن وہاں رہو گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان صرف زمین پر رہتا ہے۔ اَور ستاروں میں اس کا دخل نہیں اور یہ کمبخت صرف انسان کے پیچھے لگا ہے۔ ایک وقت تک یہ انسان اور شیطان زمین پر رہیں گے۔ پھر نہ معلوم کیا صورت ہو۔ شائد انسان کسی اور جگہ اپنا ڈیرہ بسا لے یا شیطان کو زمین سے ہی باہر نکال دے۔ یہ وقت شاید انسان کی مکمّل ہدایت اور ارتقا کا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔)

ان سب آیتوں سے انسان کا اس دنیا میں مقام واضح ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی جگہ اس زمین پر پُر کرنے والا ہے، مسجودِ ملائک ہے، احسن تقویم میں ہے، اس سے بھی بہتر آبادی کسی اور جگہ موجود ہے، اس کو خود سیدھی راہ معلوم نہیں لیکن ہدایت پر چلے تو وہ بے خوف و بے حزن ہو سکتا ہے، سب فطرت کی طاقتیں اس کے آگے سجدہ کرتی ہیں، وہ صاحب ارادہ ہے اس لئے اس نے نافرمانی بھی کی اور سزا بھی کھائی ورنہ الـجـنـة میں جو چاہتا کھاتا پیتا اور مزے سے رہتا۔ اسکے بعد انسان کی ممکنات کے بارے میں سورۂ دہر ۷۶ میں ہے۔

(۸) هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شياء مذكورا o انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج ق صلے نبتليه فجعلنه دسميعابصيراo انا هدينا السبيل اما شاكرا واما كفوراo: (۷۶/۱)

(۸) ایک وقت زمانے میں انسان پر کیا ایسا بھی آیا کہ وہ کوئی قابل ذکر شے ہی نہ تھا۔ ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا کہ اس کی آزمائش کریں اور اس کو بہت بڑا سننے والا اور بہت بڑا دیکھنے والا بنایا۔ راستہ اس کو دکھا دیا ہے کہ اب وہ اسکی قدر کرے یا اس سے انکار کرے۔

مقصد اس سے یہ ہے کہ سمع اور بصر کے ذریعے وہ خدا کے اوصاف (یعنی سمیع اور بصیر)

حاصل کر سکتا ہے پھر اسی فطرت سے وہ اپنا رستہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔ علمی ترقیوں نے انسان کو زور بروز زیادہ سمیع اور زیادہ بصیر ضرور بنا دیا ہے۔ لیکن قران حکیم کی بلند نظری دیکھو تیرہ سو ستر برس پہلے کہاں تھی! کیا لم یکن شیئا مذکورا o کے الفاظ سے واضح نہیں کہ انسان نے بے حقیقت خورد بینی حیوانوں سے ارتقا کیا ہے؟۔

مقام انسان کے سلسلے میں حسب ذیل آیات مزید روشنی ڈالتی ہیں:

(۹)(ا: اذ قال ربک للملائکة انی خالق بشرا من طین o فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له سجدین o فسجد الملائکة کلهم اجمعون o الا ابلیس استکبر و کان من الکفرین o: (۵/۳۸)

(۹) (ا: خدا نے فرشتوں کو کہا کہ میں انسان کو مٹی سے پیدا کر رہا ہوں پھر جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ کرنا۔ تو سب نے سوائے شیطان کے سجدہ کیا اور وہ اکڑا اور کافر ہو گیا۔ (یہاں صاف ظاہر ہے کہ انسان کی مخلوق کا ''درست'' کرنا اور خدائی روح کا اس میں ''پھونکنا'' کوئی بڑا ہی مرحلہ ہوگا)

(ب) قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی ط استکبرت ام کنت من العالین o قال انا خیر منه ط خلقتنی من نار و خلقته من طین o قال فاخرج منها فانک رجیم o لا ق صلے وان علیک لعنتی الی یوم الدین o قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون o قال فانک من المنظرین o لا الی یوم الوقت المعلوم o قال فبعزتک لاغوین هم اجمعین o لا الا عبادک من هم المخلصین o قال فالحق ز والحق اقول o ج لا ملئن جهنم منک وممن تبعک منهم اجمعین o: (۵/۳۸)

(ب) شیطان سے پوچھا گیا کہ جس شے کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے تو کیوں اس کو سجدہ نہیں کرتا۔ کیا تُو باغیوں میں سے ہے یا تجھے اکڑ ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ مٹی سے اس لئے میں بہتر ہوں۔ اس پر خدا نے کہا تُو یہاں سے چلا جا اور تجھ پر تا قیامت لعنت ہوگی۔ اس نے کہا کہ مجھے تا قیامت مہلت دے۔ یہ مہلت دے دی گئی پھر اس نے کہا کہ تیری عزت کی قسم میں انسان کو سوائے تیرے حکم ماننے والے مخلص بندوں کے سب کو پھُسلاؤں گا۔ جواب ملا کہ ہم تجھے اور باقی سب کو جہنّم سے بھر دیں گے۔ (یہ آخری الفاظ آگے چل کر آیت (۲۶)۔ امیں بھی آئیں گے) فتدّبر۔ دیکھو صفحہ ۱۹

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان میں خدا کی روح پھونکی گئی ہے۔ گویا وہ ترقی کر کے خدائے عزّ وجل تک کے اوصاف حاصل کر سکتا ہے۔ وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے جو علمی طور پر آج بھی درست ہے۔ نیز یہ کہ شیطان کی پیدائش آگ یعنی گرمی سے ہے اور شائد یہی انسان کی گرمی اس کو راہ راست سے ہر دم بھٹکاتی رہتی ہے۔ فتدبّر۔ کافی زیادہ وضاحت کے ساتھ یہی بات سورۂ اعراف میں ہے:۔

(۱۰) ولقد خلقنکم ثم صورنکم ثم قلنا للملائکة اسجدوا لآدم فسجدو الا آبایس ط لم یکن من السجدین o قال ما منعک الا تسجد اذا مرتکط قال انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین o قال فاهبط منها فما یکون لک ان تتکبر فیها فاخرج انک من الصغرین o قال انظرنی الی یوم یبعثون o قال انک من المنظرین o قال فبما آغویتنی لا تعدن لهم صراطک المستقیم oلا ثم لاتین هم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم ط ولا تجد اکثرهم شاکرین o قال اخرج منها مذء وما مدحورا ط لمن تبعک من هم لاملئن جهنم منکم اجمعینo: (۲/۷)

(۱۰) اور بے شک ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں (موجودہ) صورت میں لائے، پھر فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو سب نے سوائے ابلیس کے سجدہ کیا اور وہ تیار نہ تھا۔ کہا کہ جب حکم ملا ہے تو کیوں سجدہ نہیں کرتا۔ کہا میں انسان سے اچھا ہوں، مجھے تُو نے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ خدا نے کہا تو پھر جنّت سے نکل تجھے شایاں نہیں کہ یہاں اکڑے۔ نکل جا کہ تو ذلیل ہے۔ کہا مجھے یوم قیامت تک کی مہلت دے۔ خدا نے کہا بہت اچھا۔ شیطان نے کہا تُو نے جو مجھے خراب کیا تو میں اب تیرے سیدھے رستے پر روک کے طور پر کھڑا رہوں گا۔ پھر سامنے، پیچھے، دائیں، بائیں سے آ کر انہیں بھٹکاتا رہوں گا اور اکثر کو تُو اپنا قدردان نہ پائے گا۔ تو خدا نے کہا یہاں سے ذلیل اور اوندھے منہ نکل۔ جو تیری پیروی کرے گا تو تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (خدا کے سامنے ابلیس کی اس گستاخانہ کلام اور لب ولہجہ کا منشا ہر صاحب نظر اور ذوق سلیم پر واضح ہونا چاہیے)۔

اس آیت سے صاف یقین ہو جاتا ہے کہ آدم کا لفظ نسل انسانی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور ملاّئی تخیّل کہ یہ سوال جواب حضرت آدمؑ علیہ السلام سے ہوئے غلط ہے۔ (اس کی واضح دلیل لفظ ثُمَّ سے ظاہر ہے۔ یعنی پہلے انسان کو پیدا کیا، پھر موجودہ صورت بنائی، پھر جب وہ نسل روئے زمین پر پھیل گئی تو ''فرشتوں'' کو کہا کہ اس انسان کے آگے سجدہ کرو)۔ اس آیت سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ موجودہ انسان کے آباؤ اجداد کی صورتیں اَور تھیں اور موجودہ صورت اَور ہے۔ یہ تحقیق طبقات الارض کے عالموں نے بڑے زور شور سے کی ہے اور حیرت انگیز طور پر صحیح ہے۔ اس کی تائید قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے بعد ایک اَور آیت سے یہ بھی روشن طور پر ثابت ہے کہ انسان آئندہ بھی اس سے بلند تر مخلوق ضرور بنتا جائیگا۔

(۱۱) (الف) مالکم لا ترجون لله وقارا oج وقد خلقکم اطوارا o؛ (۱/۷۱)

(۱۱) (الف) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے عزّت کی امید نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تم کو کئی پیدائش کے مرحلوں (لفظی طریقوں) سے گذار کر پیدا کیا۔

(ب) لترکبن طبقا عن طبق oط :(۱/۸۴)

(ب) تم ضرور ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک چڑھتے جاؤ گے۔

دلیل یہ ہے کہ انسان بڑی مشکل سے اپنی پیدائش کے اس مرحلے اور اس احسن تقویم پر پہنچا۔ دوسرے حیوانات آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے کروڑ ہا سالوں میں انسانی پیدائش کے ابتدائی مرحلوں تک پہنچے۔ (اس سلسلے میں دیکھو تذکرہ صفحہ ۱۱ تا ۳۷، جہاں مسئلہ ارتقا کو نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے)۔ اس لئے جب اتنی مشکل کے بعد انسان پیدا ہوا تو کیوں خدا سے اَور زیادہ عزّت کی امید نہیں رکھتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی بلند تر پیدائش کے مرحلوں تک پہنچ سکتا ہے۔ (دیکھو اس سلسلے میں (۱۱۰)۔ (لتاو) صفحہ ۵۸)

۲۔ مقامِ فطرت

(۱) صحیفہ فطرت ہی واحد حقیقت ہے!

حیرت ہوتی ہے کہ سچائی کے موجودہ مّلائی اور صوفیائی تخیّل کے خلاف قران حکیم میں (خدا اور قران وغیرہ کو چھوڑ کر☆) صرف ایک شے ہے جس کو بار بار اور نہایت تاکید کے ساتھ ''حق'' یعنی سچائی کہا گیا ہے اور وہ **صرف خدا** کی بنائی ہوئی فطرت ہے۔ **یہ حقیقت اس اصرار اور تکرار کے ساتھ واضح کی گئی ہے۔**

☆حق کا استعمال **خدا** کے بارے میں حسب ذیل جگہوں پر ہے: **ذالک بان اللہ ھو الحق** (۲۲/۱، ۳۱/۲) **حج و لقمان** (ترجمہ۔ یہ اس لئے کہ درحقیقت خدا ہی سچائی ہے)، **ان اللہ ھو الحق المبین o:** (۲۴/۳) (ترجمہ: بے شک اللہ ہی کھلی سچائی ہے)۔ قران حکیم کے بارے میں لفظ حق کا استعمال حسب ذیل جگہوں پر ہے: **فورب السماء والارض انه لحق مثل ما انعم تنطقون o:** (۵۱/۱) (ترجمہ: زمین و آسمان کے خدا کی قسم کہ یہ قران یقیناً حق ہے جس طرح تم بول رہے ہو۔ **وانه لحق الیقین o:** (۶۹/۲) (ترجمہ: یہ قران یقینی طور پر حق ہے)۔ **انا انزلنا علیک الکتاب للناس بالحقج:** (۳۹/۴) (ترجمہ: ہم نے تجھ پر لوگوں کے لئے قران حق کے ساتھ اتارا)۔ **بل جاء بالحقج:** (۳۷/۲) (ترجمہ: بلکہ وہ (یعنی رسول) حق لے کر آیا)۔ **بل ھو الحق من ربک:** (۳۲/۱) **وھو الحق من ربھم** (۴۷/۱) (ترجمہ: بلکہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے)۔ **انه الحق من ربک:** (۱۱/۲۰) (ترجمہ: بے شک وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے)۔ **لقد جاء ک الحق من ربک:** (۱۰/۱۰) اور **قد جاء کم الحق من ربکم:** (۱۰/۱۱) اور **بالحق انزلنه وبالحق نزل:** (۱۷/۱۲) میں قریب قریب ایک ہی معنے اور بالحق کے الفاظ دو دفعہ ہیں۔ ایک جگہ انبیاء کو حق کہا ہے **لقد جاء ت رسل ربنا بالحق:** (۷/۵) ایک جگہ قیامت کے وزن کو حق کہا ہے **والوزن یومئذ ن الحقج:** (۷/۱) ایک جگہ موت کے نشے کو برحق کہا ہے۔ **وجاء ت سکرت الموت بالحقط:** (۵۰/۲) ان موقعوں کے سوا باقی تمام موقعے صحیفہ فطرت کو برحق کہنے کے ہیں۔ فتدبّر۔

کہ مسلمانوں کا زوال کے زمانے سے اس کو قطعی طور پر نظر انداز کر کے خدا کی بنائی ہوئی فطرت کو لاشے اور دنیا کو مُردار سمجھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ قران اُس وقت تک متروک ومہجور ہو چکا تھا۔ اسی فطرت کو نظر انداز کرنے سے موجودہ اسلام میں جھوٹ، وہم، ظنّ اور گمان اس قدر شامل ہو گئے کہ اب دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔ قلندری، فقیری، صوفیائیت، پیری مریدی، مجذوبیّت اور مکروفریب کے تمام جال جو لوگوں نے حقیقت یا غیب دانی کے نام سے پھیلا رکھے ہیں اس باعث سے ہیں کہ مسلمان کو علم نہیں رہا کہ از روئے قران حکیم حقیقت کیا ہے اور حق کے بارے میں خدائے عزوجّل کی تصدیق کس شے پر ہے۔ حسب ذیل چودہ موقعوں پر قریباً ایک ہی مضمون ہے جو انتہائی غور کے قابل ہے:۔

(۱۲) خلق السموت والارض بالحقط تعالیٰ عما یشرکونo: (۱۶/۱)

(۱۲) آسمانوں اور زمین کو خدا نے سچائی کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ اس شے سے بلند ہے جو لوگ اسکے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

(۱۳) خلق اللہ السموت والارض بالحقط ان فی ذالک لایۃ للمؤمنینo (۲۹/۴)

(۱۳) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو سچائی کے ساتھ پیدا کیا۔ بے شک اس میں ایمان والوں کیلئے ایک بڑا اشارہ ہے۔

گویا اوّل: فطرت کی حقیقت پیدائش خدا ہے اور پیدا کردہ شے پیدا کرنے والے کے ساتھ برابر نہیں ہوسکتی۔ دوئم: اسی فطرت میں ایمان والوں کے لئے بڑا میدان عمل ہے۔ (مقابلہ کرو اس آیت کا (۳۴) سے صفحہ ۲۶)۔

(۱۴) ما خلقنا السموت والارض وما بینھما الا بالحقط واجل مسمیط (۴۶/۱)

(۱۴) ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔ نہیں پیدا کیا مگر سچائی کے ساتھ اور ایک وقت مقررہ تک۔

گویا تمام مخلوق کو بھی جو دونوں کے درمیان ہے سچائی میں شامل کرلیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ یہ کارخانہ وقت مقرر تک ہے۔

(۱۵) خلق السموت والارض بالحق وصورکم فاحسن صورکمج والیہ المصیرo: (۶۴/۱)

(۱۵) آسمانوں اور زمین کو سچائی کے ساتھ پیدا کیا اور تمہیں شکل دی پھر بہترین شکل بنائی اور جانے کی جگہ تو وہی خدا ہے۔

گویا اگر حقیقت کے متلاشی ہو تو اسی کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے حقیقت مل سکتی ہے اور کسی جگہ سے نہیں ملے گی۔ نیز یہ کہ انسانی تقویم بہترین تقویم ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا کہ آخر اپنے عملوں کا امتحان تو خدا کے پاس جا کر ہوگا۔

(۱۶) وخلق اللہ السموت والارض بالحق ولتجزی کل نفسم بما کسبت وھم لا یظلمونo: (۴۵/۳)

(۱۶) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو سچائی کے ساتھ پیدا کیا اور یہ اس لئے کہ ہر شخص کو جو وہ کوشش کرے اسکا بدلہ دیا جائیگا اور انسان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔

گویا جو شخص فطرت کی حقیقت کو بنا قرار دے کر عمل کرنے کی کوشش کرے گا اس کو اس کی پوری اُجرت ملے گی۔ کیا تمام دنیا کی زندہ قوموں کو اس کی جزا نہیں مل رہی۔ وائے افسوس کہ بعد کے مسلمان کس گمراہی کی طرف

چلے گئے! سورۂ ابراھیم میں اس سے بھی زیادہ واضح طور پر ہے:۔

(۱۷) الم تران الله خلق السموت والارض بالحق ط ان یشایذھبکم ویات بخلق جدیدoلا: (۱۴/۳)

(۱۷) کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو حقیقت پیدا کیا، اگر وہ مناسب سمجھے تو تمہاری نسل کو ختم کر کے ایک نئی پیدائش لا سکتا ہے۔

اللہ اللہ! یہاں تو دھمکی معلوم ہوتی ہے کہ اگر تم انسانوں نے اس حقیقت کی پوری قدر نہ کی تو کیا عجب ہے کہ تمہاری نسل ہی ناپید کر کے بہتر نسل لے آئے جو اس حقیقت کو پورے طور پر دریافت کرے!

(۱۸) وما خلقنا السموت والارض وما بینھما الا بالحق ط وان الساعة لاتیته فاصفح الصفح الجمیلo: (۱۵/۶)

(۱۸) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ایک حقیقت پیدا کیا اور یاد رکھو کہ (امتحان کا) وقت ضرور آنے والا ہے پس اس مہلت تک پورے طور سے درگذر کرو۔

گویا اس حقیقت سے جس قوم نے فائدہ نہ اٹھایا اس کو ذلّت نصیب ہو کر رہے گی۔ سورہ زُمر ۳۹ میں ہے۔

(۱۹) خلق السموت والارض بالحق ج یکور الیل علی النھار ویکور النھار علی الیل وسخر الشمس والقمر ط کل یجری لاجل مسمی ط الا ھو العزیز الغفارo: (۳۹/۱)

(۱۹) آسمانوں اور زمین کو حقیقت پیدا کیا وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے یہ سب کارخانہ ایک وقت مقرر تک جا رہا ہے۔ خبردار رہو کہ وہ خدا بڑا غالب اور بڑا پردہ ڈالنے (مہلت دینے) والا ہے۔

(۲۰) وھو الذی خلق السموت والارض بالحق ط ویوم یقول کن فیکونo ط: (۶/۹)

(۲۰) اور وہ وہ خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حقیقت پیدا کیا اور جب وہ کسی دن کہیگا کہ یہ شے ہو جا وہ ہو جائیگی۔

گویا اس کے علاوہ اور حقیقتیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں، اس کے کُن کہنے کی دیر ہے۔

(۲۱) ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ط ما خلق الله ذالک الا بالحق ط یفصل الایات لقوم یعلمونo: (۱۰/۱)

(۲۱) اور وہ خدا ہے جس نے سورج کو شعلہ بنا دیا ہے اور چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم سنوں کی گنتی کر سکو اور حساب کر لو خدا نے یہ پیدا نہیں کیا مگر ساتھ حقیقت کے۔ ان اشاروں کو علم والی قوم کے فائدے کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

یہاں صاف اشارہ ہے کہ صحیفۂ فطرت سے انتہائی علم حاصل کر کے ترقی کے بام بلند پر چڑھو اور سورج کی روشنی کو ضیا اور چاند کی روشنی کو نور کہہ کر دونوں کے درمیان فرق بتلایا ہے کہ ایک اصلی شعلہ ہے اور دوسرے نے محض

اس کی شعاع لے کر چمک حاصل کی ہے! تیرہ سوستّر برس پہلے جب کہ تمام دنیا جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی، یہ فرق بتانا حیرت انگیز ہے۔یعلمون کے معنی بھی صاف ہوگئے کہ علم صرف علم فطرت ہی ہے۔

(۲۲) اولم یتفکروا فی انفسھم قف ما خلق اللہ السموات والارض وما بینھما الا بالحق واجل مسمیط وان کثیرا من الناس بلقآء ربھم لکفرونo:(۳۰/ ۱)

(۲۲) کیا لوگوں نے اپنی ساخت پر غور نہیں کیا اور اس پر کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے نہیں پیدا کیا مگر بطور حقیقت کے اور ایک مقرر وقت تک، اور باوجود اس کے لوگوں میں سے بہت سے اس بات سے منکر ہیں کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے سے ایک نہ ایک دن ملاقات کریں گے۔(گویا ملاقات ربّ انسان ہی کو سمجھتی ہے)۔

یہاں پر ایک باریک اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ فطرت کی تمام اشیاء جو پیدا کی گئی ہیں حقیقت پر مبنی ہیں اور انہی حقائق پر تفکّر اور ان کی کماحقّہ تلاش کا نتیجہ **ملاقات ربّ** ہے جو لامحالہ اُن سے خدا کرے گا جو ایسا کریں گے لیکن اکثر لوگ ان امور کی طرف متوجہ نہ ہونے کے باعث ملاقات ربّ سے منکر ہیں۔

اس طریقے سے فطرت کو حقیقت کہنے کے علاوہ ایک اور طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ کہ یہ فطرت ہم نے کھیلتے کھیلتے نہیں بنائی۔

(۲۳) وما خلقنا السماء والارض وما بینھما لعبینo: (۲۱/ ۲)

(۲۳) اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے کھیلتے کھیلتے نہیں بنایا۔

(۲۴) وما خلقنا السموات والارض وما بینھما لعبینo وما خلقنا ھما الا بالحق ولکن اکثرھم لا یعلمونo: (۴۴/ ۲)

(۲۴) اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے کھیلتے کھیلتے نہیں بنایا۔ہم نے ان کو نہیں پیدا کیا مگر بطور حقیقت کے، لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔(گویا خدا کو دُھن لگی ہے کہ انسان اس کا علم حاصل کرے جو اس نے بنایا ہے تا کہ اس کو پہچانے)۔

یہاں پھر دُہرایا ہے کہ اکثر لوگ صحیفۂ فطرت کی سچائی کا علم نہیں رکھتے کیونکہ علم تو صرف **سمع بصر** اور ذہن کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے اور زیادہ لوگ دنیا میں وہ ہیں جو خدا کی ان دی ہوئی چیزوں کا استعمال کر کے فطرت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اس میں پچھلے مسلمان غافل رہے اور نہایت بے حقیقت باتوں کی طرف چلے گئے۔اس تمام حقیقت کشائی اور بار بار تنبیہ کے بعد قرآن حکیم کا آخری فیصلہ یہ ہے۔

کہ جولوگ اس فطرت کو باطل سمجھتے ہیں وہ **کافر** ہیں۔ اللہ اللہ! کیا اس سے زیادہ سخت سزا مسلمانوں پر عائد ہو سکتی ہے کہ ان کو کہا جائے کہ ایسے لوگ جہنمی ہیں:۔

(۲۵) وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا ط ذالک ظن الذین کفروا ج فویل للذین کفروا من النار ۰ط: (۳/۳۸)

(۲۵) ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے جھوٹ نہیں پیدا کیا۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں تو حیف ہے کہ ان کافروں کو جہنّم ہوگا۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ فطرت کو باطل سمجھنے والوں کو جہنّم تک کی سزا ہے۔ اس تنبیہ کے بعد ایک اور تنبیہ اس سے بھی ہولناک تر ہے جو نسل انسانی کے اُس کثیر حصّے (یعنی تمام جن وانس، گویا رہنما طبقہ اور مقتدی طبقہ: دیکھو جنّ وانس کی تشریح کیلئے **تذکرہ** مجلّد اوّل افتتاحیہ عربی صفحہ ۹۶ تا ۱۰۳ نیز ۱۵، ۱۶) کو دی گئی ہے جو خدا کے عطا کردہ سمع و بصر اور ذہن کو استعمال نہیں کرتے۔ یہ تنبیہ اس قدر لرزہ خیز ہے کہ اس کی رُو سے نسل انسانی کے صرف اُس حصّے کی ''آخری'' نجات **ممکن** ہے جو صاحب **علم** ہوگا اور باقی تمام طبقے جہنّم کے ایندھن ہوں گے۔ قابل غور شے یہ ہے کہ اس بظاہر معمولی جرم کی اس قدر ہولناک سزا کا دیا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ خدا کی نگاہوں میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اس کائنات سے جو اس نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے اور جس پر اُسے فخر ہے (دیکھو آگے چل کر (۲۷) تا (۳۲) بے پرواہی اختیار کی جائے، اس کی تہہ تک نہ پہنچا جائے اور ملاقات خدا کا اہل نہ بنا جائے۔ دیکھو (۲۲) صفحہ ۱۸

(۲٦) ⁽ⁱ⁾ ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس صلے لھم <u>قلوب لا</u> یفقھون بھا ولھم <u>اعین لا</u> یبصرون بھا ز ولھم <u>اذان لا</u> یسمعون بھا ز اولئک کالانعام بل ھم اضل ط اولئک ھم <u>الغافلون</u> ۰: (۲۲/۷)

(۲٦) ⁽ⁱ⁾ اور بے شک اور بالتحقیق ہم نے جنّ وانس کی **<u>اکثر مخلوق کو</u>** جہنّم کے لئے وقف کر دیا ہے، کیونکہ ان کے پاس دل (یعنی ذہن) ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہی وہ لوگ ہیں جو حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور یہی (ہماری خطرناک قرانی اصطلاح میں) <u>غافل</u> ہیں!۔

جس نامحسوس طور پر وہ قومیں جنہوں نے صحیفۂ فطرت سے علم حاصل کر کے اپنے آپ کو ترقی اور تمدّن کے بلند درجوں تک نہیں پہنچایا، آہستہ آہستہ محکومیّت اور غلامی کے جہنم کی طرف گھسٹ رہی ہیں، ہر صاحبِ نظر پر واضح ہے اور ایٹم بم کی دریافت سے جو ہولناک تباہی آگے چل کر آنے والی ہے، سب

کے کان کھڑے کر رہی ہے، لیکن اس آیت کو بہ غور پہلی آئیتوں (بالخصوص (۲۱) کے **لتعلموا** اور **لقوم یعلمون** اور (۲۲) کے **اولم یتفکروا** اور (۲۴) کے **لایعلمون**) کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے واضح ہے کہ خدا کی نگاہوں میں جہنّم کی آگ سے بچنے والی قومیں وہی ہیں جو صاحب علم ہیں۔ باقی سب **غافل** ہیں اور سب جہنّم میں جائیں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ "**غافل**" کی قرانی اصطلاح **کافر، مشرک** اور **فاسق** کی قرانی اصطلاحوں سے کہیں زیادہ لرزہ خیز ہے لیکن اس سلسلے میں دیکھو فرہنگ ومتن حریم غیب صفحہ ۲۶۴ تا ۲۶۶ نیز **غافل** کی مزید تعریف کیلئے حسب ذیل آیت پر غور کرو:۔

(۲۶)(ب) من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم o ذالک بانھم استحبوا الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الکافرین o اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وسمعھم و ابصارھم واولئک ھم الغافلون o لا جرم انھم فی الاخرۃ ھم الخاسرون o: (۱۶/۱۴)

(۲۶) جس نے خدا (کے قانون) پر ایمان لا کر انکار کیا (اور اس قانون سے برگشتہ ہو گیا) اِلّا وہ شخص جس کو مجبور کیا گیا اور دل سے وہ قانون خدا کے نفع مند ہونے پر یقین رکھتا ہے، لیکن وہ جس نے خدا کے قانون سے انکار کے متعلّق سینے کھول دیئے تو یہ قومیں ہیں جن پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور انہی کو دردناک عذاب ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ ایسی قومیں انجام سے صرف نظر کر کے لذّات دنیوی کو پسند کرتی ہیں اور منکرین قانونِ خدا کو تو خدا کبھی راہ راست نہیں دکھلاتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے ذہنوں اور کانوں اور آنکھوں پر خدا نے مُہر لگا دی ہے اور یہی غافل ہیں۔ لامحالہ یہی وہ لوگ ہیں جو بالآخر گھاٹے میں رہیں گے۔

گویا یہاں بھی **غافل** وہ لوگ ہیں جو سمع وبصر اور ذہن کا صحیح استعمال نہیں کرتے اور قانونِ خُدا کو بصیرت سے نہیں دیکھتے۔ (۲۶(ا) میں ضمناً **لھم قلوب لا یفقھون بھا** کے الفاظ سے واضح ہے کہ اہل عرب کے نزدیک قلب (یا **فواد**) (جس کو ہم لوگ "دل" کہتے ہیں) جو سینے میں ہوتا ہے وہ عضو ہے جس سے تفقّہ یعنی سمجھ آتی ہے گویا قلب، ذہن اور فواد ایک ہی شے ہیں (دیکھو حدیث القران کا ابتدائی صفحہ ۸)

کیا ان تمام تصریحات کے بعد کوئی ایک مسلمان ہے جو ملاّؤں، دین کے بڑے بڑے مفسّروں، صوفیوں اور آج کل کے لغو گو شاعروں اور "دانایانِ راز" کے ان قوم کُش اقوال کی طرف توجہ کرے گا جو اس فطرت کے علاوہ کسی "قلندری"، کسی منصور کے نعرۂ اناالحق یا کسی رومؔی ورازؔی کے وہمی اقوال کی طرف توجہ دلا کر قوم کو

ہلاکت کی طرف لے جارہے ہیں اورقران کا ادنیٰ علم نہ رکھتے ہوئے اُمّت کو زوال کی طرف گھسیٹ رہے ہیں۔قران حکیم میں ہے: ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ق صلے ویتخذھا ھزواط اولئک لھم عذاب مھینO: (۱/۳۱)(ترجمہ: اورلوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو بکواس اورلغویات کو اپنا لیتے ہیں کہ علم نہ رکھتے ہوئے خدا کے رستہ سے بھٹکا دیں اوراس خدا کے رستے کو مخول بنادیں،تو ایسے ہی لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے)۔فتدبّر۔

(۲)خدائے عزّ وجلّ کا صحیفہ فطرت پرفخر

خدائے عزّ وجل نے یہی نہیں کہ صحیفہ فطرت کو واحد حقیقت قرار دیا بلکہ فخریہّ الفاظ میں کہا کہ اس سے بہتر شے کوئی دکھاؤ جو کسی اَور نے بنائی ہو:۔

(۲۷) والسماء بنینھا باید وانا لموسعونO والارض فرشنھا فنعم الماھدونO: (۳/۵۱)

(۲۷) اوراس آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھ سے بنایا اورہم ضرور بڑی وسیع طاقت رکھنے والے ہیں اوراس زمین کو ہم نے خود فرش کیا تو دیکھو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں۔

(۲۸) ھذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق الذین من دونہط بل الظلمون فی ضلل مبینO: (۱/۳۱)

(۲۸) یہ تو اللہ کی پیدائش ہے۔تم مجھے دکھلاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے تو دیکھ لو کہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

(۲۹) قل ارئیتم شرکاء کم الذین تدعون من دون اللہ ط ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السموات ام اتیناھم کتاباً فھم علی سبیلہ منہ ج بل ان یعدالظالمون بعضھم بعضاً الا غروراO: (۵/۳۵)

(۲۹) کہہ دو کیا تم نے اپنے ان شریکوں کو دیکھا ہے جنہیں اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے یا ان کا کوئی حصّہ آسمانوں میں ہے، یا انہیں ہم نے کوئی تحریر دی ہے جو ان کے پاس بطور سند کے ہے۔اصل یہ ہے کہ ظالم ایک دوسرے کو دھوکہ ہی دے رہے ہیں۔

(۳۰) قل ارئیتم ما تدعون من دون اللہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السمواتط ایتونی بکتاب من قبل ھذا او اثرۃ من علم☆ ان کنتم صادقینO (۱/۴۶)

(۳۰) کہہ دو کیا تم نے اپنے شریکوں کو دیکھا، مجھے دکھاؤ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی یا ان کی کوئی آسمانوں میں شرکت ہے۔اس سے پہلے کی کوئی تحریر یا نشان علم میرے پاس لاؤ اگر سچے ہو۔(یہاں صاف طور پر صحیفہ فطرت کو کتاب کہا ہے)فتدبّر۔

(۳۱) انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم

(۳۱) ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کے لئے زینت پیدا کیا

☆ گویا یہ زمین وآسمان ہی وہ کتاب ہے جس سے عِلم حاصل ہوتا ہے۔

ایھم احسن عملاo: (۱۸/۱)

ہے تا کہ ان کو آزمائیں کہ کون بہترین عمل کرتا ہے۔

(۳۲) ما تری فی خلق الرحمن من تفوت ط فارجع البصر ھل تری من فطور o ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر حائسا وھو حسیرo: (۶۷/۱)

(۳۲) تُو خدا کی بنائی ہوئی پیدائش میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا تو اپنی آنکھ کو غور سے لے جاہ کیا اس میں کوئی ادنیٰ رخنہ دیکھتا ہے، نہیں دوبارہ آنکھ کو پھر لگا کر دیکھ لے۔ آنکھ ذلیل اور حسرت زدہ ہو کر تیری طرف واپس آ جائے گی۔

(۳۳) افلم ینظروا الی السمآء فوقھم کیف بنینھا وزینھا ومالھا من فروجo (۵۰/۱)

(۳۳) کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ کیسا اچھا ہم نے بنایا اور اس کو آراستہ کر دیا اور اس میں کوئی درز نہیں۔

(۳) صحیفہ فطرت کے مطالعہ کے اندر ہی خدا کے احکام موجود ہیں

فطرت کی اس عظیم الشان حقیقت کو اس بے گمان طور پر تصدیق کرنے کے بعد، دنیا کا یہ سب سے زیادہ منطقی طور پر صحیح مذہب اور انسان کا سچا لائحہ عمل انسان کو اس دنیا میں مستقل کام دینے اور خدا کی صحیح معرفت کرانے کے لئے بیگماں الفاظ میں اس صحیفہ فطرت میں سے خدائی احکام، الٰہی دستور العمل اور قوموں کی زندگی کا سچّا لائحہ عمل تلاش کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان ترغیبوں میں اِنَّ (فی الحقیقت) اور لَ (ضرور) کی دو تاکیدیں ہر جگہ موجود ہیں اور صاف بتلایا ہے کہ صرف اس قوم کو جو عقل رکھتی ہے: (لقوم یعقلون o)، علم رکھتی ہے: (لقوم یعلمونo)، یقین رکھتی ہے: (لقوم یوقنون o)، فکر رکھتی ہے: (لقوم یتفکرون o)، سننے کی قابلیّت رکھتی ہے: (لقوم یسمعون o) نعمتوں کو صحیح استعمال کرنے کی اہلیّت رکھتی ہے: (لقوم یشکرون o) عبرت حاصل کرنے کی استعداد رکھتی ہے: (لقوم یذکرون o)، ایمان رکھتی ہے: (لقوم یومنون)، سعی و عمل رکھتی ہے: (لقوم یعمکون o)، مستقل مزاج اور محنتی اور قدردان ہے: (لکل صبار شکور o)، خدا نے قانون سے خوفزدہ ہے: (لقوم یتقونo)، وغیرہ وغیرہ، ہاں صرف اِن قوموں کے لئے صحیفہ فطرت کے فلاں فلاں مظاہر اور مناظر میں اپنی قسمت کو درست کرنے، صحیح راہ پر چلنے، فطرت کا علم حاصل کر کے ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج پر پہنچنے کیلئے بے شمار احکام (ایات)، لاتعداد اشارے (ایات)، بیگماں معجزات (ایات) اور راہ عمل موجود☆ ہے!

یہ آیات جو قران حکیم میں تیس بلکہ اس سے بھی زیادہ مختلف موقعوں پر ہیروں اور موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں، اُن کے علاوہ ہیں جن میں قران نے غیر فانی الفاظ میں زمین کی مخلوق کو صحیفۂ فطرت کا مستقل علم اپنی طرف سے دیا ہے اور جو اس قدر حیران کن ہے کہ اس علم کا نام ونشان صفحہ زمین پر موجود نہ تھا جب کہ قران

☆ آیات کے ان مختلف معانی کی سند قران کے اندر موجود ہے۔

نازل ہوا۔ یہ بحث دراصل **تذکرہ** کی نویں جلد میں ہے اور ''علم القرآن'' کے عنوان سے ہے۔ اس کی ایک مختصر سی جھلک **تذکرہ** کی پہلی جلد میں مسئلہ ارتقاء کی بحث کے ضمن میں موجود ہے اور حدیث القرآن میں بھی اس کی ایک جھلک دکھلانے کی سعی کی جائے گی۔☆ لیکن قطع نظر قرآن حکیم کے اُس حصّے سے جو علم قرآن ہے، قرآن حکیم کی ایک حیرت انگیز خصوصیّت یہ حِصّہ ہے جس میں انسان کو فطرت کے مناظر کی طرف متوجہ کرنے اور ان سے احکام (ایات) حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ان آیات میں جو شے قابل توجہ ہے یہ ہے کہ (۱) خطاب عام ہے اور ہر قوم کی طرف ہے اور دعویٰ ہے کہ جو قوم ان مناظر کی طرف توجہ کرے گی اس کو لامحالہ آیات ملیں گی۔ (۲) اُس قوم کے ساتھ ایک مخصوص لقب (مثلاً عقل، علم، یقین، فکر، سمع، شکر، تذکیر، ایمان، عمل، تقویٰ وغیرہ وغیرہ) لگا دیا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ (۳) ہر آیت یا مجموعہ آیات میں مطالعہ فطرت کی کئی شقیں ایسی ہیں جن پر مستقل علوم مسلمانوں نے ایجاد کئے یا ان کے بعد اب مغرب میں ایجاد ہوئے (مثلاً: اسٹرانومی یعنی علم النجوم، میٹرالوجی یعنی علم الریاّح، بوٹنی یعنی علم النباتات وغیرہ وغیرہ)۔ لیکن کئی شقیں ایسی ہیں جن کی طرف انسان نے ابھی تک مطلق توجہ نہیں کی (مثلاً رات اور دن کا علم، آسمان سے برسے ہوئے پانی کا علم، شہد کا علم، اختلافِ رنگ کا علم، موت پر رُوح کے قبض ہونے کا علم، بسط و قبض رزق کا علم، نیند کا علم، وغیرہ وغیرہ) (۴) چونکہ انسان کا مقام اس زمین پر بمنزلہ خلیفۃ اللہ یعنی خدا کا قائم مقام بننا ہے، نیز چونکہ انسان کے متعلّق خدائے عزّ وجلّ کا اقرار ہے کہ اس میں میری روح بھر دی گئی ہے اس لئے لازم ہے کہ انسان سمیع اور بصیر ہونے کے علاوہ (جس کا ذکر اوپر آیات نمبر (۸) میں ہوا) باقی سب اوصافِ خُدا حاصل کرنے کی سعی کرے جن میں سے ایک بڑا وصف یقیناً خلاّق ہونا (یعنی زندہ شے پیدا کرنے کا وصف رکھنا) ہے۔ اس نازک معاملہ پر بحث مفصلّہ ذیل آیات کے نقل کرنے کے بعد آئے گی، لیکن میں یہاں پر اس واقعہ کی طرف اشارہ پیش از وقت کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے ۱۹۱۸ء میں یعنی آج سے ۳۳ برس پہلے صوبہ سرحد کی ریاضی کی ایک علمی انجمن میں ایک معرکۃ الآرا تقریر کی تھی اور دلائل سے ثابت کیا تھا کہ دنیا کی موجودہ علمی ترقیاں جو پچھلے کئی ہزار برس میں ہوئیں اور جن کا نتیجہ موجودہ علم حساب اور علم طبیعات وغیرہ ہیں، بے حد ناقص اور نارسا اس لئے ہیں کہ ان سب کی بنیاد یونان کی مائی تھالوجی (علم الاوہام) کے منتہا یعنی نقطہ اور خط مستقیم اور دائرہ پر ہیں۔ حالانکہ نقطہ اور خط مستقیم اور دائرہ اگرچہ بادی النظر میں نہایت خوبصورت اور نصب العینی (آڈیولوجیکل) وجود ہیں لیکن صحیفہ فطرت میں نہ نقطہ موجود ہے نہ دائرہ، نہ خطِ مستقیم،

☆ دیکھو صفحہ ۲۰۰ تا ۲۱۷

(جو دائرے کی ایک حالت ہے)۔اسی مجلس میں جو حساب دانوں پر مشتمل تھی میں نے دعویٰ کیا تھا کہ چونکہ حساب کی بنیاد ان تین غیر فطری چیزوں پر ہوئی اور انہی تین چیزوں کو غلطی سے، اور یونانیوں کی خوشامد کر کے، نصب العین (یعنی آئیڈیل) تسلیم کرلیا گیا، نتیجہ یہ ہے کہ تمام علم حساب اور متعلّقہ علوم انہی تین چیزوں کے گرداگرد گھومتے رہے اور ان تین چیزوں کے چکّر سے نہ نکل سکے۔ایسی غلطی کا المناک نتیجہ یہ ہے کہ ہم اقلیدس سے جیومیٹری اور جیومیٹری سے علم جرِّثقیل (مکینکس) اور جرِّثقیل سے مشینوں اور انجنوں کی خلاّقی کی طرف چلے گئے کیونکہ تمام مشینوں اور انجنوں کی بنیاد نقطہ، دائرہ اور خط مستقیم ہیں۔اب انسان نے اگرچہ تھوڑی بہت خلاّقی ضرور کی ہے اور وہ بڑی عجیب وغریب مشینیں بنا سکتا ہے لیکن وہ مشینیں محض بے جان ہیں اور بیرونی طاقت کے ذریعے صرف گھومنا یا چلنا جانتی ہیں لیکن زندگی کا تمام راز بالکل نایافتہ پڑا ہے۔ بلکہ انسان نے اس مضمون کو قطعاً ہاتھ نہیں لگایا۔اس مجلس میں میرے اس حیرت انگیز انکشاف سے بڑی سنسنی پھیل گئی اور اس کی آواز یورپ اور امریکہ تک پہنچی۔ ۱۹۲۶ء میں جب کہ میں موتمر خلافت میں مدعو ہوا، ڈاکٹر دورونوف اور پروفیسر آئن سٹین سے یورپ میں میری طویل ملاقاتیں اسی مسئلے پر ہوئیں اور انہوں نے میرے اس مؤقف کو بے حد سراہا اور کہا کہ ''اگر آپ اس مسئلے کو سنجیدہ طور پر دنیا میں پیش کریں تو ایک انقلاب عظیم برپا ہوسکتا ہے'' بلکہ ''دنیا آپ کو ایک بڑا محسن ماننے کے لئے تیار ہوسکتی ہے۔'' مجھے ان دو عظیم الشان پروفیسروں کی حوصلہ دہی سے بڑا اطمینان ہوا کیونکہ یہ خود اس مسئلے پر بڑے پریشان تھے کہ انسان باوجود اس کے کہ اس نے علم میں اس قدر ترقی کی ہے ابھی تک اس قابل نہیں ہوسکا کہ **زندگی کے مسئلے** کے متعلق معمولی معلومات بھی حاصل کر سکے۔ میں نے ان کو اصلی وجہ بتائی کہ دراصل ہم یونان کے پُجاری ہیں، صحیفۂ فطرت اور خدا کے پجاری نہیں۔اگر ہم خدا کے پجاری ہوتے تو ضرور اس وقت تک ہم **خالق** بھی بن جاتے۔ چونکہ اس وقت تک تـذکـرہ لکھا جا چکا تھا میں نے ان کو قرانی حقائق کئی نشتوں میں بیان کئے اور ان آیات کی طرف توجہ دلائی۔ ڈاکٹر ورونوف چونکہ وہ مشہور شخص ہے☆ جو بندروں کے غدود انسانوں کے خُصیوں میں لگا کر بوڑھوں کو جوان کرتا تھا، وہ قرانِ حکیم کی ان آیتوں کو دیکھ کر انتہائی طور پر سرگرم ہوگیا۔اسی کے ذریعے اور پروفیسر آئن سٹائن کے ذریعے سے مجھے کئی اعزازی سوسائیٹیوں کا فیلو منتخب کیا گیا اور قریب تھا کہ میں بھی دنیا میں ایک علمی انقلاب برپا کروں۔ ۱۹۲۶ء کے بعد چونکہ مسلمانوں کے حالات ہندوستان میں بے حد خراب ہوگئے تھے اور کانگریس کے مقابلے میں کوئی جماعت مسلمانوں

☆ افسوس کہ اس تحریر کے تھوڑی دیر بعد ہی ۱۹۵۱ء میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ مصنّف۔

کی موجود نہ تھی اس لئے مجھے تذکرہ لکھنے کے بعد مسلمانوں کی قومی زندگی کی طرف رجوع کرنا پڑا اور یہ تمام انقلابی سلسلہ ۱۹۳۰ء میں میری ملازمت کے ختم ہونے کے بعد ختم ہو گیا۔ ۱۹۳۱ء میں انٹرنیشنل کانگریس آف اورینٹلسٹس ☆ نے مجھے **تذکرہ** کی تصریحات کرنے کیلئے مدعو کیا لیکن چونکہ خاکسار تحریک شروع ہو چکی تھی میں نے دو بیڑیوں میں ٹانگ اڑانا مناسب نہ خیال کر کے علمی تلاش و تجسس کو یکدم خیر باد کہہ دیا!

اس کہانی سے مقصد یہ ہے کہ ابھی انسان خلاّقی کے ادنیٰ ترین مراحل بھی طے نہیں کر سکا۔ انسان کی تمام جستجو جو اس وقت تک صحیفۂ فطرت کے سلسلے میں ہوئی ہے نہایت سطحی اور عارضی ہے اس تمام تفتیش کی بنیاد علم حساب اور اس سے متعلقہ علوم پر ہے جن کی اساس یونانی نقطہ، یونانی دائرہ اور یونانی خط مستقیم پر ہے۔ علم طب کی بنیاد بھی اسی لحاظ سے محض تجربہ پر ہے۔ اگر کوئی دوا بیمار کو دے کر فائدہ ہوتا ہے تو اس کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ تشریح الابدان اور جرّاحی میں بھی صرف چیڑ پھاڑ اور تجربہ ہے حتٰی کہ چیرنے پھاڑنے والے اوزار بھی وہ ہیں جو فطرت میں موجود نہیں۔ اس تمام فطرت سے ہٹنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم فطرت میں زندگی کے راز کو ابھی تک دریافت نہیں کر سکے یا ہماری دریافت کی حد صرف اس تک ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک بیجان یعنی صرف ایک گھومنے والی مشین بنا سکیں، لیکن اڑنے والی مکھّی سے ہم کلیتہً بے خبر ہوں حتیٰ کہ ہم کو یہ بھی علم نہ ہو کہ انسان یا حیوان کی پیدائش کا عنصر اوّل یعنی پروٹاپلزم جو ایک خورد بینی غُرفہ (یعنی سَیل) میں رہتا ہے، کیا شے ہے، اس کے اندر زندگی کیوں ہے، یہ زندگی کیونکر پیدا ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بحث ایک بہت طویل اور انتہائی طور پر علمی بحث ہے اور اس کے کرنے کا یہ مقام نہیں لیکن یہ چند سطریں اس لئے یہاں پر لکھ دی گئی ہیں کہ قرآن حکیم کی آئیتوں پر جو اس بحث کے ضمن میں آ رہی ہیں، مسلمان انتہائی غور و فکر کریں اور ان کو مشعل راہ بنا کر نئے علوم مستنبط کریں اور یونانیوں کے پُجاری بننے کی بجائے خدا کے پجاری بنیں تا کہ اُن کو دنیا میں انتہائی سرفرازی حاصل ہو۔ اس سلسلے میں مَیں چاہتا ہوں کہ آنے والی مسلمان نسلوں کو حوصلہ دلانے کیلئے یہ اشارہ بھی دے جاؤں کہ خلاّقی کے سلسلے میں بھی اَور انسانی علوم کی طرح آنے والے مسلمان ہی پَہل کریں گے کیونکہ قرآن حکیم میں ایک نہایت معنی خیز آیت خلاّقی کے بارے میں موجود ہے۔ یہ وہ آیت ہے جو میں نے مذکورہ بالا دو پروفیسروں کو مسلمان بنانے کی ترغیب میں پیش کی تھی اور جس کو دیکھ کر وہ خوب سوچ میں پڑ گئے تھے: **یا ایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہط ان الذین تدعون من**

☆ یعنی بین الاقوامی مجلس مستشرقین

دون اللـه لـن يـخلقوا ذبابا ولواجتمعوا لهط وان يسـلبهـم الـذباب شيئا لا يستنقذوه منهط ضـعف الـطـالب والمطلوب o مـا قـدروالله حق قدره ط ان الـلـه لقوى عزيز o:(۲۲/۱۰)
(ترجمہ۔اے لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو۔تم جن انسانوں کو خدا سے قطع نظر کر کے پکارتے ہو وہ ہرگز مکھی نہ پیدا کر سکیں گے۔خواہ سب کے سب اکٹھے بھی ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی شے چھین لے تو اس سے لے نہیں سکیں گے۔طالب اور مطلوب دونوں ہی کمزور ہیں۔انہوں نے درحقیقت خدا کی عظمت کا اندازہ ہی نہیں لگایا بے شک خدا بڑا ہی قوت والا اور عظمت والا ہے)۔ان آیات میں مجھے خدائے عظیم کی طرف سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بشرطیکہ اس نے خدا کی عظمت کا پورا اندازہ لگالیا، ممکن ہے کہ خالق بھی بن سکے اور انشاءاللہ ضرور بن کر رہے گا۔

مجھے کچھ رنج نہیں کہ مَیں نے کیوں اپنی توجہ علمی مشاغل کی طرف سے ہٹا کر قوم کو دی اور زندگی کے بہترین حصّے میں کیوں مسلمان کی طرف لگا رہا، یا کیوں تـذکـرہ لکھا جس کی قوم نے قدر نہ کی، بہرنوع میں کافی سے زیادہ مطمئن ہوں کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔اب اس وقت فرض جو ادا کر رہا ہوں وہ بھی میرے لئے مقدّر ہے۔میں اس میں دخل نہیں دے سکتا۔آیات جو اس ضمن میں ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(۳۴) ان فـی خـلـق الـسـموات والارض لایات للمؤمنین o وفـی حـلقکمط ومـایبث من دابة ایت لقوم یوقنونo واختـلاف الیل والنهار وما انزل الله من السـمـآء مـن رزق فـاحیـابـه الارض بـعـد مـوتهـا وتصریف الریح ایت لقوم یعقلونo: (۴۵/۱)

(۳۴) آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں بے شک ایمان والوں کے لئے ضرور بہت سے اشارے اور احکام ہیں۔اور تمہاری اپنی پیدائش میں اور اس میں کہ جو کچھ خدا حیوانات میں سے زمین پر پھیلاتا ہے یقین کرنے والی قوم کے لئے بہت سے احکام ہیں اور دن اور رات کے اختلاف میں نیز جو رزق خدا نے آسمان سے اُتارا اور پھر اس (پانی) سے مرنے کے بعد زمین کو زندہ کیا اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں عقلمند قوم کے لئے بہت سے اشارات موجود ہیں۔

(۳۵) ان فـی اختـلاف الیـل والـنهـار ومـا خـلق الله فی السموت والارض لایات لقوم یتقونo: (۱۰/۱)

(۳۵) بے شک رات اور دن کے اختلاف میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا، بہت سے اشارے اور احکام اس قوم کے لئے موجود ہیں جو خدا کے قانون سے خوفزدہ ہے۔

(۳٦) وفـی الارض ایـت لـلموقنینo وفـی انفسکم ط افـلا تبصرون o وفی السمآء رزقکم ما توعدونo:

(۳٦) اور زمین میں یقین کرنے والوں کیلئے کئی اشارے موجود ہیں بلکہ خود تمہارے اندر، کیا تم نہیں دیکھتے؟ اور آسمان میں تمہاری روزی ہے

فورب السمآء والارض انه لحق مثل ما انکم تنطقونo ع: (۱/۵۱)
اور جس کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے۔ تو زمین و آسمان کے پروردگار کی قسم یہ اتنا ہی سچ ہے جتنا کہ تم بالتحقیق بول رہے ہو۔

(۳۷) ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالبابo ج **الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض** ج **ربنا ما خلقت ھذا باطلاً**o ج: (۳/۳۰)

(۳۷) صاحب دانش لوگوں کے لئے آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن رات کے اختلاف میں بہت سے اشارے موجود ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے خدا کا کھٹکا لگائے رکھتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچتے رہتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ تُو نے انکو جھوٹ پیدا نہیں کیا۔

(۳۸) ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس ومآ انزل اللہ من السمآء من مآء فاحیابه الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابة ص **وتصریف الریاح السحاب المسخر بین السمآء والارض لایت لقوم یعقلون**o (۲/۲۰)

(۳۸) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن اور رات کے اختلاف میں اور اُن کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں اور جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس پانی سے جو اللہ نے آسمان سے اتارا اور پھر مُردہ ہو جانے کے بعد زمین کو اس پانی سے (خدا نے) زندہ کیا اور حیوانوں کے اس پھیلاؤ سے جو (خدا نے) زمین پر کیا اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور اُس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان میں پکڑا ہوا ہے، عقل والی قوم کے لئے بہت سے اشارات ضرور موجود ہیں۔

(۳۹) ومن ایته خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ط **ان فی ذالک لایت للعلمین**o: (۳/۳۰)

(۳۹) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش (بذاتِ خود) خدائے عظیم کے اشاروں میں سے ایک اشارہ ہے اور تمہاری زبانوں کا آپس میں مختلف ہونا، اور تمہارے (جسم کے) رنگوں کا مختلف ہونا بے شک ان واقعات میں ضرور صاحب علم لوگوں کے لئے کئی اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

قران حکیم میں یہ چھ موقعے ہیں جہاں **سموات** اور ارض کے الفاظ کہہ کر توجہ دلائی گئی ہے۔ (۳۴) میں صرف **فی السموات والارض** ہے۔ (۳۵) میں **ما خلق اللہ فی السموات والارض** ہے۔ (۳۶) میں صرف **فی الارض** ہے، (۳۷) اور (۳۸) میں **فی خلق السموات والارض** ہے، (۳۹) میں **فی** کا لفظ موجود

نہیں اورصرف خلق السموات والارض ہے گویا اس پر بھی غور کرنا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق بہ حیثیت مجموعی کیونکر ہوئی۔ (۳۴) میں فی خلقکم ہے (یعنی انسان کی اپنی پیدائش پر بھی غور کرنا ہے)، (۳۶) میں فی انفسکم ہے (یعنی انسان کے اپنے نفس پر غور کرنا ہے)۔ اختلاف الیل والنھار کی بنا پر ابھی تک کوئی علم پیدا نہیں ہوا اور نہ معلوم وہ کیا ہو کیونکہ چھ موقعوں میں سے چار پر اس پر زور دیا ہے اور تقویٰ، عقل اور الباب کو اس علم کی طرف منسوب کیا ہے۔ بث دابۃ یعنی علم حیوانات ایک نہایت وسیع علم ہے اور اس کو عقل اور یقین کی طرف منسوب کیا ہے۔ اولی الالباب (یعنی صاحب دانش) کی تعریف یہ کی ہے کہ ان کو دن رات یہی دُھن ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی اشیا کی حقیقت کیا ہے وہ شائد کسی یونیورسٹی کے بڑے جلیل القدر پروفیسر ہوں گے جن کے کپڑے پھٹے ہوئے اور بال پریشان ہوتے ہیں۔ ضمناً ذکرِ خدا کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ اس کا مطلب خدا کی پیدائش کی حقیقت کی ٹوہ لگانا ہے اور مولویانہ معنی تسبیح پھیرنا اور دن رات نماز پڑھتے رہنا لغو ہے۔ لیکن مولوی اس کا کیا جواب دے گا کہ پہلو پر لیٹ کر تو نماز کبھی نہیں ہوتی۔ (۳۶) میں یہ دعویٰ کہ ''آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس کا تم وعدہ (یا دھمکی بھی ہوسکتا ہے) دیئے جارہے ہو'' اور پھر ربّ زمین وآسمان کی قسم کھا کر یہ کہنا کہ ''یہ سچ اسی طرح ہے جس طرح کہ تم بول رہے ہو''، حیران کن ہے اور کیا عجب ہے کہ اس کے متعلق تحقیق کرنے سے قرنوں کے بعد کیا انکشاف ہو۔ (۳۴) اور (۳۸) میں اس رزق کی تشریح بارش کے پانی سے کی ہے اور ہواؤں کے ہیر پھیر کو بھی ساتھ لگا دیا ہے مگر کیا عجب ہے کہ اس علم کی ترقی سے انسان بادلوں اور ہواؤں کو مسخّر کر کے اپنے رزق کا سامان اپنے ہاتھ میں لے جیسا کہ آج کل امریکہ کر رہا ہے۔ اختلاف زبان ایک مستقل علم ہے اور اس کی وجہ سے انسان کی پہلی تاریخ بہت کچھ واضح ہوئی ہے۔ اختلاف الوان کا علم بھی ابھی تک پورے طور سے قابل توجہ نہیں ہوا۔ معلوم نہیں ان دونوں علموں کی تاکید کے متعلّق کیا عظیم الشان راز چُھپے ہیں۔ ان چھ موقعوں سے گذر کر باقی موقعے درجہ وار لکھے جاتے ہیں۔

(۴۰) وھو الذی انزل من السمآ ماء فاخرجنا بہ نبات کل شی فاخرجنا منہ خضرا نخرج منہ حباً متراکباً ج ومن النحل من طلعھا قنوان دانیۃ وجنت من اعناب والزیتون والرمان متشابھا

(۴۰) اور وہ خدا وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے سے (ہی) ہر شے کی سوئی نکالی پھر ہم نے اس سوئی سے سبزی نکالی جس سے ہم سلسلہ وار اور پیوست شدہ دانے بیجوں کے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے سے جُھکے ہوئے گچھے اور انگوروں اور زیتون اور سیبوں کے

وغیر متشابهط انظروا الی ثمره اذا اثمر وینجعط ان فی ذلکم لایات لقوم یومنونo: (۱۲/۶)
سبز باغ جو کہ ایک دوسرے سے ملے جلے اور الگ الگ ہیں۔ غور سے اس کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو۔ بے شک ایمان والی قوم کے لئے اس تمام عملِ نشوونما میں کئی اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۴۱) هوالذی انزل من السمآء ماء لکم منه شراب ومنه شجرفیه تسیمون o ینبت لکم به الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات ط ان فی ذالک لایته لقوم یتفکرونo وسخرلکم الیل والنهار والشمس والقمر ط والنجوم مسخرات م بامره ط ان فی ذالک لایات لقوم یعقلون o وما ذرالکم فی الارض مختلفا الوانه ط ان فی ذالک لایة لقوم یذکرونo: (۱۶/۲)

(۴۱) خداوہ پاک ذات ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس پانی کا کچھ حصّہ تو پینے کے لئے ہے اور کچھ پودوں کے لئے جن میں (مویشی) چرتے ہیں۔ وہ خدا اس پانی کے ذریعے تمہارے لئے سبزی اُگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور باقی سب پھل۔ بے شک اس (تمام کارگزاری) میں سوچنے والی قوم کے لئے ضرور ایک (بڑا) اشارہ موجود ہے اور (اس شے میں کہ) خدا نے تمہارے (فائدے کے) لئے زمین میں کئی اشیاء مختلف رنگوں کی چھوڑ رکھی ہیں، بے شک اُس قوم کے لئے جو عبرت پکڑے ایک (بڑا) اشارہ موجود ہے۔

(۴۲) والله انزل من السمآء مآء فاحیا به الارض بعد موتها ط ان فی ذالک لایة لقوم یسمعونo وان لکم فی الانعام لعبرة ج ط نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث ودم لبنا خالصاً سائغاً للشربین o ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکراورزقاً حسناط ان فی ذالک لایة لقوم یعقلونo: (۱۶/۸)

(۴۲) اور اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر مردہ ہوئے پیچھے اس زمین کو زندہ کیا۔ بے شک اس (مظہر فطرت) میں اس قوم کے لئے جو کان رکھتی ہے ایک (بڑا) اشارہ موجود ہے۔ اور مویشیوں میں بھی ضرور تمہارے لئے عبرت ہے جن سے ہم ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کی درمیانی شے خالص دودھ غٹ غٹ پلاتے ہیں اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں جن سے اپنا نشہ اور عمدہ رزق بناتے ہو۔ ان سب میں عقلمند قوم کے لئے (بڑا) اشارہ موجود ہے۔

(۴۳) الم تران الله انزل من السمآ مآء فسلکه ینابیع فی الارض ثم یخرج به زرعاً مختلفا

(۴۳) کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین میں اس نے چشمے چلائے پھر اس پانی کے ذریعے وہ سبزی

الوانه ثم يهيج فتره مصفرا ثم يجعله حطاماً ط ان فی ذالک لذکری لاولی الالبابo: (۲/۳۹)

اُگاتا ہے جورنگ برنگ ہوتی ہے، پھروہ جوش مارتی ہے۔ پھرتُو دیکھتا ہے کہ زرد پڑگئی ہے پھراس کو ریزہ ریزہ کردیتا ہے۔ اس (تمام منظر) میں صاحب عقل وفہم لوگوں کے لئے ایک (بڑی) عبرت ضرور بالضرور موجود ہے۔

(۴۴) **وهوالذی مد الارض وجعل فیها رواسی وانهراط ومن کل الثمرات جعل فیها زوجین اثنین یغشی الیل النهارط ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرونo وفی الارض قطع متجاورات وجنت من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقی بمآء واحد ونفضل بعضها علی بعض فی الاکل ان فی ذالک لایت لقوم یعقلونo**:(۱/۱۳)

(۴۴) اور وہی ذات ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں (پہاڑوں کی) چوٹیاں بنائیں اور دریا پیدا کئے اور تمام پھلوں میں سے ہر پھل کے جوڑے بنائے اور رات دن کو لپیٹ لیتی ہے۔ اس (تمام منظر) میں سوچنے والی قوم کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں اور زمین میں پاس پاس کے ٹکڑے ہیں اور انگوروں اور کھیتوں اور کھجوروں کے باغ جو دوشاخے اور یک شاخے ہیں جن کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور (پھر اس کے بعد) کھانے میں بعض پھلوں کو بعض پر فضیلت ہے۔ بے شک اس (تمام منظر) میں عقلمند قوم کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۴۵) **الذی جعل لکم الارض مهدا وسلک لکم فیها سبلا وانزل من السمآ مآء ط فاخرجنا به ازواجاً من نبات شتی o کلوا وارعواانعامکم ط ان فی ذالک لایت لاولی النهیo**: (۲/۲۰)

(۴۵) وہ (وہ پاک ذات) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنادیا اور اس میں رستے چلا دیئے اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی کے ذریعے سے ہی ہم نے مختلف سبزیوں کے دو جوڑے نکالے اور (انسان کو اختیار دے کر کہا کہ) کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چارہ دو۔ بے شک اس (تمام منظر) میں صاحب عقل و دانش لوگوں کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۴۶) **اولم یروا الی الارض کم انبتنا فیها من کل زوج کریمo ان فی ذالک لاية وما کان اکثرهم مؤمنینo**:(۱/۲۶)

(۴۶) کیا ان لوگوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہی نہایت باعزّت جوڑے بنائے۔ بے شک اس (تمام منظر) میں ایک بڑا اشارہ اور بڑی ہدایت موجود ہے لیکن انسانوں میں سے اکثر (اس صداقت پر) ایمان نہیں رکھتے۔

یہ سات موقعے ہیں جہاں ذکر نباتات اور بادلوں کے پانیوں کا ہے۔(۴۰) میں نباتات کے اگاؤ کے ہر مرحلے کا اُسکے پکنے تک ذکر ہے اس لئے لفظ ایات لکھا ہے یعنی کئی طرح کے علوم ہیں اور کئی اشارات ملیں گے، (۴۱) میں غالباً ''نباتات کے اُگاؤ اور اختلاف الوان کا علم ہے اس لئے صرف ایۃ دونوں جگہ ہے۔(۴۲) میں بھی پانی کے زمین پر گر کر اس کو زندہ کرنے کا علم لکھا ہے اور یہاں بھی ایات کی جگہ صرف ایۃ ہے لیکن حیرت انگیز لفظ یسمعون کا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ زمین پر پانی کے گرنے سے خشک بیجوں میں زندگی کے آثار پیدا ہونے کا کوئی تعلق سمع یعنی کان سے ہے اور کیا عجب ہے کہ زندگی کے راز دریافت کرنے کا تعلق کان سے ہو۔اسی قسم کی ایک سنسنی خیز علمی تفتیش کلکتہ کے ایک ہندو پروفیسر☆ نے نباتات کے متعلق پینتیس (۳۵) برس ہوئے کی تھی جس میں ثابت کیا تھا کہ نباتات کی حیات میں بہت سی باتیں حیوانی حیات کے مشابہ ملتی ہیں اور یہ ذی حیات افراد بھی حیوانوں کی طرح بیرونی جذبات سے متاثر ہوتے ہیں۔ان میں خوشی، غمی، تھکاوٹ، تروتازگی وغیرہ سب خاصیتیں موجود ہیں چنانچہ کیا عجب ہے کہ زندگی کا راز اس ابتدائی قسم کی حیات کے مطالعے سے واضح ہو اور اس میں سمع یعنی سننے کو کافی دخل ہو۔اس سلسلے میں ایک اَور معنی خیز آیت یہاں درج کی جاتی ہے۔الم تر ان اللہ انزل من السمآء مآء فتصبح الارض مخضرۃ ط ان اللہ لطیف خبیر o ج: (۲۲/۸) (ترجمہ: کیا تُو نے اس کی طرف غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اور پھر زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔بے شک خدا بڑا باریک بین اور بڑا باخبر ہے)۔باخبر کے لفظ سے بھی یقین ہوتا ہے کہ اس معاملے میں کان کو بڑا دخل ہے۔(۴۳) میں محکمہ زراعت کے لئے کئی دلچسپ اشارے ہیں۔(۴۴) میں علم نباتات کے ماہر کے لئے سوچ کا بڑا مواد ہے۔نباتات کے مذکر و مؤنث اجزا اور ایک ہی پانی سے مختلف قسموں کے پھلوں کے پیدا ہونے کے وجوہات نسلوں تک ماہرین علم کو مصروف رکھ سکتے ہیں اور قریباً یہی مضمون زوجیّت کا (۴۵) اور (۴۶) میں ہے۔(۴۶) میں بالخصوص اس نقطہ نظر سے کہ یہ تمام سورت نہایت واضح طور پر قوموں کی ہلاکت کے اسباب ما کان اکثرھم مومنین o کہہ کر تشریح کرتی ہے، ممکن ہے کہ یہ بھی اشارہ ہو کہ کسی قوم میں صحیفہ فطرت کے بغور مطالعہ نہ کرنے کی کمی ہی ایمان کی کمی اور قوم کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔الغرض ان سات موقعوں پر غائر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ قران حکیم نے ان آیات میں انسان کی انتہائی توجہ علم نباتات کے ہر شعبے کی طرف دلائی ہے۔اسی سلسلے میں ایک اور آیت نہایت معنی خیز ہے جو ممکن ہے محکمہ زراعت کے لئے

☆ پروفیسر جگدیش چندر بوس۔

انتہائی طور پر نتیجہ خیز ثابت ہو بشرطیکہ دنیا کے ماہرین نباتات اس طرف لگ جائیں۔ وہ حسب ذیل ہے:۔

(۴۷) والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه ط والذی خبث لایخرج الا نکدا ط کذالک نصرف الایات لقوم یشکرونo: (۷/۷)

(۴۷) اور پاکیزہ شہر (یعنی عمدہ زمین) اپنی سبزی کو خدا کے حکم سے زمین سے نکال دیتی ہے اور جو زمین ناپاک (یعنی عمدہ نہ ہو) وہ سوائے ناقص شے کے نہیں نکالتی۔ ہم اس طرح ہیر پھیر کر کے اشارات اور ہدایات اس قوم کو دیتے ہیں جو (صحیفۂ فطرت کی ہر حقیقت کی) قدر کرتی ہے۔

ان موقعوں کے بعد حسب ذیل موقعے ہیں جن میں لیل ونہار کے منظر کے مطالعے کی خاص طور پر ترغیب دی گئی ہے:۔

(۴۸) ھو الذی جعل لکم الیل لتسکنوا فیه والنهار مبصرا ط ان فی ذالک لایت لقوم یسمعونo: (۱۰/۷)

(۴۸) خداوہ (پاک ذات) ہے جس نے تمہارے (فائدے کے لئے) رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام لے سکو اور دن کو روشن کر دیا۔ بے شک اس (منظر) میں اس قوم کے لئے جو سُنتی ہے ضرور (بہت سے) اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۴۹) الم یروا انا جعلنا الیل لیسکنوا فیه و النهار مبصرا ط ان فی ذالک لایت لقوم یومنونo: (۲۷/۷)

(۴۹) کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ درحقیقت ہم نے رات کو اس لئے بنایا کہ یہ لوگ اس میں آرام لیں اور دن کو روشن کر دیا۔ بے شک اس (منظر) میں اس قوم کے لئے جو ایمان رکھتی ہے ضرور (بہت سے) اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۵۰) وسخر لکم الیل والنهار والشمس والقمر ط والنجوم مسخرات بامره ط ان فی ذالک لایت لقوم یعقلونo: (۱۶/۲)

(۵۰) اور تمہارے (فائدے کے) لئے (خدا نے) دن اور رات کو پکڑ (یعنی تسخیر کر) رکھا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم سے پکڑے ہوئے ہیں بے شک اس (تمام منظر) میں اس قوم کے لئے جو صاحب عقل ہے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۵۱) ومن ایته منامکم بالیل والنهار وابتغاء کم من فضله ط ان فی ذالک لایت لقوم یسمعونo: (۳۰/۳)

(۵۱) اور اسی (خدا) کی (قابل توجہ) علامتوں میں سے تمہارا رات کو سونا ہے اور (دن کو) تمہارا خدا کے فضل (یعنی اپنی روزی) کو تلاش کرنا ہے بے شک اس (تمام منظر) میں اس قوم کے لئے جو سنتی ہے (بہت سے) اشارات اور احکام موجود ہیں۔

(۵۲) یقلب اللہ الیل والنہار ط ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار o:(۲۴/۶)

(۵۲) اللہ رات اور دن کو پلٹتا رہتا ہے۔ بے شک اس (منظر) میں آنکھوں والے لوگوں کے لئے ایک (بڑی) عبرت ہے۔

ابھی تک معلوم نہیں کہ لیل ونہار کے منظر کے متعلق کونسی عجیب وغریب ترقیاتِ زمانہ چھپی ہیں جن کو زمانہ ابھی تک دریافت کرنے سے قاصر رہا ہے اور خدائے عزّ وجل کی طرف سے قران حکیم میں پانچ دفعہ اس منظر کا بار بار یاد دلانا خالی از علّت نہیں۔ لیل ونہار کے منظر کی طرف توجہ (۳۴)، (۳۵)، (۳۷)، (۳۸) میں (بلکہ (۴۴) میں بھی) اختلاف کا لفظ ساتھ لگا کر دلائی گئی ہے اور جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے ابھی تک اس کے متعلق کوئی مستقل علم پیدا نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ لیل ونہار کا مسئلہ صرف زمین کے متعلق ہے اس لئے اس کو کوئی خاص اہمیّت فطرت میں حاصل ہے جس کی طرف سے علمائے فطرت ابھی غافل ہیں۔ پچھلی آیتوں میں اس مسئلے کو تقوی، عقل اور الباب کی طرف منسوب کیا گیا تھا اور ان پانچ آیتوں میں سمع، ایمان، عقل اور بصیرت کی طرف منسوب کیا ہے۔ بہرنوع قران حکیم کے صدہا علمی رازوں میں سے یہ ایک راز ہے جس کے حل کے لئے ابھی ایک مدّت درکار ہے۔ (۵۰) سے مجھے کچھ شک پڑتا ہے کہ شمس اور قمر اور نجوم کی کچھ خاص طاقتیں ہیں جن کے جوہر کا اظہار دن اور رات پر ہوتا ہوگا اور خدائے عزوجّل کا اشارہ ان طاقتوں کی تسخیر کی طرف ہے۔ چنانچہ ابھی ابھی امریکہ سے سورج کی طاقت کی تسخیر کے سلسلے میں بعض اہم خبریں نکلی ہیں۔ میں ایک مدت سے اس اضطراب میں ہوں کہ سورج کی بے پناہ طاقت (یعنی انرجی) کو انسان کیوں لگا تار ضائع کرتا جا رہا ہے اور چاند کے نور کی علیٰ ہذا القیاس طاقت کو، بلکہ چاند کی زمین سے نزدیک ترین ہونے کے باعث جسمانی جاذبی طاقت کو جس سے سمندروں میں مدّ وجزر ہوتا ہے، ابھی انسان نے کماحقہ استعمال نہیں کیا حالانکہ اس کی طاقت دریاؤں کی طاقت سے (جن سے اب بجلی میّسر ہوتی ہے) ارب ہا گنا زیادہ ہے اور میں اس بارے میں اس قدر بے چین ہوں کہ بعض اوقات دل میں حسرت ہوتی ہے کہ آج سورج کی طاقت کا اتنا حِصّہ ناحق ضائع ہوگیا اور خدا انسان سے اس کے متعلق گرفت کرے گا!! (۵۰) میں **سخر لکم** کے الفاظ بھی نہایت معنی خیز ہیں، یعنی خدا نے دن اور رات کو تمہارے فائدے کے لئے مسخّر کیا اور آگے چل کر نجوم اور شمس وقمر کا اس کے قانون سے مسخّر ہونا بھی انتہائی طور پر معنی خیز ہے اور مقصد شائد یہ ہو کہ دیکھو تم ان کو لیل ونہار میں استعمال کر سکتے ہو۔ تسخیر کے مسئلے کے متعلق انکشافات آگے آئیں گے☆۔ ان حیرت انگیز انکشافات کے بعد ایک حِصّہ قرانی آیات کا حیوانات کی طرف توجّہ دلاتا ہے۔ یہ آیات حسب ذیل ہیں:۔

☆ دیکھو صفحہ ۴۲، ۴۳

(۵۳) الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السمآء ط مایمسکھن الا اللہ ط ان فی ذالک لایت لقوم یؤمنون o: (۱۶/۱۱)

(۵۳) کیا لوگوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو آسمان کے خلا میں پکڑے ہوئے ہیں ان کو سوائے اللہ کے کون پکڑے رکھتا ہے۔ بے شک اس (منظر) میں صاحب ایمان قوم کیلئے (بہت سے) اشارات اور احکام موجود ہیں۔

(۵۴) یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفآء للناس ط ان فی ذالک لایۃ لقوم یتفکرون o: (۱۶/۹)

(۵۴) ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے ایک پینے کی چیز نکلتا ہے جو رنگ برنگ ہوتی ہے۔اس میں عام مخلوق کے لئے شفا ہے۔ بے شک اس میں سوچ سمجھ والی قوم کے لئے ایک (بڑا) اشارہ موجود ہے۔

(۵۵) و ان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم ممافی بطونہ من بین فرث و دم لبنا خالصاً سائغاً للشاربین o: (۱۶/۹)

(۵۵) اور بے شک تمہارے لئے ان مویشیوں (کے حالات کی دریافت میں) ایک عبرت ہے۔ہم تمہیں جو کچھ ان کے پیٹ میں فضلہ اور خون کے بین بین شے ہے، خالص دودھ بنا کر پینے والوں کو پلاتے ہیں۔

یہ تینوں آیتیں ایک ہی سورت (سورۂ نحل) میں واقع ہیں۔(۵۳) کے متعلق تو اب دنیا اعتراف کرے گی کہ اس میں ہوائی جہازوں کی طرف اشارہ تھا۔اور دنیا اس الم یروا کے خدائی حکم سے مستفید ہو رہی ہے۔(۵۴) کے متعلق ابھی کافی طور سے تحقیقات نہیں ہوئی اگر چہ شہد کی بعض خصوصیات کے متعلق یونانی اور یورپ کے حکیم قائل ہوتے چلے جارہے ہیں اور مجھے جو فائدہ عملی تجربہ سے قید خانہ کے اندر ہوا ہے حیران کن ہے کیونکہ جو گلے کی بیماری مجھے تذکرہ کے لکھنے کے بعد پچیس برس ہوئے لگی تھی اس سے حیرت انگیز افاقہ ہوا ہے حالانکہ میں اسی سلسلے میں دو دفعہ یورپ بھی علاج کے لئے گیا اور دنیا کا کوئی علاج نہ چھوڑا تھا۔(۵۵) کے متعلق جو تلاش خدا مانگتا ہے وہ ممکن ہے ابھی تک کچھ بھی نہ ہوئی ہو کیونکہ اس میں عبرت کا لفظ ہے۔ہم نے چار پاؤں کے دودھ سے ابھی تک کوئی عبرت حاصل نہیں کی کیونکہ ہم ابھی تک یہ جاننے سے بھی قاصر ہیں کہ خوراک کس عمل سے خون بنتی ہے اور پھر خون سے ایک حصّہ الگ ہو کر کیونکر دودھ بن جاتا ہے لیکن یہ دریافت میں کمی اس تمام غلط رستے کی وجہ سے ہے جس کی طرف اشارہ اس عنوان کے شروع میں کیا گیا تھا۔

ان موقعوں سے صرف نظر کر کے انسان کی اپنی خلقت کے اندر غور وخوض کے اشارے ہیں جو

حیوانات کی پیدائش کے سلسلے میں بیان کئے جاتے ہیں تا کہ صحیفہ فطرت کی ذی حیات مخلوق کی طرف قرآن حکیم کی توجہات یکجا ہوجائیں اور ہر شخص ان کی طرف زیادہ غور و خوض کرنے کے قابل ہوجائے۔

(۵۶) ومن ایته ان خلقکم من تراب ثم اذآ انتم بشر تنتشرون٥ ومن ایته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة ط ان فی ذالک لایت لقوم یتکفرون٥: (۳/۳۰)

(۵۶) اور یہ خدا کے (عظیم الشان) اشاروں میں سے ایک (شاندار) اشارہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تم ناگہاں بشر بن گئے ہو جو زمین پر پھیل رہے ہو اور اس کی (حیرت انگیز) علامتوں میں سے ایک علامت ہے کہ اس نے تمہارے (آرام اور استعمال کے) لئے تم میں سے ہی جوڑے پیدا کئے تا کہ تم اپنی عورت سے تسکین قلب حاصل کرو اور تمہارے مابین محبّت اور رحمت پیدا کردی۔ بے شک اس (منظر) میں سوچنے والی قوم کے لئے یقیناً بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۵۷) اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها ج فیمسک التی قضیٰ علیها الموت ویرسل الاخری اذا اجل مسمیط ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرون٥: (۵/۳۹)

(۵۷) اللہ وہ ہے جو موت کے وقت (ذی حیات مخلوق کے) نفسوں کو پورا کردیتا ہے اور اُس نفس کو جو اپنی نیند میں ابھی مرا نہیں۔ پھر جس نفس کے متعلق موت کا فیصلہ ہو چکا ہے، اس کو (اپنی طرف) کھینچ لیتا ہے اور دوسرے کو ایک وقت مقرر تک چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس (منظر) میں اُس قوم کیلئے جو سوچ بچار کرتی ہے ضرور بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۵۶) میں انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کا انکشاف ایک نہایت طویل اور علمی انکشاف ہے جس کی تشریح جابجا قرآن حکیم میں نہایت وضاحت سے کی گئی ہے اور ایک مستقل بحث کی طالب ہے جو علم القرآن سے متعلق ہے۔ مرد اور عورت کے نسوانی تعلقات پر علمی بحث اس امر کی مقتضی تھی کہ کم از کم علمائے فطرت اس کے متعلق انتہائی معلومات حاصل کر کے فطرت کے اس عجیب وغریب منظر سے زندگی کا راز دریافت کرتے مگر واحسرتا کہ علمائے فطرت کو بھی عورت اور مرد کے اعضائے مخصوصہ کے متعلق بحث کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے اور یہ تمام موضوع نایافتہ اُسی طرح پڑا ہے جیسا کہ پہلے روز تھا۔ ضرورت اس

کی ہے کہ علمائے فطرت شرم اور حیا کے بیہودہ تخیّل سے بے نیاز ہو کر اس موضوع کا مطالعہ نہایت غور وخوض سے کریں اور کسی مستقل علم تک پہنچیں کیونکہ اسی کے اندر تخلیق انسان کا عظیم الشان مسئلہ حل ہوتا ہے ضرورت ہے کہ مرد کے خصیوں اور عورت کے بیضہ رحم کے متعلق بے پناہ انکشافات ہوں کیونکہ انسان کی جوانی بلکہ زندگی کا دارومدار ان دونوں اعضا کی صحت پر ہے۔ ڈاکٹر ورونوف نے جس کا ذکر اوپر ہوا مجھے بتلایا کہ مسلمانوں کے پاس ہسپانیہ، مصر اور ہندوستان میں پرانے زمانے میں مرد اور عورت کے اعضائے مخصوصہ کی صحت کے متعلق اس قدر معلومات اور ادویات تھیں کہ مجھے حسرت ہے کہ میرے پاس ہوتیں تو میں نہ جانے کیا کرتا۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ انسان کے خصیوں میں بندروں کے غدودوں کے لگانے کا تخیّل بھی اُس نے مسلمانوں سے ہی لیا جبکہ وہ مصر میں کئی برس تک مقیم رہا اور سلطانی محل کے خواجہ سراؤں کے عادات واخلاق کا (جن کے خصیے کٹے ہوئے تھے) مطالعہ کرتا رہا نیز یہ کہ درختوں کو پیوند لگانے کا سلسلہ تو مسلمانوں کے علم زراعت میں بڑی مدّت سے چلا آتا تھا اور اس نے اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ ڈاکٹر درونوف نے ان امور کا اعتراف اپنی کتابوں میں بھی کیا جن کی جلدیں اس نے مجھے تحفۃً دی تھیں۔ (۵۷) میں جو مضمون خدائے عزوجلّ نے چھیڑا ہے در حقیقت تمام علم فطرت کی جان ہے اور اگر انسان کو یہ علم حاصل ہو گیا تو نہ معلوم وہ خدائی اوصاف کے قریب کس قدر ہو سکے گا۔ لیکن اسی بنیادی کمی کے باعث جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے انسان ابھی ان مسئلوں کو **مافوق الجسمی** (یعنی میٹافزیکل) مسئلے کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے حالانکہ جن جسمی (یعنی فزیکل) مسئلوں میں وہ پڑا ہوا ہے وہ سراسر غیر فطری اور غیر جسمی مسئلے ہیں جن کی تہ میں یونانی علم وہم (مائی تھالوجی) کام کر رہا ہے۔

ان آیات کو پیش کرنے کے بعد روئے زمین پر آسودگی کا ایک مسئلہ جو آج کل خاص طور پر تمام اقوام عالم میں زیر بحث بنا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے پے در پے عالمگیر جنگیں دنیا میں ہو رہی ہیں، رزق کے کم یا زیادہ ہونے کا مسئلہ ہے۔ تیرہ سوستر برس پہلے اس مسئلے کا وہم وگمان بھی اس پیمانے پر نہ ہو سکتا تھا مگر قران حکیم چونکہ خالق زمین وآسمان کا کلام یقینی طور پر ہے اور کسی بڑے سے بڑے منکر کو بھی ان انکشافات کے بعد جو میں نے **تذکرہ** کی دس جلدوں میں اور یہاں پر کئے ہیں اس امر کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ قران سے منکر ہو، اس لئے اس مسئلے کا قران حکیم میں آنا لازمی امر تھا۔ یہ موضوع قران میں اور جگہ بھی ہے۔ لیکن چونکہ اس عنوان میں وہی آیات لکھی گئی ہیں جن میں **ان فی ذالک لاٰیٰت** کے الفاظ ہیں اس لئے یہاں اسی قسم کی آیات دی جاتی ہیں۔

(۵۸) (الف): اولم یروا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر ط ان فی ذالک لایت لقوم یؤمنونo: (۳۰/۳۷)

(۵۸)(الف): کیا ان لوگوں نے (اس امر پر) غور نہیں کیا کہ اللہ جس (قوم) کو مناسب سمجھتا ہے اُس پر رزق کُھلا چھوڑ دیتا ہے اور اس کی مقدار کا فیصلہ کرتا ہے بے شک اس (منظر) میں اس قوم کیلئے جو ایمان رکھتی ہے ضرور بہت سی ہدایات اور اشارے موجود ہیں۔

(ب) اولم یعلموا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشآء ویقدر ط ان فی ذالک لایت لقوم یؤمنونo: (۳۹/۵۲)

(ب) کیا ان لوگوں کو اس امر کا علم نہیں ہے کہ اللہ جس قوم کو مناسب سمجھتا ہے اُس پر رزق کھلا چھوڑ دیتا ہے اور اس کی مقدار کا فیصلہ کرتا ہے۔ بے شک اس (منظر) میں اس قوم کے لئے جو ایمان (کی خصوصیات) رکھتی ہے ضرور (بالضرور) بہت سی ہدایات اور اشارے موجود ہیں۔

(۵۹) ضرب لکم مثلا من انفسکم ط ھل لکم من ما ملکت ایمانکم من شرکآء فیما رزقنکم فانتم فیہ سوآء ط تخافونھم کخیفتکم انفسکم ط کذالک نفصل الایت لقوم یعقلونo (۳۰/۲۸)

(۵۹) (لوگو!) تمہاری سوچ کے لئے تمہاری اپنی ہی مثال خدا دیتا ہے۔ (وہ یہ ہے کہ) کیا تم لوگوں کے پاس ان لوگوں میں سے جو تمہاری غلامی میں ہیں (اور تم ان سے اجرت پر کام لے رہے ہو) (ایسے ساتھی بھی ہیں کہ تم انکو اُس آسودہ حالی میں جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہے اسی طرح کا شریک کرلو کہ تم اور وہ برابر ہو جائیں۔ یا تم انکی بھی اتنی ہی پرواہ اور فکر کرو جتنی تم اپنی کرتے ہو۔ عقلمند قوم کیلئے ہم اس طرح آیات الٰہی کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

اس آیت (۵۹) میں **کافی غور وفکر کے بعد** مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے کھلے الفاظ میں یہ تنبیہ کردی ہے کہ دیکھو **غلام نہ بن جانا** کیونکہ آقا قومیں غلام قوموں سے رزق چھین لیا کرتی ہیں اور پھر کبھی ان کو موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ اتنی آسودہ حال ہو جائیں جس قدر کہ اُن کے آقا ہیں۔ اس بنا پر جو قوم عقلمند ہے وہ غلام ہونے سے بچے گی۔ بہرنوع بسط وقبض رزق کیلئے خدائے عزوجلّ کا یہ حیرت انگیز انکشاف کہ صاحب ایمان قوم کیلئے خدائے عظیم کے اس مظہر فطرت میں صدہا اشارے ہیں، وہ انکشاف ہے جو تمام دنیا کے علمائے فطرت کو حیرت میں ڈال دے گا اور وہ سب سے زیادہ اس امر کی طرف متوجہ ہوں گے کہ قران میں ایمان کی تعریف کیا ہے۔ بہرنوع اگر ایمان کی مُلّا کی تعریف بھی مذاق کے طور پر تسلیم کر لی جائے کہ ہم قران کو رسمی طور پر ماننے والے ہی ایماندار ہیں اور باقی سب قومیں کافر، تو یورپ اور امریکہ کی بھوکی قوموں کو یہ امر شاق گذرے گا کہ دنیا میں اکثر ملک جہاں رزق (جس میں معدنیات اور تیل بھی شامل ہیں) بہتات سے ہے وہ ملک ہیں جو مسلمانوں کے پاس ہیں۔ اور جن میں سب سے نیا ملک پاکستان اب شامل ہوا ہے۔ ان دو آیات (۵۸) کے مطالعے کے بعد کم از کم علمائے

فطرت کے اندر ایک ہیجان مچ جانا چاہیے کہ قبض وبسط رزق کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی طرف انسان کی توجہ دلائی گئی ہے اور اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر اس مسئلے کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو انسان کو اس میں ہزار ہا اشارات اور احکام مل سکتے ہیں۔

اسی سلسلے میں اوپر کی دو آیات (۵۸) اور (۵۹) سے بھی زیادہ تعجب انگیز دو اور آیات الٰہی ہیں جن سے بسط وقبض رزق کے متعلق خدائے عزوجلّ کی حکمت عملی کا کچھ پتہ لگتا ہے اور یہ آیات اس لئے بھی زیادہ تحیرانگیز ہیں کہ آیت (۵۹) میں **اولم یعلموا** کے الفاظ کہہ کر اس امر کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ بسط وقبض رزق کا مسئلہ ایک علمی (اور سائنٹفک) مسئلہ ہے اور اس مسئلے کے متعلق مفید نتائج پر پہنچنے کے لئے علمی تحقیق وتدقیق کی ضرورت ہے۔ یہ آیات حسب ذیل ہیں۔

(۶۰) (ا: ان ربک یبسط الرزق لمن یشآء و یقدر ط انہ کان بعبادہٖ خبیرا بصیراO: (۳/۱۷)

(۶۰) (ا: بے شک تیرا پروردگار جس (قوم) کو مناسب سمجھتا ہے اس پر رزق کُھلا چھوڑ دیتا ہے اور اس کی مقدار کا فیصلہ کرتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں (کے طرز عمل اور اُن کے کرتوتوں) سے بڑا باخبر اور (انکے اعمال وافعال کو) بڑا پرکھنے والا ہے۔

(۶۰) (ب) ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشآءط انہ خبیر بصیرO: (۴۲/۳)

(۶۰) (ب) اور اگر اللہ اپنے بندوں پر رزق کھلا چھوڑ دیتا تو ضرور وہ اس زمین میں بغاوت کر دیتے لیکن وہ جس قدر مناسب سمجھتا ہے اسی اندازے سے رزق اتارتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں (کے طرز عمل اور کرتوتوں سے) بڑا باخبر اور اُن کے اعمال وافعال کو بڑے غور سے پرکھنے والا ہے۔

(۶۰) (ج) اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشآءج وھو القوی العزیزO (۴۲/۲)

(۶۰) (ج) خدا نے اپنے بندوں کے متعلق نہایت باریک بین ہے، وہ جس قوم کو مناسب سمجھتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بڑی قوت والا اور غلبے والا ہے۔ (کوئی دھکے سے رزق نہیں لے سکتا)۔

ان تینوں آیتوں سے واضح ہے کہ رزق کی مقدار کا تعیّن انتہائی سوچ بچار کے بعد ہوتا ہے۔ گویا انسان پر لازم ہے کہ اس سوچ بچار کے متعلق توجیہوں کا علم حاصل کر کے اپنے آپ کو ان چیزوں سے باز رکھے جو قبض رزق کا باعث ہیں۔ کیا عجب ہے کہ یورپ کی بعض بھوکی قوموں (مثلاً انگلستان جرمنی وغیرہ) میں رزق کی کمی کا باعث یہی ہو کہ وہ دنیا میں جا کر رزق کی تلاش کریں اور پھر اسی تلاش میں ان کی جنگی یا سیاسی صلاحیتیں بلکہ دماغی قابلیتیں واضح ہوں۔ بہرنوع یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ قوموں میں رزق کی کشائش اکثر اوقات نعمت ہونے کی بجائے نقصان دہ ثابت ہوئی ہے اور اس قوم میں غفلت اور جمود نے گھر

کر کے اس کی صلاحیتوں کو تباہ کر دیا ہے۔ انگلستان اور جاپان ایک طرف اور دوسری طرف ہندوستان اور چین اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ قبض وبسط رزق کے مسئلے کے متعلق علمی تحقیقات بہر حال ایک نیا باب ہے جو انسان کو بے انتہا مفید معلومات پہنچا سکتا ہے۔

ان مسئلوں سے ہٹ کر قران حکیم میں ایک اَور طریقے پر فطرت کا مطالعہ ہے جو انسان کو ہلاک شدہ بستیوں کے کھنڈروں اور خرابوں سے ملتا ہے اور جس کی طرف یورپ نے بھی ضرور توجہ کی ہے۔ یہ مسئلہ قران میں اس تاکید سے ہے کہ آگے چل کر ''سیر فی الارض'' کے مضمون ☆ کے تحت میں کئی اَور آیتیں آئیں گی لیکن ذیل کی آیتوں کی اہمیّت اس لئے ہے کہ ان میں صاف طور پر ہلاکت شدہ قوموں کے باقیات کے مطالعے کو مستقل علم قرار دیا گیا ہے۔

(۶۱) افلم یھد لھم کم اھلکنا قبلھم من القرون یمشون فی مسکنھم ط ان فی ذالک لایت لاولی النھیo: (۲۰/۷)

(۶۱) کیا ان کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کے گھروں میں وہ اب بس رہے ہیں بے شک اس (عبرتناک منظر) میں ان لوگوں کے لئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں ضرور بہت سی ہدایات اور اشارات موجود ہیں۔

(۶۲) اولم یھد لھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون یمشون فی مسکنھم ط ان فی ذالک لایت ط افلا یسمعونo: (۳۲/۳)

(۶۲) کیا ان کو خدا نے یہ راہ نہیں دکھائی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کے گھروں میں وہ اب چل پھر رہے ہیں۔ بے شک اس (منظر) میں بہت سے اشارات موجود ہیں تو کیا پھر وہ (ان اشارات اور ہدایات کو) نہ سنیں گے؟

(۶۳) فتلک بیوتھم خاویۃ بما ظلموا ط ان فی ذالک لایۃ لقوم یعلمونo: (۲۷/۴)

(۶۳) پس یہ ہیں اُن کے گھر جو برباد اور ویران اس لئے پڑے ہیں کہ انہوں نے (قانونِ فطرت کی سرکشی کر کے اپنی جانوں پر) ظلم کیا تھا۔ صاحب علم قوم کے لئے اس (منظر) میں ایک (اہم) اشارہ موجود ہے۔

آخر میں ان آیاتِ الٰہی کو نقل کرتا ہوں جن کے متعلق ابھی ہمارا علم بہت ناقص ہے اور انسان کی توجہ ان کی طرف بے حد ہونی لازم ہے۔

(۶۴) اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد

(۶۴) خدا وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کھڑا کیا

☆ دیکھو صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۹

ترونها ثم استوی علی العرش وسخر الشمس والقمر ط کل یجری لاجل مسمیٰ ط یدبرالامر یفصل الایات لعلکم بلقآء ربکم توقنونo: (۱۳/ ۱)

(یعنی تمام سلسلۂ کائنات جو ہمارے سروں کے اوپر ہے بغیر کسی سہارے کے چل رہا ہے) تم اس سلسلہ کو دیکھ رہے ہو۔ پھر اس کے بعد وہ اپنے تخت حکومت پر جم کر بیٹھا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو (اپنے مقرر کردہ قانون کا) پابند کر رکھا ہے۔ یہ سب ایک وقت مقرر تک چل رہے ہیں۔ وہ قانون فطرت کی تجویز و تدبیر کر رہا ہے۔ ان آیات الٰہی کو کھول کھول کر بیان کر رہا ہے تا کہ تم کو اس امر کا یقین آ جائے (کہ ایک نہ ایک دن جبکہ تم اپنی ترقی کے اُس آخری مرحلے پر پہنچو گے) تمہاری اپنے پروردگار سے ملاقات (کا ہونا لازمی) ہے

(۶۵) ومن ایته ان تقوم السمآء والارض بامره ط ثم اذا دعاکم دعوة ط من الارض اذآ انتم تخرجونo: (۳۰/ ۳)

(۶۵) اور یہ خدا (کی حیرت انگیز حکمت) کی نشانیوں میں سے ایک ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم (قانون) سے تھمے ہوئے ہیں۔ پھر جب ان کی تخلیق کے بعد اس نے تمہیں زمین سے نکلنے کیلئے پکارا تو تم ناگہاں اس سے نکل پڑے۔

(۶۶) الم تران الفلک تجری فی البحر بنعمت الله لیریکم من ایته ان فی ذالک لایت لکل صبار شکورo: (۳۱/ ۴)

(۶۶) کیا تُو نے اس امر کی طرف غور نہیں کیا کہ کشتیاں سمندر میں خدا کے احسان کی وجہ سے چل رہی ہیں تا کہ خدا تم کو اپنی (حیرت انگیز حکمت کی) نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں دکھلائے بے شک اس منظر میں اُس قوم کے لئے جو صاحب استقلال اور خدا کی نعمتوں کی صحیح قدر کرنے والی ہے کئی ہدایات اور اشارات موجود ہیں۔

(۶۷) ومن ایته الجوار فی البحر کالاعلام oط ان یشاء یسکن الریح فیظللن رواکد علی ظهره ط ان فی ذالک لایت لکل صبار شکور oلا اویوبقهن بما کسبوا ویعف عن کثیرoلا: (۴۲/ ۵)

(۶۷) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ جہاز سمندر میں پہاڑوں کی طرح (سر اٹھائے ہوئے) ہیں۔ وہ جب مناسب سمجھے ہوا کو ساکن کر دے، پھر یہ جہاز سمندر کی پیٹھ پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ انسان کی اس درماندگی اور بے بسی میں ہر مستقل مزاج اور صحیفۂ فطرت کی قدردان قوم کے لئے صدہا اشارات

ہیں (جن کی وجہ سے وہ اس مشکل سے نکل کر بہتر جہاز پیدا کر سکتا ہے) یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خدا سمندر پر ہی انہیں انکی بداعمالی کی پاداش میں ہلاک کر دے اور یہ بھی ہے کہ وہ بہتوں سے درگذر کر جاتا ہے۔

(٦٨) وھوالذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمت البر والبحر قد فصلنا الایت لقوم یعلمونO: (١٢/٦)

(٦٨) اور وہی ذات پاک ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے ستارے بنائے تا کہ تم ان کے ذریعے سے سمندر اور خشکی کی (حیران کن) تاریکیوں میں رستہ پاسکو۔ صاحب علم قوم کے لئے ہم نے اشارات اور ہدایات کو بالیقین کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

(٦٩) ومن ایتہ یریکم البرق خوفاً و طمعاً وینزل من السمآء مآء فیحیی بہ الارض بعد موتھاط ان فی ذالک لایت لقوم یعقلونO (٣/٣٠)

(٦٩) اور خدا کی (حکمت بالغہ کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ وہ تم کو بجلی کے خوف اور طمع کے دونوں منظر دکھلا رہا ہے اور آسمان سے پانی اتار کر زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس کو اس پانی کے ذریعے سے زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس (تمام منظر) میں عقلمند قوم کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

آیت (٦۴) شائد ان سب آیتوں میں سے زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ اس میں ملاقات ربّ پر یقین رکھنے کا ذکر ہے جو بظاہر ان تمام موضوعوں سے جو اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں غیر مربوط معلوم ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں دیکھو (۲۲) جہاں پھر صحیفہ فطرت کی طرف توجہ دلا کر لقائے ربّ سے منکر نہ ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔ لیکن آیہ (٦۴) اور آیۂ (۲۲) دونوں میں (جن میں سے پہلی تیرھویں میں اور دوسری تیسویں سورت میں ہے) لقائے رب کے علاوہ حیران کن الفاظ **لاجل مسمی** (۱/۱۳) اور **اجل مسمی** (۱/۳۰) کے ہیں جن سے انسان کو غالباً یہ تنبیہہ دینا ہے کہ تمام ''کارخانہ دنیا'' بہ شمولیت ''شمس وقمر'' و ''عرش'' ایک مقررہ مدّت تک ہیں اور اسی ''تھوڑی سی مہلت'' میں انسان کو **لقائے ربّ کے سامان پیدا کرنے ہیں**۔ آیۂ (٦۴) بظاہر چھوٹی سی آیت ہے لیکن اس میں **یُفصّل الایات** کے الفاظ ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ خدا نے اس آیت کے اندر صحیفہ فطرت کی ''آیات'' کی بہت سی تفصیل دے دی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ ''شائد اس کے بعد انسان کو خدا سے ملاقات کرنے کے بارے میں پورا یقین پیدا ہو جائے۔'' آیہ (٦۴) میں **یدبر الامر** کے الفاظ ہیں یعنی خدا اس دنیا کو چلانے کے لئے ''قانون کی تشکیل'' کر رہا ہے گویا اسی قانون کی دریافت سے لقائے رب کی صورت پیدا

ہوگی۔سورۂ سجدہ میں اس یدبر الامر کی کافی تشریح دے دی ہے کہ یہ تدبیر امر ہزاروں سالوں میں جا کر تکمیل کو پہنچتا ہے۔(دیکھو تذکرہ اصل کتاب صفحہ ۱۴ تا ۱۶ تحت المتن)۔آیۂ (۶۵) میں یہ اشارہ بھی صاف ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق کے بعد انسان اسی زمین میں سے نکلا۔آیۂ (۶۶) کی رُو سے ابھی انسان کو بہت سی ''آیات'' کشتیوں کے سمندروں میں تیرنے کے متعلق ملیں گی بشرطیکہ انسان مستقل مزاج رہا۔آیہ (۶۷) میں پھر اسی مستقل مزاجی کی طرف اشارہ ہے کہ تم ان جہازوں سے جو ہوا کے زور سے چلتے یا ٹھہر جاتے ہیں شائد گذر کر اپنی ہلاکتوں سے بچ جاؤ لیکن ابھی تک پورا بچ بچاؤ نہیں ہوا۔آیۂ (۶۸) میں نہ معلوم بَرّ و بحر کے ''اندھیروں'' میں کیا ہدایات انسان کو نجوم سے ملنی باقی ہیں جن سے وہ بالکل بے خبر ہیں۔آیہ (۶۹) سے ابھی تک اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ بجلی کی نفع مند صورتیں ہیں جن سے دنیا مالا مال ہو رہی ہے۔لیکن ''خوف'' کی صورتیں کافی طور پر پیدا نہیں ہوئیں۔دیکھئے آگے چل کر کیا ہوتا ہے۔الغرض یہ تمام آیات: (۶۴) تا (۶۹) اس قطع کی ہیں کہ انسان کا علم ان کے بارے میں از بس ناقص ہے۔

۴۔صحیفہ فطرت میں جو شے ہے وہ انسان کی تسخیر کیلئے ہے

صحیفہ فطرت کی طرف اس گہری نظر سے توجہ دلانے کے بعد قران حکیم نے حیرت انگیز وضاحت کے ساتھ آج سے تیرہ سو ستر برس پہلے جب کہ دنیا انتہائی قسم کے ظنون واہیہ اور سحر سیاہ (کالے جادو) میں گرفتار تھی اور جبکہ دنیا کی بڑی بڑی ہوش مند قومیں مثلاً یونانی اور یورپ،عراق،مصر اور ہندوستان کی نسبتۃً تہذیب یافتہ قومیں پتھر کے بُتوں،آگ،دریا،سورج،درخت،گائے،بندر،فرضی جانور،ستاروں،حتیٰ کہ اعضائے تناسل کی پرستش میں مبتلا تھیں،اعلان کر دیا کہ تمام کارخانہ فطرت کی ہر شے انسان کی تسخیر اور استعمال کے لئے ہے اور کوئی شے ماسوا خدا کے خواہ وہ بڑی سے بڑی ہو اور مرعوب کرنے والی ہو لائق سجدہ نہیں اگر سجدہ ہے تو صرف خدا کی واحد ذات کو ہے۔یہ وہ سنسنی خیز اعلان تھا جس نے تمام دنیا کے تخیّل کا رُخ بالکل دوسری طرف کر دیا اور انسان فطرت سے مرعوب ہونے کی بجائے فطرت کا علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو گیا۔اس سلسلے میں صرف تسخیر فطرت کے متعلق جو آیات قران حکیم میں ہیں یہاں پر جمع کر دی جاتی ہیں تا کہ معلوم ہو کہ قران کا افق نظر اَور مذہبی کتابوں کے بالمقابل کس قدر بلند،فیصلہ کن اور واضح ہے:۔

جو شے انتہائی طور پر قابل غور ہے کہ ان تمام آیات میں سوائے ایک کے سخر لکم کے الفاظ ہیں یعنی یہ کہ یہ تمام اشیا تمہارے لئے مسخّر کی گئی ہیں، تمہیں پورا اختیار ہے کہ ان سے فائدہ اٹھاؤ:۔

(۷۰) اللہ الذی خلق السموات والارض وانزل من السمآء مآء فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم وسخرلکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ ج وسخرلکم الانھرo ج وسخرلکم الشمس والقمر دآئبین ج وسخرلکم اللیل والنھارo لا: (۵/۱۴)

(۷۰) خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس پانی کے ذریعے سے پھلوں سے تمہارے لئے رزق نکالا اور تمہارے لئے اُن کشتیوں کو مسخّر کیا جو خدا کے قانون سے سمندروں میں چلتی ہیں اور تمہارے لئے دریا مسخّر کئے اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو چل رہے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا۔

(۷۱) الم تران اللہ سخرلکم مافی الارض و الفلک تجری فی البحر بامرہ ط ویمسک السمآء ط ان تقع علی الارض الا باذنہ ط ان اللہ بالناس لرؤف رحیمo: (۹/۲۲)

(۷۱) کیا تُو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے مسخّر کیا اور کشتیاں مسخّر کیں جو سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہیں اور آسمان کو پکڑے رکھتا ہے کہ وہ زمین پر نہ گر جائے (یعنی آسمان کے ستارے زمین سے ٹکرا نہ جائیں) مگر اُس وقت کہ اُس کے حکم سے (ایسا ہوسکتا ہے) بے شک اللہ انسانوں پر بالضرور نہایت ہی رحمت اور رافت کرنے والا ہے (کہ ایسے واقعے کو ہونے نہیں دیتا)۔

(۷۲) الم تروا ان اللہ سخرلکم مافی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ ط ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتب منیرo: (۳/۳۱)

(۷۲) کیا تم لوگوں نے اس بات کی طرف نہیں دیکھا کہ بالتحقیق خدا نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے مسخّر کر رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمّل کر دی ہیں (پھر بھی) لوگوں میں سے ایسے ہیں جو خدا کے بارے میں (یعنی اس کی کنہ و ماہیّت دریافت کرنے کے متعلق) (اس کی فطرت کا) علم حاصل کئے بغیر، یا فطرت کی روشن کتاب کا مطالعہ کئے بغیر جھگڑتے رہتے ہیں۔

(۷۳) الم تران اللہ یولج الیل فی النھار و

(۷۳) کیا تُو نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ خدا رات اور دن پر اور

یولج النهار فی الیل وسخر الشمس والقمر ز کل یجری الی اجل مسمی وان اللہ بما تعملون خبیرo: (۳/۳۱)

دن کورات پر لپیٹ دیتا ہے اوراس نے سورج اور چاند کو مسخّر کر رکھا ہے۔ یہ سب ایک وقت مقرر تک چل رہے ہیں اوراس میں شک نہیں کہ اللہ جو کچھ (ان کی دریافت کے متعلق) عمل کر رہے ہو، اس سے بڑا باخبر ہے۔

(۷۴) وسخرلکم مافی السموت وما فی الارض جمیعا منہط ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرونo: (۲/۴۵)

(۷۴) اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے فائدے کیلئے مسخّر کر رکھا ہے۔ بے شک اس (اعلان میں جو ہم نے کیا ہے) سوچ بچار کرنے والی قوم کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۷۵) ا: ھوالذی خلق لکم مافی الارض جمیعا ثم استوی الی السمآء فسوھن سبع سموات ط ھو بکل شیئ علیمo: (۲/۳)

(۷۵) ا: وہ وہ پاک ذات ہے جس نے اس زمین میں جو کچھ ہے سب کا سب تمہارے لئے پیدا کیا، پھر اس کے بعد وہ جم کر آسمان کی طرف متوجّہ ہوا پھر ان کو سات آسمان بنا کر برابر کر دیئے اور وہ ہر شے کے متعلق بڑا علم رکھنے والا ہے۔

(۷۵) ب: وللہ مافی السموت وما فی الارض لا لیجزی الذین اسمآء وابما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنیo ج: (۲/۵۳)

(۷۵) ب: اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا اس لئے ہے کہ وہ بُرے انسانوں کو (انہی چیزوں کے ذریعے سے) ان کی کاہلی اور غفلت کی سزا دے اور حُسنِ عمل کرنے والوں کو یہی چیزیں **بطور انعام** دے۔

اللہ اللہ! اس آخری آیت سے بالکل واضح ہو گیا کہ **نہ صرف روئے زمین کی ہر نعمت بلکہ آسمان کی تمام چیزیں** یعنی کروڑ ہا ستارے بھی خدا نے بنا بنا کر اپنے پاس اس لئے رکھے ہیں کہ وہ سب کے سب انسان کو بطور انعام دے دے☆!۔

۳۔ مقام خدا

مقام بشر اور مقام فطرت کی وضاحت کے بعد قرآن حکیم نے خالق زمین و آسمان کا مقام واضح کیا کہ تمام فطرت اسی خلاّق عظیم کو سجدہ کر رہی ہے۔ یہ سجدہ واضح طور پر اس کے بنائے ہوئے قانون کی متابعت ہے اور فطرت کے ہر فعل سے واضح ہو رہا ہے۔

☆ گویا جس قدر کوئی سعی کرے گا اس قدر انعام لے گا!

(٧٦) (ا) ولله يسجد من في السموات والارض طوعاً وكرها وظللهم بالغدو والاصالo: (۲/۱۳)

(۷۶) (ا) اور جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے چاروناچار خدا کو سجدہ کر رہا ہے اور یہ قانونِ خدا کی متابعت اس شدّت سے ہے کہ وہ خود تو خیر ان کے سائے بھی صبح و شام سجدے میں ہیں۔

(ب) ولله يسجد مافي السموات والارض من دآبة والملائكة **وهم لا يستكبرونo يحافون ربهم من فوقهم ويفعلون ما يومرونo:** (۶/۱۶)

(ب) اور جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں چارپایوں اور ملائکہ میں سے ہے وہ خدا کے آگے سجدہ کر رہا ہے اور وہ اکڑ (کر کے خدا کے احکام سے روگردانی) نہیں کرتے۔ وہ اپنے پروردگار سے جو اُن کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں اور جو کچھ اُن کو حکم دیا جاتا ہے کرتے ہیں۔

(ج) لا يعصون الله مآ امرهم ويفعلون ما يومرونo: (۱/۶۶)

(ج) وہ خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ کہا جاتا ہے کرتے ہیں۔

(٧٧) الم تران الله يسجد له من في السموات ومن في الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدوآب وكثير من الناس وكثير حق عليه العذابط ومن يهن الله فما له من مكرم ان الله يفعل ما يشآءo: (۲/۲۲)

(۷۷) کیا تُو نے اس پر غور نہیں کیا کہ درحقیقت خدا کے سامنے جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور انسانوں کی ایک بڑی تعداد سجدہ کر رہی ہے اور (انسانوں میں سے) ایک کثیر تعداد وہ ہے جس پر عذاب واجب ہو چکا ہے اور جس کو خدا ذلیل کرے تو اس کو کوئی عزّت دینے والا نہیں۔ بے شک خدا وہی کرتا ہے جو مناسب سمجھتا ہے۔

(٧٨) الشمس والقمر بحسبانoلا والنجم والشجر يسجدانo: (۱/۵۵)

(۷۸) سورج اور چاند ہیں کہ ایک اندازے کے مطابق (چل رہے) ہیں اور ستارے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں۔

(٧٩) هو الذى يريكم البرق خوفاً وطمعاً و ينشى السحاب الثقال oج **ويسبح الرعد بحمده والملئكة من خيفتهج ويرسل الصواعق فيصيب بها من يشاء وهم**

(۷۹) وہ وہ (پاک ذات) ہے کہ تمہیں بجلی کے دونوں منظر یعنی اس کے ڈرنے کے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے پیش کرتا ہے اور بڑے بڑے گھنے بادلوں کو پیدا کرتا ہے۔ کڑک اسی کی تعریف میں تسبیح خواں ہے اور ملائکہ اس سے ڈر کر حمد خواں ہیں۔ وہ بجلی کی رَو کو رواں کر دیتا ہے پھر جس پر مناسب سمجھتا ہے

یجادلون فی اللہج :(۲/۱۳)
جا گرتی ہے اور وہ اس حالت میں ہوتے ہیں کہ خدا (کی ماہیّت) کے بارے میں لڑتے رہتے ہیں۔

(۸۰) الم تران اللہ یسبح لہ من فی السموات والارض والطیر صفت ط کل قد علم صلوتہ وتسبیحہ واللہ علیم بما یفعلونo: (۶/۲۴)
(۸۰) کیا تُو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ بے شک خدا کی (حمد میں) جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے تسبیح کر رہا ہے اور پَر پھیلائے ہوئے پرندوں سب کے سب نے اس کی نماز اور اس کی تسبیح کا علم حاصل کر لیا ہے اور اللہ اس کا بھی علم رکھتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

(۸۱) تسبح لہ السموات السبع والارض ج ومن فیھن ط وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم ط انہ کان حلیماً غفوراo: (۵/۱۷)
(۸۱) سات آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہا ہے اور کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی حمد میں تسبیح خواں نہ ہو۔ لیکن تم اس تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک وہ بڑا ہی صاحب علم اور بڑا ہی پردہ پوش ہے۔

(۸۲) سبح للہ ما فی السموات وما فی الارض ج وھو العزیز الحکیمo: (۵۹/۱۰)
(۸۲) جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے خدا کی تسبیح کر رہا ہے اور وہ بڑا صاحب عزّت اور صاحب حکمت ہے۔

(۸۳) سبح للہ مافی السموات وما فی الارض ج وھو العزیز الحکیمo: (۱/۶۱)
(۸۳) جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے خدا کی تسبیح کر رہا ہے اور وہ بڑا ہی صاحب عزّت اور صاحب حکمت ہے۔

(۸۴) یسبح للہ مافی السموات وما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیمo: (۱/۶۲)
(۸۴) جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اُس خدا کی تسبیح کر رہا ہے جو بادشاہ صاحب تقدیس، صاحب عزّت اور صاحب حکمت ہے۔

(۸۵) یسبح للہ مافی السموات وما فی الارض ج لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیرo: (۱/۶۴)
(۸۵) جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے خدا کی تسبیح کر رہا ہے، اسی کو سلطنت (سجتی) ہے اور اسی کو حمد (سزاوار) ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

ان آیات کے مطالعے سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ قران حکیم میں "سجدہ" کا لفظ مولوی والا (زمین پر رسمی طور پر ماتھا رگڑ کر پھر گناہوں میں مصروف ہو جانے والا) سجدہ نہیں۔ آیات (۷۶) تا (۸۵) میں بتلایا گیا ہے کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے 'سجدہ' کر رہا ہے۔ (۷۶) (ا) میں کہا کہ سب چوپائے اور فرشتے 'سجدہ' کر رہے ہیں اور

خوفزدہ ہیں، پھر سجدہ کا مفہوم بتایا کہ جو حکم دیا جاتا ہے کرتے ہیں: (۷۶) (ب)، دوسری جگہ کہا کہ نافرمانی نہیں کرتے اور جو کہا جاتا ہے کرتے ہیں: (۷۶) (ج)، پھر تفصیل دے کر کہا کہ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے بلکہ **انسانوں میں سے اکثر** سجدہ کر رہے ہیں حالانکہ مسلمان کا تخیّل یہ ہے کہ صرف مسلمان ہی سجدہ کرتے ہیں: (۷۷) اُدھر (۷۸) میں سجدہ کی **وضاحت** کی کہ سورج اور چاند ایک **حسابی اندازے میں** جکڑے ہوئے ہیں گویا مقرر کردہ اندازے کے مطابق چلنے چلنا اور ایک لحمہ نہ ٹھہرنا ان کا **سجدہ** ہے! اس کے بعد کہا کہ بجلی کی کڑک 'تسبیح' کر رہی ہے اور فرشتے 'تسبیح' کر رہے ہیں گویا بجلی کا کڑکنا اور جہاں خدا چاہتا ہے اس کا گرنا ہی اس کی تسبیح ہے۔ رعد کے ساتھ ہی 'ملئکة' کا ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ یہی خدائی طاقتیں (مثلاً بجلی، آندھی، کڑک، موت، رزق، بادل، وغیرہ وغیرہ) اس کے ''فرشتے'' ہیں: (۷۹) پھر کہا زمین و آسمان میں جو کوئی ہے 'تسبیح' کر رہا ہے اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی خدا کی تسبیح کر رہے ہیں اور ان سب کو خدا نے ان کی 'نماز' اور 'تسبیح' سکھلا دی ہے: (۸۰) پھر کہا کہ ساتوں آسمان اور جو کوئی ان میں ہے 'تسبیح' کر رہا ہے لیکن انسان ان کی **تسبیح نہیں سمجھتا**۔ باقی چار آیتوں (۸۱) تا (۸۵) میں یکساں مضمون تسبیح کا ہے۔ ان سب آیات سے ظاہر ہے کہ نماز، سجدہ، تسبیح سب سے مراد مشین کی طرح خدا کے قانون کی پیروی ہے۔ الغرض خدا کا مقام واضح ہے کہ وہ حاکم اعلیٰ ہے۔ اس کی نماز اور تسبیح فطرت کے ہر قانون کی ہر حالت میں پیروی اسی طرح ہے جس طرح پر کہ فطرت کی باقی اشیا کر رہی ہیں۔ سوچو کہ مسلمان کو آج کل کیوں کچھ نہیں ملتا اور باقی قومیں سب کچھ لے رہی ہیں۔

۴۔ تمکّن فی الارض اور مَعادِ بشر

ا۔ انسان کا لائحہ عمل اور اِرتقاءٔ

اس امر کو واضح کرنے کے بعد کہ خدا کی بنائی ہوئی جو کچھ شے بھی زمین میں بلکہ آسمانوں میں ہے وہ انسان کے تصرّف، تسخیر اور استعمال کے لئے ہے: (۷۰) تا (۷۵)، نیز یہ کہ انہی اشیا کے بغور مطالعے اور استعمال سے انسان کو اس دنیا میں صحیح طور پر چلنے کے لئے واضح احکام اور صحیح راہ عمل ملتے ہیں: (۳۴) تا (۶۹)، بلکہ انہی کے مطالعے سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ خدا کیا ہے، اُس کو کس طرح پہچانا جا سکتا ہے، اُس کی عادات، خاصیّات اور اوصاف کا صحیح اندازہ بھی اس کی مخلوق کے مطالعے میں ہے، خدائے عزوجلّ نے واضح کر دیا کہ فطرت کی ہر شے اُسی کو سجدہ کر رہی ہے: (۷۶) تا (۸۵)، اُسی کے قانون کی تابع

ہے: (۸۶)، اس سے خوفزدہ ہے: (۷۶) (ب) و (۷۹) اس کے حکم کی پوری پابند ہے: (۷۶) (ب) و (۸۷) اس کے مقرر کئے ہوئے راستے سے اگر اِدھر اُدھر ہٹے گی تو فنا ہو جائے گی: (۸۸)، اس نے جو اندازہ ایک دفعہ مقرر کر دیا اس سے اِدھر اُدھر ہٹنے کی گنجائش نہیں: (۸۹) وغیرہ وغیرہ۔ اس بنا پر انسان کو بھی یہی سجتا ہے کہ وہ بھی چونکہ اس کی مخلوق ہے اس لئے اس کے بنائے ہوئے قانون سے اِدھر اُدھر نہ ہٹے: (۹۰)، اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہے: (۹۱)، اس کو اپنی فطرت کے اندر سے اَور حیوانوں یا نباتات یا جمادات کی غیر مانند کوئی ہدایت نہیں ملی: (۱۱۲) اور (۱۲۵)، وہ اپنے ہدایت نامہ سے کہ دنیا میں کیا کرے قطعاً بے علم اور نابلد ہے، اس لئے اس کو چاہیے کہ انبیا سے ہدایت لے جو خدا نے ہر اُمّت، ہر قریہ، ہر بلدہ، میں انسان کی ہدایت کے لئے بھیجے: (۹۲) اور ان کے ساتھ ایک کتاب اتاری: (۹۳) جو سب کو ایک ہی ہدایت دیتی تھی اور سب انسان کو ایک اُمّت قرار دیتی تھی: (۶۴) لیکن باوجود اس کے کہ سب انبیا ایک خدا کی طرف سے ایک ہی ہدایت اور ایک ہی علم لائے تھے، انسان نے بغاوت اور ضد سے انبیا کے درمیان تفرقہ ڈال کر، کلام خدا کو محرف کر کے، اس کی اپنے حسب مطلب تاویلیں کر کے بلکہ اس کے پیغام کے مقصد کو بدل کر آپ مختلف فرقے بنا دئے: (۹۴) اور بُر و بحر میں فساد پڑ گیا: (۹۵) اب بہر نوع چونکہ یہ فساد رفع نہیں ہو سکتا اور اس کا فیصلہ روزِ قیامت کو ہو گا کہ کون قوم درستی پر تھی، کس نے فساد ڈالا، کون مجرم تھی: (۹۶) اس لئے اب انسان کا مسلک یہ ہے کہ خدا کے آخری قانون یعنی قران عظیم کی طرف رجوع کرے جو کم از کم لفظی طور پر غیر تحریف شدہ ہے: (۹۷) اور اس کا ایک لفظ اِدھر اُدھر نہیں ہوا۔ اس قران سے پہلے کی انبیا کی طرف بھیجی ہوئی کتابیں لفظی طور پر بھی بدل چکی ہیں: (۹۸)، اُن کے اصلی لفظ نہیں رہے، ان کے ترجموں میں ادل بدل ہوا ہے، ان کا مفہوم اور منشا بدل چکا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ قران کے مطالب میں اگرچہ لوگوں نے بے حد تحریف کر دی ہے اور انہی آیات کو اپنے طور پر کر کے کئی فرقوں میں بٹ چکے ہیں مگر قران کے الفاظ میں ہرگز کوئی کمی یا بیشی اب تک نہیں ہوئی۔

اس لئے خدا چاہتا ہے کہ انسان کی توجہ اس آخری کتاب کی طرف ہو۔ اس میں بعض احکام تو صرف وہ ہیں جن کا تعلق جماعت سے ہے اور ان کا مقصد آپس میں معاملات کا کھرا ہونا ہے، بعض ایسے ہیں جن کا مقصد اپنے نفس کی اصلاح ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ احکام ہیں جو سب مذاہب میں کم و بیش موجود ہیں لیکن بہت سے احکام قران حکیم میں ایسے ہیں جن کا تعلق سعی و عمل سے ہے اور جو صرف مشاہدہ

فطرت سے حاصل ہو سکتے ہیں: (۳۴) تا (۶۹)۔ انسان کا فرض ہے کہ پے در پے سعی و عمل سے ان احکام کو حاصل کرے اور اپنی جماعت کو انتہائی طور پر باقوّت کر کے باقی قوموں کو جو اس کے خلاف صف آرا ہیں دنیا کی اس جہادگاہ میں پچھاڑے اور بالآخر سب پر غلبہ حاصل کرے: (۱۰۰)

قران صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ہے: (۱۰۱)، خدا صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ تمام انسانوں کا خدا ہے: (۱۰۲)، خاتم النبی محمد مصطفیٰ صرف عرب یا مسلمانوں کا نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کا رسول ہے: (۱۰۳)، اس لئے قران کی تخصیص کسی ایک جماعت یا مذہب سے نہیں بلکہ تمام عالم انسانی سے ہے۔ اسی لحاظ سے یہ قران جس وقت خدا دیکھے گا کہ ایک قوم اس کو کماحقّہٗ، قبول نہیں کرتی اور اس پر عمل کرنے سے منکر ہے، تو وہ اس قران جس وقت خدا دیکھے گا کہ ایک قوم اس کو کماحقہ قبول نہیں کرتی اور اس پر عمل کرنے سے منکر ہے، تو وہ اس قران کو کسی دوسری قوم کے سپرد کر دے گا جو اس پر زیادہ عمدہ عمل کرے گی: (۱۰۴) یہ قران کوئی خفیہ یا مخصوص کتاب نہیں جو صرف مسلمانوں کے پاس ہی ہو سکتی ہے، بلکہ یہ وہی پیغام ہے جو بار بار سب نبیوں، ہادیوں، بشیروں اور نذیروں کو دیا گیا: (۱۰۵)، اس لئے یہ سب دنیا کی مشترک جائیداد ہے، اس کا قانون واضح ہے، اس کا مطلب آسان ہے: (۱۰۶)، اس لئے ہر قوم اس کے فرمودہ پر عمل کر کے راہ نجات یعنی باقی سب قوموں پر غلبہ حاصل کر سکتی ہے۔

مقام خدا یہ ہے کہ اس کے قانون کی جو قران میں لکھا ہے یا فطرت سے حاصل ہوا ہے یا اس کے علاوہ کوئی مستقل حقیقت ہے پوری متابعت ہو، یہی متابعت کرنا اس کو خدا تسلیم کرنا ہے: (۱۰۷)، قران حکیم کے علاوہ صحیفہ فطرت سے قانون اخذ کر کے اس کی بنائی ہوئی ہر شے مسخّر کرنا، اس کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنا، اس سے قوت حاصل کرنا منشائے خدا ہے۔ منشائے خدا یہ ہے کہ انسان اپنے اوصاف میں، اپنی مادی قوّت میں، اپنی سمع کی طاقت میں، اپنے بصر کی طاقت میں روز بروز ترقی کرے۔ حتیٰ کہ وہ روح جو خدا نے اس کے اندر پھونکی ہے اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوتی جائے اور وہ خدا کا مماثل بنتا جائے: (۱۰۸)۔

جوں جوں انسانی جماعت قوّت پکڑتی جائے گی اس کے انسانوں کے دماغ خدا کے اوصاف کے حامل ہوتے جائیں گے اور کیا عجب ہے کہ اس مرحلہ پر جب کہ انسان نے نہ صرف زمین کی ہر شے کی تسخیر کر لی ہوگی بلکہ اس کی پرواز آسمان کے ستاروں تک بھی ہوگی: (۱۰۹) اور وہاں کی اشیا کو بھی مسخّر کرے گا تو ایسی حالت میں اس کی یہ تمام ہیئت شخصی بھی بدلتی جائے اور اس کے اعضا کے اندر ایک ایسا ارتقا شروع ہو جائے جو اس کو اس سے بھی بہتر مخلوق بنا دے: (۱۱۰) ایسی حالت میں لامحالہ انسان کا رتبہ اس قدر بلند ہوگا کہ خدا جو اس زمین و آسمان کا خالق ہے ایسے سمیع و بصیر انسان سے

دیکھو(۱۸) ملاقات گوارا کرے گا: (۱۱۱) اور کیا عجب ہے کہ اس مرحلے کے پہنچنے تلک انسان کے اپنے اعضا بھی ربّانی اعضا بن جائیں مثلاً موجودہ آنکھیں چونکہ خدا کو نہیں دیکھ سکتیں: (۱۱۲) کیا عجب ہے کہ اس مرحلہ پر آنکھوں میں اور کانوں میں اور دماغ میں ایسی تبدیلی واقع ہو کہ وہ آنکھیں، وہ کان اور وہ ذہن خدا کو دیکھ سکے، سُن سکے اور سمجھ سکے۔ پس ملاقات ربّ کا یہ مرحلہ انسان کی آخری فتح ہے، یہی نجات ہے، یہی منتہائے تخلیق ہے: (۱۱۳)، یہی منشائے ربّ ہے! منشائے ربّ یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے پیدا کی ہوئی چیز کو: (۱۱۴) جس کو پیدا کر کے ملـئکۃ سے سجدہ کرایا تھا: (۱) تا (۱۲) اور تمام فطرت اس کے دست تصرّف میں دے دی تھی اور سمع و بصر اور فواد اس کو ارزانی کر دیا تھا: (۱۱۵)، ہاں یہی منشائے ربّ ہے کہ وہ ایسی پیدائش سے ملاقات کرے، اس کو اس کے سعی وعمل پر شاباش کہے اور منشائے تخلیق بھی پورا ہونا۔ (۱۱۶) انسان کی تخلیق کے اس عظیم الشان منشا (یعنی اپنے ربّ سے ملاقات) کا آخری اور قطعی ثبوت آگے چل کر قران حکیم کی ایک پوری سورت (سورۂ جاثیہ) کا مربوط ترجمہ کر کے دونگا جس سے کسی متنفّس کو انکار نہ ہو سکے گا۔☆

الغرض انسان کی انفرادی نجات کا یہ آخری مرحلہ ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ اسی کا حساب روزِ قیامت کو ہونا ہے: (۱۱۷) اس دن انسان کی سعی وعمل کو دیکھا جائے گا: (۱۱۸) جن کے عمل کا پلڑا بھاری ہوگا وہ لقائے ربّ سے مشرف ہوں گے: (۱۱۹) روز قیامت کو انسان کا خدا سے واسطہ فرداً فرداً ہے لیکن یہاں اس دنیا میں اجتماعی طور پر ہے: (۱۱۷)۔

انسانی سعی وعمل کی اجتماعی جزا وسزا اس دنیا میں یہ ہوگی کہ وہ قوم اس دنیا میں غالب ہو: (۱۲۰) اس کو جنّات زمین اس دنیا میں ملیں گے: (۱۲۱)، تمام دنیا کی نعمتیں اس قوم کے لئے ارزانی ہوں گی: (۱۲۲) اس قوم کے لئے جب تک وہ سعی وعمل میں لگی رہے گی خُلد یعنی ہمیشگی ہوگی: (۱۲۳)، وراثتِ زمین صرف صالح قوم کے لئے ہے: (۱۲۴)، وہی اس کی مستحق ہے جو خدا کے حکموں کو مان کر اس کی ملازمت (عبادت) میں لگی ہے: (۱۲۵)، غیر صالح قوم کی سزا ہلاکت ہے: (۱۲۶)، اس کے اکثر لوگ مومن نہیں ہوتے اور وہ صفحہ زمین سے نیست ونابود کر دی جاتی ہے: (۱۲۷)۔

الغرض یہ کہ ایک نہایت مختصر سا خاکہ خدا اور بشر کے تعلقات کا ہے جو یہاں پر بطور ایک ابتدائی خاکے کے لکھ دیا ہے۔ اس موضوع میں جس قدر نکات واضح کئے ہیں ان کی دلیل پچھلی آیتوں اور مفصلہ ذیل آیتوں پر نمبر لگا کر واضح کر دی گئی ہے۔ آئندہ موضوعات میں ان نکات کی مزید توضیح بھی ہوتی جائے گی۔

(۸۶) قال ربنا الذی اعطی کش شیئ خلقه ثم هدیo: (۲۰/ ۲)

(۸۶) (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) جواب دیا کہ میرا ربّ وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی پیدائش (یعنی فطرت) عطا کی پھر اس شے کو

☆ دیکھو صفحہ ۱۳۰ تا ۱۴۴، نیز دیکھو صفحہ ۸۸ تا ۱۰۵

سیدھے رستے پر لگا دیا۔

(۸۷) لا یسبقونه بالقول وهم بامره یعملونo: (۲/۲۱)

(۸۷) وہ قول میں اس کی سبقت نہیں کرتے (یعنی حکم سے پہلے کوئی شے نہیں کرتے) اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

(۸۸) ومن یحلل علیه غضبی فقد هویo: (۴/۲۰)

(۸۸) اور جس قوم پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک ہوگئی۔

(۸۹) لاالشمس ینبغی لهآ ان تدرک القمر ولا الیل سابق النهار ط وکل فی فلک یسبحونo: (۳/۳۶)

(۸۹) نہ سورج کو یہ طاقت ہے (شایاں ہے) کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے ہو سکتی ہے اور سب ایک آسمان میں چل رہے ہیں۔

(۹۰) والسمآء رفعها ووضع المیزانoلا الا تطغوا فی المیزانo: (۱/۵۵)

(۹۰) اور آسمان کو بلند کر دیا اور (اس میں) ایک تول رکھ دیا یہ اس لئے کہ تم لوگ اس تول (یعنی میزان) میں سرکشی نہ کرو۔

(۹۱) تلک حدود الله فلا تعتدوها ج ومن یتعد حدود الله فاولئک هم الظالمونo: (۲/۲۹)

(۹۱) یہ اللہ کے حدود ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو اور جس نے اللہ کے حدود میں تجاوز کیا تو یہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔

(۹۲)(ا) ولقد بعثنا فی کل امة رسولاo: (۵/۱۶)

(۹۲)(ا) اور بے شک اور بالضرور ہم نے سب اُمتوں میں ایک رسول بھیجا۔

(ب) انا ارسلنک بالحق بشیرا ونذیرا ط وان من امة الاخلا فیها نذیر o وان یکذبوک فقد کذب الذین من قبلهم ج جاء تهم رسلهم بالبینت وبالزبر وباالکتاب المنیرo ثم اخذت الذین کفروا فکیف کان نکیرo: (۳/۳۵)

(ب) ہم نے بے شک تم کو سچائی کے ساتھ (غلبہ اور سلامتی کی) خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا اور کوئی اُمّت ایسی نہیں جس میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو اور اگر وہ تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو (پرواہ نہیں کیونکہ) درحقیقت ان سے پہلوں نے بھی جھٹلایا۔ اُن کے پاس ان کے پیغامبر روشن احکام اور زبور اور روشن کتاب لے کر آئے پھر میں نے منکروں کو پکڑا تو (دیکھو) انکا انکار کیسا رہا۔

(ج) ولکل امة رسولج فاذا جآء رسولهم قضی بینهمط بالقسط وهم لا یظلمونo: (۵/۱۰)

(ج) اور ہر امت کے لئے ایک پیغامبر ہے پھر جب وہ رسول ان کے پاس آ جاتا ہے تو وہ ان کے مابین عدل وانصاف سے فیصلہ کر دیتا ہے اور وہ ظلم نہیں کئے جاتے۔

(د) وما اهلکنا من قریة الا ولها منذرونo

(د) اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک ہی نہیں کیا مگر یہ کہ اُس

ذکری قف وما کنا ظلمینo: (۲۶/۱۱)
بستی کے ڈرانے والے (آ چکے) تھے۔ یہ ایک (لائق) عبرت (پیغام) ہے اور ہم ظالم ہرگز نہیں۔

(ہ) ولو شئنا لبعثنا فی کل قریة نذیرا o زصلے :(۲۵/۵)
(ہ) اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو ضرور ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔

(و) ولکل قوم هادo: (۱۳/۱)
(و) اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے۔

(۹۳) لقد ارسلنا رسلنا بالبینت وانزلنا معهم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط ج (۵۷/۳)
(۹۳) اور بے شک اور بالضرور ہم نے اپنے پیغامبروں کو روشن احکام دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ ایک الکتاب اور میزان بھیجی تا کہ لوگ میانہ روی پر قائم رہیں۔

(۹۴) (ا) وما اختلف الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جآء هم العلم بغیا بینهم ط ومن یکفر بایت الله فان الله سریع الحسابo: (۳/۲)
(۹۴) (ا) اور جن لوگوں کو الکتٰب دی گئی تھی انہوں نے (صرف) آپس میں بغاوت کر کے علم (اور یقینی بات) آئے پیچھے (خواہ مخواہ) اختلاف پیدا کیا اور جو (قوم) خدا کے (روشن) احکام سے (جن میں اختلاف پیدا ہو ہی نہیں سکتا) انکار کرتی ہے تو خدا بڑا جلد حساب کرنے والا ہے (اور اُن کو یقیناً جلد سزا دے گا)۔

(ب) کان الناس امة واحدة قف فبعث الله النبیین مبشرین ومنذرین ص وانزل معهم الکتب بالحق لیحکم بین الناس فیمااختلفوا فیه ط وما اختلف فیه الا الذین اوتوه من بعد ما جآء تهم البینت بغیا بینهم ج فهدی الله الذین امنوا لما اختلفوا فیه من الحق باذنه ط والله یهدی من یشاء الی صراط مستقیمo: (۲/۲۶)
(ب) انسان (اصل میں) ایک ہی اُمّت ہیں تو (اس وحدت بنی نوع انسان کو پیش نظر رکھ کر) خدا نے نبی اور بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے اور ان کے ساتھ ایک قانون (الکتٰب) مبنی برحق بھیجا تا کہ لوگوں کے درمیان ان امور کا فیصلہ کرے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن اس قانون میں روشن حقیقت آئے پیچھے (صرف) اُن لوگوں نے اختلاف پیدا کیا جو آپس میں بغاوت کرتے تھے پھر خدا نے ایمان والوں کو اس اختلاف کے متعلق جو وہ آپس میں کر رہے تھے سیدھی راہ دکھلا دی اور اللہ جس کو مناسب سمجھتا ہے سیدھی راہ پر لے جاتا ہے۔

(ج) وما تفرقوا الا من بعد ما جاء هم العلم بغیا بینهم ط ولو لا کلمة سبقت من ربک
(ج) اور انہوں نے نہیں تفرقہ پیدا کیا مگر علم آئے پیچھے آپس میں بغاوت کر کے اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے وقت مقرر تک

الی اجل مسمی لقضی بینھمط وان الذین اورثوا الکتٰب منم بعدھم لفی شک منہ مریبo: (۴۲/۲)

(کے لئے) ایک قول پہلے نہ آ گیا ہوتا تو (اس اختلاف کے متعلق) ان کے درمیان (سزا کا) فیصلہ ہوگیا ہوتا اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے ان کے بعد اس الکتٰب کی وراثت سنبھالی ہے اس کتاب کے متعلق (سخت ترین) شک میں ہیں (کہ اگر یہ کتاب فی الحقیقت روشن کتاب ہے تو اس کے متعلق اختلاف کیوں پیدا ہوا)۔

(د) وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا ط ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم فیما فیہ یختلفونo: (۱۰/۲)

(د) اور انسان نہیں ہیں مگر ایک اُمّت مگر (افسوس ہے کہ) وہ مختلف ہوگئے ہیں اور اگر اس سے پہلے قولِ خدا (ایک مقرر وقتِ فیصلہ کے متعلق) نہ آ گیا ہوتا تو اس اختلاف کے متعلق (اختلاف کرنے والوں کو سزا دے کر اب تک) فیصلہ ہوگیا ہوتا۔

(ہ) وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من م بعد ما جآء تھم البینۃoط: (۹۸/۱)

(ہ) اور اہل کتاب نے آپس میں تفرقہ پیدا نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس ایک روشن حقیقت آ چکی تھی۔

(۹۵) ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس: (۳۰/۵)

(۹۵) برّ و بحر میں فساد ظاہر ہو چکا ہے بوجہ اس کے کہ جو کچھ لوگوں کے ہاتھوں نے کیا ہے۔

(۹۶) وقالت الیھود لیست النصاری علی شیئ صوقالت النصری لیست الیھود علی شیئ لا وھم یتلون الکتاب ط کذالک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم ج فاللہ یحکم بین ھم یوم القیمۃ فیما کانوا فیہ یختلفونo: (۲/۱۴)

(۹۶) یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی (پکّی) بات پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی (پکی) بات پر نہیں حالانکہ دونوں اسی ایک الکتٰب کو (جو خواہ مختلف زبانوں میں ہو اور مختلف پیغمبروں کی وساطت سے پہنچی ہو) پڑھتے ہیں۔ یہی بات اور انہی کی باتوں کی طرح کی باتیں ان لوگوں نے (بھی) کیں جو علم نہیں رکھتے تھے (کیونکہ اگر وہ الکتٰب کا علم رکھتے تو اس پر متفق ہو جاتے) تو ایسی حالت میں روز قیامت ہی کو خدا ان لوگوں کے درمیان اس شے کے متعلق جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں فیصلہ کرے گا۔

(۹۷) (ل) انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظونo: (۱۵/۱)

(۹۷) (ل) درحقیقت ہم نے بھی بذاتِ خود اس نصیحت (یعنی قرآن) کو نازل کیا ہے اور درحقیقت اور بالضرور ہم ہی اُسکی

حفاظت کرنے والے ہیں۔

(ب) ان علینا جمعه و قرانه ہ ج صلے فاذا قراناه فاتبع قرانه ہ ج ثم ان علینا بیانه ہ ط: (۱/۷۵)

(ب) ہم پر درحقیقت اس (قران) کا جمع کرنا اور اس کا (پیغمبر صلعم کو) پڑھا دینا فرض ہے پھر جب ہم نے اس کو پڑھ دیا تو اس پڑھی ہوئی شے کی متابعت کر، پھر اس کو واضح کر دینا ہمارا فرض ہے۔

(۹۸) (ا) فبما نقضهم میثاقهم لعنهم و جعلنا قلوبهم قاسیة ج یحرفون الکلم عن مواضعه لا ونسوا حظا مما ذکروا به ج: (۳/۵)

(۹۸)(ا) پھر ان کے اپنے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دلوں کو ہم نے (پتھر کی طرح) سخت کر دیا۔ وہ (اس کتاب میں لکھے ہوئے احکام و فرائض سے بچنے کی خاطر اس کے) کلموں کو اپنی جگہ (یعنی صحیح مفہوم) سے بدل دیتے تھے (اور اس مفہوم کو کچھ کا کچھ کر دیتے تھے) (بلکہ) جو کچھ اُن کو (کبھی اچھی طرح) یاد دلا دیا گیا اس کا بھی (بڑا) حصّہ بھول گئے (تا کہ اس پر عمل نہ کرنا پڑے)۔

(ب) من الذین هادوا یحرفون الکلم عن مواضعه: (۴/۷)

(ب) یہود میں سے ایسے ہیں جو کلموں (یعنی وحی کے الفاظ کو یا ان کے مطالب) کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔

(۹۹) (ا) یحرفون الکلم من بعد مواضعه ط یقولون ان اوتیتم هذا فخذوه وان لم تؤ توه فاحذروا ط :(۵/۶)

(۹۹)(ا) یہ یہودی لوگ احکام وحی کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ حکم دیا جائے تو لے لو، ورنہ اس سے بچو۔

(ب) افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله ثم یحرفونه من بعد ماعقلوه وهم یعلمون ہ: (۲/۹)

(ب) کیا تم اس کی حرص رکھتے ہو کہ یہ ایمان لائیں حالانکہ ان میں ہی کا ایک گروہ کلامِ خدا کو سنتا ہے پھر جان بوجھ کر اس کو کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے (تا کہ کسی نہ کسی طرح احکامِ خدا سے نجات ہو)۔

(۱۰۰) (ا) هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون ہ: (۱/۶۱)

(۱۰۰)(ا) اس نے اپنے رسولؐ کو ہدیٰ اور دین الحق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس رسول کو باقی تمام ادیان پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

(ب) هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین

(ب) وہ وُہ (پاک ذات) ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدیٰ اور

الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکونo: (۵/۹)
دین الحق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو باقی تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔
(ج) ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ط و کفی باللہ شھیداo: (۴/۴۸)
(ج) خدا وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدیٰ اور دین الحق کے ساتھ بھیجا اور اللہ بطور گواہ (یعنی محافظ اور نگران) کے کافی ہے (کہ وہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غالب کرے)۔
(۱۰۱) (ا) ان ھو الاذکر للعلمینo: (۸۱/۱، ۵/۳۸، ۱۲/۱۱)
(۱۰۱)(ا) یہ (قران) نہیں مگر تمام عالموں کے لئے نصیحت یعنی دنیا
(ب) وما ھو الا ذکر للعلمینo: (۲/۶۸)
(ب) اور یہ (قران) نہیں مگر تمام عالموں کے لئے نصیحت یعنی دینا
(ج) ان ھو الا ذکری للعالمینo: (۶/۱۰)
(ج) نہیں ہے یہ (قران) مگر تمام عالموں کے لئے عبرت یعنی دنیا
(د) وما ارسلناک الا کآفۃ الناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمونo: (۳/۳۴)
(د) اور ہم نے تم کو تمام عالم کے لئے (غلبہ اور فتح کی) خوشخبری دینے والا اور (ہلاکت کے عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔
(۱۰۲) (ا) الحمد للہ رب العالمینo: (۱/۱)
(۱۰۲)(ا) حمد واسطے اللہ کے ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔
(ب) یوم یقوم الناس لرب العالمینo ج ط: (۸۳/۱)
(ب) جس دن کہ لوگ تمام عالموں کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونگے۔
(۱۰۳) (ا) قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض ج الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض ج لا الہ الا ھو یحیی ویمیت ص فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ و کلمتہٖ واتبعوہ لعلکم تھتدونo: (۲۰/۷)
(۱۰۳)(ا) (اے پیغمبرؐ!) تو کہہ دے اے انسانو! میں درحقیقت اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر تم سب کی طرف ہوں۔ وہ خدا جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اس کے سوا کوئی حاکم اعلیٰ نہیں، وہی زندہ کرتا، وہی مارتا ہے تو ایمان لے آؤ اس اللہ پر اور اس کے اُمّی (ان پڑھ) رسول پر جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے بھیجے ہوئے قول پر اور اس کے احکام کی اطاعت کرو شائد کہ تم راہ راست پر آ جاؤ۔
(ب) یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ: (۲/۲۰۵)
(ب) اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ۔
(ج) وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمینo: (۲۱/۷)
(ج) (اے پیغمبرؐ!) ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام عالموں کے لئے رحمت۔

(۱۰۴) (ل) ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجدلک به علینا وکیلاo لا: (۱۷/۱۰)

(۱۰۴) (ل) اور اگر ہم مناسب سمجھیں گے تو ضرور اس شے کو جو تم پر وحی کی ہے لے جائیں گے۔ پھر (اس صورت میں) تُو اپنے لئے اس (وحی کے چلے جانے) کے متعلق کوئی وکیل ہمارے پاس (حمایت کرنے کے لئے) نہیں پائیگا۔

(ب) فان یکفربها هولآء فقد وکلنا بها قوماً لیسوا بها بکافرینo: (٦/۱۰)

(ب) پھر اگر یہ (لوگ) اس سے منکر ہو جائیں گے تو ہم ضرور اس کو کسی ایسی قوم کے سپرد کر دیں گے جو اس کے منکر نہیں ہوں گے۔

(۱۰۵) (ل) وانه لتنزیل رب العالمین o ط نزل به الروح الامین o لا علی قلبک لتکون من المنذرین o لا بلسان عربی مبین o ط وانه لفی زبر الاولین o اولم یکن لهم ایة ان یعلمه علموا بنی اسرائیلo ط: (۲٦/۱۱)

(۱۰۵) (ل) اور بے شک بالضرور یہ پروردگار عالمین کی طرف سے اتارا ہوا (قران) ہے۔ اس کو روح امین (حضرت جبرئیل) نے تیرے قلب (یعنی ذہن) پر واضح عربی زبان میں اتارا تا کہ تُو (لوگوں کو) عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بن جائے اور بے شک یہ قران پہلے لوگوں کے (خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے) صحیفوں میں موجود تھا (اگر چہ وہ عربی زبان میں نہ تھے)۔ کیا یہ ان کو ایک معنی خیز اشارہ (اس قران کو ماننے کیلئے) نہیں کہ بنی اسرائیل کے علما اس کا علم رکھتے ہیں وہ تصدیق کر سکتے ہیں کہ یہ وہی احکام ہیں جو ان کی کتابوں میں کسی زمانے میں تھے)۔

(ب) ما یقال لک الا ما قد قیل للرسل من قبلک ط: (۴۱/۵)

(ب) (اے پیغمبرؐ!) تم کو کچھ نہیں کہا گیا (یعنی کوئی حکم نہیں دیا گیا) مگر وہ جو ضرور بالضرور تجھ سے پہلے کے پیغمبروں کو کہا گیا۔

(ج) ان هذا لفی الصحف الاولیo لا صحف ابراهیم وموسیٰo: (۸۷/۱)

(ج) بے شک یہ (قران) یقیناً پہلے صحیفوں میں ہے (یعنی) ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔

(د) اولم تاتهم بینة مافی الصحف الاولیٰo: (۲۰/۸)

(د) اور کیا ان کے پاس روشن طور پر نہیں پہنچا جو کچھ پہلے صحیفوں میں تھا۔

(ہ) تنزیل من رب العالمینo ط: (٦۹/۳، ۵٦/۳)

(ہ) یہ پروردگار عالمین کی طرف سے اتارا ہوا (قرآن) ہے۔

(و) تنزیل الکتاب لا ریب فیه من رب

(و) یہ (قران) اس نا قابل شک الکتٰب کو اتارنا ہے جو پروردگار

العالمینOط: (۱/۳۲)
عالمین کی طرف سے ہے۔

(۱۰۶) (ا) فانما یسرناہ بلسانک لتبشربه المتقین وتنذربه قوماً لداO: (۶/۱۹)
(۱۰۶)(ا) تو ہم نے اس (قران) کو تمہاری زبان میں صرف اس لئے آسان کر دیا ہے کہ تُو اس کے ذریعے سے خدا کے قانون سے خوف کھانے والے لوگوں کو (خوشحالی اور امن کی) خوشخبری دے اور جھگڑا کرنے والی قوم کو اس سے ڈرائے۔

(ب) ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکرO: (۲،۱/۵۴)
(ب) ہم نے اس قران کو عبرت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے جو اس سے عبرت پکڑے۔

(۱۰۷) کفرعنهم سیاتهم واصلح بالهم O ذالک بان الذین کفروا اتبعو الباطل وان الذین امنوا اتبعوا الحق من ربهمط (۱/۴۷)
(۱۰۷) کیوں محمدؐ کے پیروؤں کی بدحالیاں دور ہو جائیں گی اور ان کی دنیاوی حالت درست ہو جائے گی؟ اس لئے کہ کافر جھوٹ کی متابعت کرتے ہیں اور ایماندار **سچائی** کے پیچھے ہیں۔ (دیکھو آیہ (۱۲۰))

(۱۰۸)(ا) الم تروا ان اللہ سخرلکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمه ظاهره وباطنة ط ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا هدی ولا کتب منیرO: (۳/۳۱)
(۱۰۸)(ا) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ درحقیقت خدا نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے مسخّر کیا ہے اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں ختم کر دی ہیں۔ (ان حالات کے باوجود) ایسے لوگ ہیں جو خدا (کی ماہیّت) کے بارے میں بغیر علم (فطرت حاصل کئے) جھگڑتے رہتے ہیں نہ وہ اُس ہدیٰ سے (جو خدا نے پیغمبروں کی وساطت سے بھیجی) کوئی یقینی بات حاصل کرتے ہیں اور نہ (فطرت کی) روشن کتاب سے (کسی حقیقت تک پہنچتے ہیں)۔

(ب) وسخرلکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منه ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرونO: (۲/۴۵)
(ب) اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے (استعمال کے لئے) خدا نے مسخّر کر رکھا ہے۔ بے شک اس (اعلان) میں سوچنے والی قوم کے لئے (بے حد) اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۱۰۹) (ا) ولله ما فی السموت وما فی الارض
(۱۰۹) (ا) اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے خدا

لیجزی الذین اسآوا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنیo: (۲/۵۳)
کا ہے اور غرض یہ ہے کہ جن لوگوں نے بُرا کیا ان کو ان کی (بد) اعمالی کی سزا دے اور جنہوں نے اچھا کیا (یعنی اس فطرت کی اشیا کا کماحقہ استعمال کیا) ان کو عمدہ طریقے سے جزا دے۔

(ب) انا جعلنا ما علی الارض زینة لها لنبلوهم ایهم احسن عملاo: (۱/۱۸)
(ب) بے شک ہم نے جو کچھ اس زمین پر ہے اس زمین کی زینت اور زیور کے طور پر بنایا اور اس کو زینت اور زیور بنانے کی غرض یہ ہے کہ ہم انسانوں کی آزمائش کریں کہ ان میں سے کون سی قوم عمدہ عمل کر رہی ہے۔

(۱۱۰) (ل) ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین oج ثم جعلنه نطفة فی قرار مکین oص ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاماً فکسونا العظام لحماق ثم انشاء نه خلقاً اخر ط فتبارک الله احسن الخالقین oلا ثم انکم بعد ذالک لمیتون oط ثم انکم یوم القیامة تبعثون o: (۱/۲۳)
(۱۱۰) (ل) بے شک اور بالضرور ہم نے انسان کو مٹی کے ایک خلاصہ سے پیدا کیا پھر اس کو ایک مقررہ جگہ میں قطرۂ آب (منی) بنایا، پھر اس نطفۂ منی کو لوتھڑا بنایا پھر اس کو مضغہ بنایا پھر اس مضغہ سے ہڈیاں پیدا کیں پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اس کو کسی دوسری پیدائش کا شروع کر دیں گے۔ پس بہترین پیدائش کرنے والا بڑا صاحب برکت ہے پھر تم اس کے بعد یقیناً مر جاؤ گے پھر قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے۔

(ب) مالکم لا ترجون لله وقاراo وقدخلقکم اطواراo: (۱:۷۱)
(ب) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے اپنے درجوں کی بلندی کی امید نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تم کو (ایک پیدائش سے بلند کرنے کے بعد دوسری پیدائش میں بدل کر) کئی طریقوں سے پیدا کیا۔

(ج) ان یشایذهبکم ایها الناس ویات باخرین ط (۱۹/۴). نیز دیکھو: (۱۶/۶)
(ج) اے لوگو! اگر خدا مناسب سمجھے گا تو تمہاری نوع کو (زمین پر سے) اٹھا لے جائے گا اور دوسروں کو یعنی نئی مخلوق کو) لے آئیگا۔

(د) ان یشا یذهبکم ویات بخلق جدیدo: (۳/۱۴، ۳/۳۵)
(د) اگر وہ مناسب سمجھے گا تو تم کو اس صفحہ زمین سے اچک لے جائیگا اور نئی پیداوار (مخلوق) لے آئیگا۔

(ہ) نحن خلقناهم وشددنا اسرهم واذا شئنا بدلنا مثالهم تبدیلاo: (۲/۷۶)
(ہ) ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ان کے جوڑ باندھے اور جس وقت ہم مناسب سمجھیں گے ہم ان جیسے اور بدل دیں گے۔

(و) لتركبن طبق عن طبق: (۱/۸۴)

(و)(اور پورے چاند کی قسم) تم ضرور ایک درجے سے دوسرے درجے تک چڑھتے جاؤ گے۔

(۱۱۱) (ا) من كان يرجوا لقآء الله فان اجل الله لات ط وهو السميع العليمo ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه ط ان الله لغنى عن العالمينo: (۱/۲۹)

(۱۱۱)(ا) جو شخص خدا سے ملاقات کرنے کی امید رکھتا ہے تو (وہ ضرور رکھے کیونکہ) خدا کی (مقرر کی ہوئی) مدّت تو ضرور اور بالیقین آنے والی ہے اور وہ بڑا صاحب سمع وعلم ہے (اور اسی لئے اپنے برابر کے صاحبان سمع وبصر ہی سے ملاقات کرے گا) اور جس شخص نے (صاحب سمع اور صاحب علم ہونے میں انتہائی) کوشش کی تو وہ صرف اپنے نفس کے لئے ہی کوشش کر رہا ہے (کیونکہ خدا کی ملاقات تو صرف افراد ہی سے ہوگی اور وہ بھی وہ افراد جو علم کے بلند ترین مرتبوں تک پہنچ چکے ہوں گے) بے شک اور بالتحقیق خدا تمام دنیا (کے باقی انسانوں) سے (جو سعی و عمل کر کے اس بلند درجے تک نہ پہنچے ہوں گے) بے نیاز ہے (اور ان سے ملاقات کرنا ہرگز گوارا نہ کرے گا)۔ (اس تشریح کی تائید ''لقائے رب'' ☆ کے عنوان میں ہوگی)

(ب) قد خسر الذين كذبوا بلقآء الله حتى اذا جآءتهم الساعة بغتة قالوا يحسرتنا على ما فرطنا فيها ط وهم يحملون اوزارهم على ظهورهم ط الا ساء ما يزرون o وما الحيوة الالعب ولهو والدار الاخرة خير للذين يتقون ط افلا تعقلونo: (۶/۴)

(ب) وہ لوگ یقیناً گھاٹے میں رہیں گے جنہوں نے خدا کی ملاقات کو جھوٹ سمجھا (اور اس کے ہونے کی شرائط پر عمل نہ کیا) یہاں تک کہ وہ وقتِ ملاقات ان پر اچانک آ جائے گا تو وہ کہیں گے کہ واحسرتا ہم نے جس شے میں کمی کی تھی (یعنی سعی وعمل) اس پر افسوس کر رہے ہیں اور وہ اُن گراں ذمّہ داریوں کو اپنی پیٹھوں پر لادے ہوں گے خبردار رہو کہ اس وقت جو بوجھ اُن پر ہوگا نہایت ہی بُرا ہوگا (اور یاد رکھو کہ دنیاوی لذّات میں پھنس کر سعی وعمل نہ کرنا اور غافل رہنا بڑا ہی بُرا ہے کیونکہ) حیات دنیا تو ایک کھیل کود ہے اور آخرت کا گھر (جہاں سعی وعمل کا نتیجہ ملے گا) ہی بہترین ہے ان لوگوں کے لئے جو خدا (کے قانون) سے خوفزدہ رہے تو کیا اس بات کا تعقّل نہیں رکھتے۔

(ج) ان الذين لا يرجون لقآء نا ورضوا بالحيوة

(ج) بے شک وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے

☆ دیکھو صفحہ ۸۸ تا ۱۰۵ نیز صفحہ ۱۳۰ تا ۱۴۴

الدنیا واطمانوا بہا والذین ھم عن ایاتنا غفلون ۝ لا اولئک ماوھم النار بما کانوا یکسبون ۝: (۱۰/۱)

اور دنیاوی (کھیل کودکی) زندگی سے راضی ہو گئے اور اس کی وجہ سے بے فکر ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری اُن آیات سے غافل ہو گئے (جس کا ان کو صحیفہ فطرت کے بغور مطالعہ کے بعد ملنے کا اعلان اس قران میں کیا گیا ہے) تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ اُن کی بداعمالی کے بدلے میں ہوگا)

(د) وقال الذین لا یرجون لقآء نا لولا انزل علینا الملائکۃ اونری ربنا لقداستکبروا فی انفسھم ط وعتوعتوا کبیرا ۝ یوم یرون الملائکۃ لا بشری یومئذ للمجرمین ویقولون حجرا محجورا ۝ وقدمنآ الی ما عملوا من عمل فجعلناہ لاھبآء منثورا ۝: (۲۵/۳)

(د) اور وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ کیوں اس شخص پر فرشتے نہیں اُترے یا کیا خاص ضرورت ہے کہ ہم اپنے ربّ سے ملاقات کریں۔ بے شک اور بالضرور ان لوگوں نے اپنے نفسوں میں اکڑ اختیار کی ہے اور انتہائی بڑی سرکشی کے مجرم ہیں۔ جس دن وہ فرشتوں کو (سامنے کھڑا) دیکھیں گے تو اُن مجرموں کو ہرگز کوئی خوشخبری اُس دن نہ ملے گی اور صاف پکار اٹھیں گے کہ خدا ہم سے یہ مصیبت ٹال دے (تو ہم خوش ہوں گے) اور جب ہم ان کے کسی عمل پر توجہ کرینگے تو اس کو خاک کر کے اڑا دیں گے۔

(ہ) ولو یعجل اللہ للناس الشر استعجالھم بالخیر لقضی الیھم اجلھم ط فنذر الذین لا یرجون لقآء نا فی طغیانھم یعمھون ۝: (۱۰/۲۰)

(ہ) اور اگر خدا انسانوں کے لئے برائی کو اس بدلے میں کہ وہ خدا سے نیکی مانگنے کی جلدی کر رہے ہیں جلدی کرتا تو (آج تک) اُن کی مدّت (مہلت) ختم ہوگئی ہوتی تو ہم ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اپنی سرکشی میں ٹامک ٹوئے مارتے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں۔

(و) سنریھم ایتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق ط اولم یکف بربک انہ علی کل شیئ شھید ۝ الا انھم فی مرید من لقاء ربھم ط الا انہ بکل شیئ محیط ۝ ع (۴۱/۶)

(و) ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیاں دنیا میں دکھادیں گے اور جو کچھ ان کے نفسوں کے اندر ہیں یہاں تک کہ ان کو روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ یہ سچ ہے۔ کیا یہ خدا کے متعلق کافی نہیں ہے کہ وہ ہر شے کا نگران ہے۔ یاد رکھو کہ یہ لوگ اپنے رب سے ملاقات کے بارے میں شک میں ہیں اور یاد رکھو کہ وہ ہر شے پر حاوی ہے۔

(ز) والـذيـن كفروا بايات الله ولـقآئه اولـئک يئسوا من رحمتی واولئک لهم عذاب اليمo: (۳/۲۹)

(ز) اور جولوگ خدا کی آیات سے (جوصحیفۂ فطرت کی تلاش کے متعلق ہیں) منکر ہو گئے اور خدا کی ملاقات سے بھی منکر ہیں وہ لوگ ہیں جو خدا کی رحمت (اور انعامات سے جوصحیفۂ فطرت کی تلاش کے بعد ان کو ملنے والے تھے) مایوس ہو گئے ہیں اور انہی کو دردناک عذاب ملے گا۔

(ح) واما الـذين كفروا و كذبوا بايتنا ولقآی الاخـرة فاولئک فی العذاب محضرونo :(۳/۳۰)

(ح) اور وہ لوگ جو منکر (فطرت) ہو گئے اور انہوں نے ہمارے احکام کو (جوصحیفۂ فطرت سے متعلق ہیں) جھوٹ سمجھا اور آخرت میں ہماری ملاقات کو (ناممکن) سمجھا تو یہی لوگ ہیں جو عذاب کے لئے ہماری پیشی میں ہوں گے۔

(۱۱۲) لا تدركه الابصار وهو يدرک الابصارج وهو اللطيف الخبيرo: (۱۳/٦)

(۱۱۲) خدا کو یہ (موجودہ) آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو پالیتا ہے اور وہ انتہائی طور پر باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔

(۱۱۳) افحسبتم انما خلقنكم عبثاً وانكم الينا لا ترجعونo: (٦/۲۳)

(۱۱۳) کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا اور تم ہماری طرف واپس نہیں آ ؤ گے (اور پھر ہماری ملاقات نہیں کرو گے)

(۱۱۴) قـال يآ ابليس ما منعک ان تسجد لما خلقت بيدی ط استكبرت ام كنت من العالينo: (۵/۳۸)

(۱۱۴) ربّ نے کہا کہ اے ابلیس کس شے نے تمہیں اس بات سے منع کیا ہے کہ تو اُس شے (یعنی انسان) کے آگے سجدہ نہ کرے جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا کیا تُو اکڑتا ہے یا ویسے ہی بلند ہے۔

(۱۱۵) والـلـه اخرجكم منم بـطون امهاتكم لا تـعـلـمون شيئا وجـعل لكم السمع و الابصار والافئدة لعلكم تشكرونo: (۱۱/۱٦)

(۱۱۵) اللہ نے تم کو اپنی ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کسی شے کا علم نہ رکھتے تھے پھر تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور ذہن مقرر کر دیئے تاکہ تم (اُن کا صحیح استعمال کر کے) ان کی قدر کرو۔

(۱۱٦) (ا) سلام عليكم طبتم فادخلوها خلدينo: (۸/۳۹)

(۱۱٦)(ا) تم پر سلام ہو تم نے بہت اچھا کیا پس اس جنت میں داخل ہو کر ہمیشہ رہو۔

(ب) فنعم اجر العالمينo (۸/۳۹)

(ب) پس کیا ہی اچھا اجر عمل کرنے والوں کا ہے۔

(۱۱۷) (ا) لقد جئتمونا فرادی کما خلقنکم اول مرة: (۶/۱۱)
(۱۱۷)(ا)اورتم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسے کہ ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔
(ب) و کلھم اتیه یوم القیامة فرداًo: (۱۹/۶)
(ب)اورسب روزِ قیامت کورب کے پاس ایک ایک کرکے آئیں گے۔
(ج) وعرضوا علی ربک صفاط لقد جئتمونا کما خلقنکم اول مرة ز: (۱۸/۶)
(ج)اوراپنے ربّ کے سامنے صف وارا کیلے پیش کیے جائیں گے (اورہم کہینگے کہ) تم تو اسی طرح اکیلے آئے جیسے کہ ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔
(۱۱۸) (ا) الا تزر وازرة وزراخری o وان لیس للانسان الا ما سعی o وان سعیھم سوف یریo: (۵۳/۳) نیز دیکھو(۶/۲۰،۲/۱۷،۳/۳۵،۱/۳۹)
(۱۱۸)(ا) یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے شخص کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لئے کوئی شے نہیں مگر اس کے مطابق جس قدر اس نے کوشش کی اور یہ کہ بالتحقیق اُن کی کوشش (ہی) کو دیکھا جائے گا۔
(ب) فاذا جآء ت الطامة الکبریo ز صلے یوم یتذکر الانسان ما سعیoلا (۷۹/۲)
(ب) پس جب وہ قیامت کبریٰ آجائے گی تو وہ وہ دن ہوگا کہ انسان کو اس کی وہ سعی یاد دلائی جائے گی جو اس نے کی۔
(۱۱۹) (ا) والوزن یومئذ ن الحق ج فمن ثقلت موازینه فاولئک ھم المفلحون o ومن خفت موازینه فاولئک خسروا انفسھم بما کانوا بایتنا یظلمونo: (۷/۱)
(۱۱۹)(ا)اور اس دن تول (بالکل) سچا ہوگا۔ پھر جن کے تول بھاری ہوئے وہی نجات پانے والے ہوں گے اور جن کے تول ہلکے ہوئے تو وہی ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں اس وجہ سے رکھا کہ وہ ہمارے احکام کے ساتھ (جو ہم نے دیئے تھے) ظلم کرتے رہتے تھے۔
(ب) فمن ثقلت موازینه فاولئک الذین خسروآ انفسھم فی جھنم خلدونo (۲۳/۶)
(ب) پس جن کے تول بھاری ہوئے تو وہی نجات پانے والے ہوں گے اور جن کے تول ہلکے ہوئے تو وہی ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا (اور) جہنّم میں ہمیشہ رہیں گے۔
(ج) یبنی انھا ان تک مثقال حبة من خر دل فیکن فی صخرة اوفی السموات اوفی الارض یات به الله ان الله لطیف خبیرo: (۳۱/۲۰)
(ج) (حضرت لقمان نے کہا) اے میرے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی بوجھ ہوا اور وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو وہ خدا (تولنے کے لئے) سامنے لے آئے گا۔ بے شک اللہ بڑا باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔
(د) ونضع الموازین باالقسط یوم القیمة
(د) اورہم روز قیامت کو ترازو نہایت ٹھیک تولنے والے لگا دیں گے۔

فلا تظلم نفس شيئا وان كان مثقال حبة من خر دل اتينا بها ط وكفى بناحسبينo: (۲۱/۴)

اور کسی متنفّس پر ادنیٰ ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی وزن (کہیں) ہوگا تو ہم اس کو لے آئیں گے، اور حساب کرنے کے لئے ہم (بالکل) کافی ہیں۔

(۱۲۰) والذين امنوا وعملوا الصالحت وامنوا بما نزل على محمد وهو الحق من ربهم كفر عن هم سياتهم واصلح بالهمo: (۱/۴۷)

(۱۲۰) اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے صالح (مناسب) عمل کئے اور اس پر ایمان لے آئے جو محمدؐ پر اتارا گیا اور وہ اُن کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے، تو ایسے شخصوں کی بدحالیاں ان سے دور ہو جائیں گی اور اُن کے دنیاوی حالات درست ہو جائیں گے۔ نیز دیکھو آیہ (۱۰۷)

(۱۲۱) ان الله يدخل الذين امنوا وعملوا الصالحت جنت تجرى من تحت ها الانهر ط والذين كفروا يتمتعون وياكلون كما تاكل الانعام والنار مثوى لهمo: (۲/۴۷)

(۱۲۱) بے شک خدا اس (قوم) کو جو ایمان لے آئی اور انہوں نے مناسب اعمال بھی کئے اُن باغوں (کی بادشاہت) میں داخل کر دیتا ہے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں اور جو (قوم) منکر ہو گئی وہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور زندگی گذارتے ہیں جیسا کہ مویشی اپنا چارہ کھاتے ہیں اور اُن کا ٹھکانا جہنّم ہے۔

(۱۲۲) يعباد لا خوف عليكم اليوم ولا انتم تحزنون o ج الذين امنوا بايتنا وكانوا مسلمين o ج ادخلو الجنة انتم وازواجكم تحبرون o يطاف عليهم بصحاف من ذهب واكواب ج وفيها ما تشتهيه الانفس وتلذ الاعين وانتم فيها خلدونo ج: (۷/۴۳)

(۱۲۲) اے (وہ) بندو (جو خدا کے ملازم رہے ہو) آج سے تمہیں کوئی خوف نہیں، نہ حُزن یہ وہ لوگ تھے جو (ہماری صحیفۂ فطرت کی) آیتوں پر ایمان لے آئے تھے اور ان کو تسلیم کرتے تھے۔ تم اور تمہاری بیبیاں باعزّت اس جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ ان پر سونے کی رکابیوں اور پیالوں کے دور چلیں گے۔ اور جو کچھ نفس چاہیں گے اور آنکھوں کو سرور دے گا ملے گا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے (نفس کا سرور آنکھوں کی لذت سونے کی رکابوں وغیرہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دنیا کا بہشت ہے)

(۱۲۳) (ل) وادخل الذين امنوا وعملوا الصلحت جنت تجرى من تحتها الانهر خلدين فيها باذن ربهم ط تجيتهم فيها سلامo: (۴/۱۴)

(۱۲۳) (ل) اور ایمان رکھ کر مناسب عمل کرنے والے لوگ باغوں میں داخل کر دیئے گئے جن کے نیچے نہریں چل رہی ہیں۔ خدا کے حکم سے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اس میں ان کو ہر طرف سے سلام و دعا ہوگی۔

(ب) خلدين فيها ما دامت السموات والارضo: (۹/۱۱)

(ب) وہ لوگ اس عذاب میں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین اور آسمان قائم ہیں۔ (گویا یہ بھی دنیاوی واقع ہے)

☆ دریا چل رہے ہیں۔

(۱۲۴) ولقد کتبنا فی الزبور من م بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون ٥ ان فی هذا لبلغا لقوم عابدینط ومآ ارسلنک الا رحمة للعلمین٥: (۲۱/۷)

(۱۲۴) اور درحقیقت اور بالضرور ہم نے عبرت دلانے کے بعد زبور میں لکھ دیا (یعنی فیصلہ کر دیا) ہے کہ بالتحقیق اس زمین کے وارث میرے صالح بندے (ہی ہوتے ہیں) درحقیقت اس (عظیم الشان اعلان) میں خدا کی ملازمت اختیار کرنے والی قوم کے لئے ایک (بڑا اہم) پیغام ہے اور (اے پیغمبرؑ!) ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر یہ کہ تم (یعنی تمہارا پیغام) تمام کائنات کیلئے باعث رحمت ہے۔

(۱۲۵) (ا) ولو شئنا لاتینا کل نفس هدها: (۳۲/۲)

(۱۲۵) (ا) اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو ضرور ہر متنفس کو اس کی ہدایت دے دیتے۔

(ب) خلقه فقدره٥ ثم السبیل یسره٥لا: (۸۰/۱)

(ب) اس کو پیدا کیا پھر اندازے کے مطابق کیا پھر رستہ آسان کر دیا۔

(ج) اناهدینه السبیل اما شاکرا واما کفورا٥ج: (۷٦/۱)

(ج) ہم نے اس کو (سمیع اور بصیر بنا کر) رستہ دکھلا دیا ہے اب وہ اُس کی قدر کرے یا اس نعمت کا کفران کرے۔

(۱۲٦) (ا) بلغ ج فهل یهلک الا القوم الفسقون٥: (۴٦/۴)

(۱۲٦) (ا) لوگو یہ بڑا پیغام ہے تو کیا سوائے فاسق قوم کے کوئی ہلاک ہوسکتی ہے۔

(ب) هل یهلک الا القوم الظلمون٥: (٦/۵)

(ب) کیا سوائے ظالم قوم کے کوئی قوم ہلاک ہوسکتی ہے۔

(ج) وما کنا مهلکی القری الا واهلها ظلمون٥: (۲۸/٦)

(ج) اور ہم بستیوں کو ہلاک ہی نہیں کرتے مگر یہ کہ اُن کے لوگ ظالم ہوں۔

(د) فمن امن واصلح فلا خوف علیهم ولاهم یحزنون٥: (٦/۵)

(د) جو قوم ایمان لے آئی اور اصلاح پا گئی وہ بے خوف وخطر ہے۔

(ہ) فمن اتقی واصلح فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون٥: (۷/۴)

(ہ) جو قوم ڈر گئی اور اصلاح پا گئی وہ بے خوف وخطر ہے۔

(۱۲۷) (ا) فکذبوه فاهلکنهمط ان فی ذالک لایةط وما کان اکثرهم مومنین٥: (۲٦/۷)

(۱۲۷) (ا) پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے اس قوم کو ہلاک کر دیا اس میں ایک اشارہ ہے اور ان لوگوں میں اکثر تو ایمان والے تھے ہی نہیں۔

(ب) فاخذهم العذابط ان فی ذالک لایةط وما کان اکثرهم مومنین٥:(۲٦/۸)

(ب) پھر ان کو عذاب نے پکڑا۔ اس عذاب میں ایک (بڑا) اشارہ ہے اور یہ لوگ اکثر تو ایمان والے تھے ہی نہیں۔

(ج) وامطرنا علیهم مطراج فسآء مطر المنذرین٥ ان فی ذالک لایةط وما کان اکثرهم مومنین٥: (۲٦/۹)

(ج) پھر ہم نے اُن پر ایک (عذاب کی) بارش برسائی، تو کیا ہی بری بارش اُن پر تھی جن کو ڈرایا گیا تھا۔ اس عذاب میں ایک اشارہ ہے لیکن یہ لوگ اکثر تو ایمانؐ والے تھے ہی نہیں۔

(د) ثم اغرقنا الاخرین٥ ط ان فی ذالک لایةط وما کان اکثرهم مومنین٥: (۲٦/۴)

(د) پھر ہم نے باقیوں کو غرق کر دیا۔ اس حادثے میں ایک (بڑا) اشارہ ہے اور ان لوگوں میں سے اکثر تو ایمان والے تھے ہی نہیں۔

(ہ) ثم اغرقنا بعد الباقین٥ط ان فی ذالک لایةط وما کان اکثرهم مؤمنین٥: (۲٦/٦)

(ہ) پھر اس کے بعد ہم نے باقیوں کو غرق کر دیا۔ اس عذاب میں ایک (بڑا) اشارہ ہے اور ان میں سے اکثر تو صاحب ایمان تھے ہی نہیں۔

۲۔ علم، حکم اور نبوّۃ کے مدارج

بنی نوع انسان پر منشائے خدا اس طرح پر واضح کرنے کے بعد قران حکیم اس امر کے در پے ہے کہ یہ زمین انسان کے **سمع و بصر** اور ذہن کے استعمال سے انتہائی ترقیات کا مصدر بن جائے، انسان کو یہ ترغیب دے کر کہا کہ اس کا اس زمین کے طول وعرض کو صحیفۂ فطرت کی بے پناہ اور بیکراں طاقتوں سے مزّین کر دینا ہی اس کا حُسنِ عمل ہے: (۱۲۸) اس کی توجہ اس طرف منعطف عمداً کی کہ نہ صرف زمین بلکہ آسمان کے ستاروں میں بھی جو کچھ ہے وہ سب کا سب ☆ اُس کے اِس حُسنِ عمل کا انعام ہے: (۱۲۹) اور وہ گویا اس ترکیب سے تمام کائنات کے گوشے گوشے پر حاوی ہونے کی سعی کرے۔ اسی نقطہ نظر سے قران نے اعلان کر دیا کہ اس دنیا میں عمل کی جزائیں اس قدر آنکھوں کو ٹھنڈک دینے والی ہیں کہ انسان ان کو اپنے تصوّر میں بھی نہیں لا سکتا: (۱۳۰)۔ بیگماں طور پر واضح کر دیا کہ سب سے زیادہ گھاٹے میں رہنے والی قومیں **الاخسرین اعمالاً** وہی ہیں جن کا سعی وعمل اس دنیا میں بے نتیجہ رہا اور وہ لذّات دنیوی میں پڑ کر قانونِ خدا سے غافل ہو گئیں: (۱۳۱)، قران نے ہلاکت اقوام کے ہر نئے عنوان میں بار بار صحیفہ فطرت کے ہر مشاہدے کے اندر خدا کی صدہا ''آیات'' کے ملنے کی ترغیب دے کر: (۳۴) تا (۶۹) تا (۷۵) اس امر کا احساس دلایا کہ جو لوگ ان آیاتِ خدا کے منکر ہیں وہ خدا کے منکر اور کافر ہیں: (۱۳۲) (ا) وہ مفسد فی الارض (زمین میں فساد مچانے والے) اور اشدّ فاجر ہیں: (۱۳۲) (ب) وہ ماسوا کے پرستار ہیں، اُن کو لذّات دنیوی نے غافل کر رکھا ہے: (۱۳۱)، وہ **تتجافی جنوبھم عن المضاجع** کی اُس محنت سے جو آیاتِ خدا کے خوف وطمع سے تلاش کرنے میں صرف ہوتی ہے گریز کرتے ہیں: (۱۳۰) اور حیاتِ دنیا میں مستغرق ہیں، ان کو خدا سے ملاقات کرنے کی کوئی دُھن نہیں: (۱۳۱) وہ خدا کی آیات کو مخول سمجھتے ہیں، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو جو اُن کی توجہ ان آیات کی طرف دلاتے ہیں مخول سمجھتے ہیں: (۱۳۱) یہ آیات اور یہ کلماتِ رب اس قدر لامتناہی ہیں کہ اگر سمندروں کے پانی سیاہی بن جائیں تو یہ پانی ختم ہو جائیں گے لیکن خدا کے کلمات کبھی ختم نہ ہوں گے؟ (۱۳۱) گویا یہ صحیفۂ فطرت ایک بیکراں جولانگہ سعی و تلاش ہے جس کے انعامات قطعاً ختم ہونے والے نہیں اور انسان کو چاہئے کہ اس کی تفتیش و تجسّس میں لگا رہے: (۱۳۱) خدا سے ملاقات کرنے کی شرط عملِ صالح ہے: (۱۳۱) اور یہ صلاحِ عمل یا حُسنِ عمل: (۱۲۸) اُنہی لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو اس کارخانہ زمین و آسمان کو باطل نہیں سمجھتے: (۱۳۲) ا، ب

☆ نیز دیکھو (۱۰۸) ب۔ صفحہ ۵۷

جو اٹھتے بیٹھتے بلکہ لیٹے لیٹے بھی اس دُھن میں ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی مخلوق کے اسرار دریافت کریں: (۱۳۲)۔(ج) یہی وہ لوگ ہیں جو گھاٹے میں نہیں رہیں گے: (۱۳۲)۔(ب)، اور الاخسرین اعملا کے مصداق نہ ہوں گے!!

ان امور سے صرف نظر کر کے قران حکیم نے خاص الخاص طور پر انبیا کے اعمال کو جو صحیفۂ فطرت کی تفتیش وتلاش سے متعلق تھے، یادگار لفظوں میں سراہا۔ سورۂ ص ۳۸ میں حضرت داوٗدؑ کو اپنا بندہ (عبد) اور اواب (یعنی خدا کی طرف بڑا رجوع کرنے والا) کہہ کر ذالاید (یعنی ہاتھوں والا) کا عظیم الشّان خطاب دیا: (۱۳۳)۔ کہا کہ اس کے دستِ قدرت میں پہاڑ تھے، پرندے تھے: (۱۳۳)، اس کی سلطنت اسی علم کے زور سے مضبوط ہوگئی تھی: (۱۳۳) اس کو خدا کی طرف سے حکمت ارزانی تھی: (۱۳۳)، اس کو خدا سے تقرّب حاصل ہے: (۱۳۴)(۳)۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحقؑ اور حضرت یعقوبؑ تینوں کو اولی الایدی والابصار (ہاتھوں اور آنکھوں والے) (۱۳۵) بلکہ پسند کئے ہوئے بہترین لوگوں میں سے (من المصطفین الاخیار ٥) (۱۳۵) کہا، حضرات اسمعیلؑ، الیسعؑ اور ذوالکفلؑ کو بھی اسی مؤخر الذکر خطاب سے نوازا: (۱۳۶)(۱۰)، حضرت سلیمانؑ کے متعلق شاندار الفاظ میں فخراً کہا کہ اس نے ہوا کو مسخّر کیا ہوا تھا جو اس کے حکم سے چلا کرتی تھی، بڑے بڑے گرانڈیل صنّاع اُس کے دستِ قدرت میں تھے: (۱۳۷)، اس کو خدا کی قربت حاصل ہے: (۱۳۴)(۳)۔ کہا کہ سلیمانؑ کی تمام علمی ترقیوں کا جو انھوں نے اس زمین پر کیں، ہم پورا علم رکھتے تھے: (۱۳۷)۔ حضرت داوٗدؑ کے متعلق (جنگی) لباسوں کے تیار کرنے کی صنعت کے سلسلے میں فخریہ کہا کہ کیا تم ان صنعتوں کی قدر نہ کرو گے:۔ (۱۳۸) وغیرہ وغیرہ☆۔ الغرض جو کچھ زمین کی ترقی کے اُن ابتدائی زمانوں میں انسان سے ہوسکا تھا اس کو قران حکیم نے ان یادگار الفاظ میں سراہا کہ ہر صاحب نظر اس قدردانی پر دنگ ہے۔ قران انبیا کی صحیفۂ فطرت کی قدردانی کو فضلِ خدا کے نام سے پکار کر: (۱۳۹) حضرت داوٗدؑ کی فضیلت اس میں دیکھتا ہے کہ پہاڑ اور پرندے اس کے ہاتھ میں مسخّر تھے اور لوہے کی صنعت کو اس نے اس قدر فروغ دیا تھا کہ وہ گویا اس کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہوگیا تھا: (۱۳۹)۔۱) قران حکیم نے اس سے بھی آگے بڑھ کر ان تمام اعمال کو اعمال صالحہ کہا! دیکھو (۱۳۹)۔۱) انہی اقسام کی صنعتوں کو حضرت سلیمانؑ سے منسوب کیا اور آل داوٗد کو خطاب کر کے واضح الفاظ میں پکارا کہ صحیفہ فطرت کی صحیح قدردانی یہی ہے کہ انہی خطوط پر عمل کرتے جاوٗ: (۱۳۹)۔۱) ساتھ ہی کہا کہ خدا نے بندوں میں سے بہت کم ہیں جو صحیفہ فطرت کے صحیح قدردان ہیں: (۱۳۹)۔۲) وغیرہ وغیرہ۔

☆ آج بھی بڑے سے بڑے متبحّر سائنس دان اس امر کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ پرانے زمانوں کی حیرت انگیز ایجادیں بہت سی تھیں جن کو ہم نے اب پھر دریافت کیا۔ یا ابھی تک دریافت نہیں کرسکے۔

زمین کی علمی ترقی کے ان ابتدائی مراحل میں بھی قران حکیم نے بار بار مختلف اقوام کی سیاسی اور تمدّنی طاقت کا ذکر کیا۔ ملکۂ سبا کے کارناموں تک کا ذکر قران میں کر کے مختلف عنوانوں سے دنیاوی ترقی کو مرحبا کہا: (۱۴۰)، اقوام فرعون، ابراہیمؑ، نوحؑ، عاد، ثمود، لوطؑ، اور اصحاب الایکہ کے کارناموں اور نافرمانیوں کا ذکر کر کے تنبیہ کی کہ یہ قومیں اس لئے خدا کے غیظ و غضب کا شکار ہوئیں کہ بالآخر ان میں ایمان کی قوتیں مسلوب ہو گئی تھیں: (سورۂ شعرا ۲۶)، اور جب تک کسی قوم کی اکثریّت میں ایمان کے لازمات باقی نہ رہیں وہ قوم دوام اور خلوُد حاصل نہیں کر سکتی۔ نہیں بلکہ صاف اور واشگاف الفاظ میں اسی سورۂ شعرا کے شروع میں اسی صحیفہ فطرت کی طرف غور و خوض کو لازمۂ ایمان قرار دے کر جتلا دیا کہ یہی غور و خوض انسان کے لئے ایک آیت الٰہی ہے اور اکثر لوگ اسی لئے صاحب ایمان نہیں!: (۱۴۱)۔ امارت اقوام کے بارے میں طالوت کا حوالہ دے کر یہ کلیّہ قائم کیا کہ کسی قوم کے امیر کے لئے لازم ہے کہ وہ علمی اور جسمانی قوتوں کے لحاظ سے افضل ہو اور قوم کو قوّت کے اعلیٰ ترین مدارج پر پہنچانے کے قابل ہو:۔ (۱۴۲)۔ نری دولت کا ہونا کوئی اہلیّت نہیں: (۱۴۲)۔

اسی سلسلے میں بنی نوع انسان کے سامنے مستقل نصب العین رکھنے کے لئے قران حکیم نے حُکم (یعنی حکومت) کو علم بلکہ نبوۃ کے ساتھ پیوست کیا۔ حضرت سلیمانؑ کے بارے میں **اتینا حکما و علما**: (۱۳۸)، حضرت لوطؑ کے بارے میں بھی یہی **اتینہ حکما** اور **علماً** کے الفاظ: (۱۴۳)، حضرت یوسفؑ کے بارے میں **اتینہ حکما و علما و کذالک نجزی المحسنین o**: (۱۴۴) کے الفاظ کہہ کر واضح طور پر اعلان کر دیا کہ حکومت کی پیوستگی **علم** فطرت سے ہے اور یہی صاحب القران تعالیٰ کی لغت میں حُسنِ عمل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت الیاسؑ اور دیگر تمام انبیا و مرسلین پر خدا کا سلام بھیج کر پھر وہی **کذالک نجزی المحسنین o** کے الفاظ دہرائے۔ نہیں، انبیا علیہم السّلام اور ان کی ہم عصر امتوں کی ہلاکت کی داستانیں سُنانے کے بعد تنبیہ کی کہ اب ان کے بعد تمہیں حکومت اس لئے دی گئی ہے کہ ہم دیکھیں کہ تم کیا عمل کرتے ہو: (۱۴۵)، صاف الفاظ میں قران حکیم میں سلامتی اُمم کے مشکل اور محنت طلب لائحہ عمل کو واضح کر کے اور اس لائحہ عمل کی تکمیل کے بعد لقائے ربّ (یعنی خدا سے دوبدو ملاقات) کو انسان کا آخری مقصد جتلا کر اشارہ کیا کہ جو قومیں کاہل ہیں اور لقائے ربّ کے ولولے کو قائم نہیں رکھ سکتیں وہ تو اس قران سے بیزار ہو کر فرمائش کرتی ہیں کہ اس قران کو بدل دو اور اس کی جگہ کوئی اور آسان دستور العمل لا کر دو: (۱۴۵) پھر کہا کہ اس قران کا دستور العمل کچھ ایسا

نہیں کہ اس کو انسان اپنے پاس سے گھڑ کر پیش کر دے بلکہ اس کا ایک ایک لفظ اُس شے کی تصدیق کر رہا ہے جو اس کے سامنے اس زمین پر عملاً ہو رہی ہے اور جو دراصل صحیفۂ فطرت کی تصدیق ہے اور یہ تو درحقیقت اس کتاب فطرت کی تفصیل ہی ہے جو جہانوں کے پروردگار اور ربّ العالمین کے ہاں سے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے: (۱۴۶)۔ الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو قران کے طول وعرض میں **علم، حُکم اور نبوۃ** کی پیوستگی قوموں کے لئے ایک فطری پیوستگی ہے جس میں انسان کی آئندہ دائمی ترقی کا راز مضمر ہے۔ یہاں پر جن آیات قرانی کا اشارہ اس عنوان کے تحت میں کیا گیا ہے سلسلہ وار دی جاتی ہیں تا کہ ہر صاحبِ نظر اُن دعاوی کی جو کہے گئے ہیں تصدیق کر سکے:۔

(۱۲۸) انا جعلنا ماعلی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا o وانا لجاعلون ما علیھا صعیدا جرزا o ط: (۱/۱۸)

(۱۲۸) بے شک ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کے لئے زیور بنا دیا ہے تا کہ ہم انسانوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون حُسنِ عمل (کر کے اس زمین کو آراستگی سے مالا مال کر دینے) والا ہے اور ہم بے شک جو کچھ اس زمین پر اونچا ہے نیچے کرنے والے ہیں (یعنی انسان کی تفتیش و تلاش کے باعث اس کی ایک ایک شے تہ و بالا ہو کر رہے گی)۔

(۱۲۹) وللہ مافی السموات وما فی الارض لیجزی الذین اسآء وابما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ o ج: (۵۲/۲)

(۱۲۹) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے خدا کا ہے تا کہ وہ (انہی چیزوں کے ذریعے سے) اُن لوگوں کو جنہوں نے بُرا کیا (اور غافل رہے) ان کے بُرے عمل کی جزا دے اور انہی چیزوں کو انعام بنا کر ان لوگوں کو جنہوں نے عمدہ عمل کئے بطور جزا کے دے۔

(۱۳۰) انما یومن بایتنا الذین اذا ذکروا بھا خروا سجدا وسبحوا بحمد ربھم وھم لا یستکبرون o تتجا فی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً ومما رزقنھم ینفقون o فلا تعلم نفس مآ

(۱۳۰) ہماری آیات (یعنی صحیفۂ فطرت سے اخذ ہوئے ہوئے احکام یا وحی کے احکام) پر صرف وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کے سامنے جب یہ آیات منکشف ہو جاتی ہیں تو لڑکھڑا کر (اور عالم تحیّر میں) سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تعریف میں (اُن کے دلوں سے) حمد کے نعرے اٹھتے ہیں اور وہ (ان آیات کو نا قابل توجہ یا بے نتیجہ سمجھ کر) اکڑتے نہیں۔ وہ (تلاش آیات میں اس قدر محو ہوتے

اخفی لھم من قرۃ اعین ج جزآء بما کانوا یعملون٥: (۲/۳۲)

ہیں کہ) ان کے پہلو بستروں سے ناآشنا ہوتے ہیں)، وہ اپنے پروردگار کو سزا کے خوف سے یا (صحیفہ فطرت سے فائدے حاصل کرنے کی) طمع سے (اس کی فطرت کو تلاش کرتے کرتے ملاقات کی) دعوت دیتے رہتے ہیں اور جو انعامات ان کو صحیفہ فطرت کی تلاش سے حاصل ہوتے رہتے ہیں ان میں سے (بہت کچھ بہبودیٔ خلق پر) صرف کرتے رہتے ہیں۔ تو (لوگو!) کوئی متنفّس نہیں جانتا کہ (خالق زمین و آسمان کی اس عظیم الشان فطرت کی تلاش میں) کیا آنکھوں کو ٹھنڈک دینے والے انعام☆ ان کے واسطے ان کے عمدہ عمل کی پاداش میں چھپائے گئے ہیں۔

(۱۳۱) قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا ٥ط الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاہ اولئک الذین کفروا بایات ربھم ولقآئہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا٥ ذالک جزآئھم جھنم بما کفروا واتخذوا ایتی ورسلی ھزوا٥ ان الذین امنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنت الفردوس نزلا ٥لا خالدین فیھا لا یبغون عنھا حولا٥ قل لو کان البحر مداد لکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مددا٥ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد فمن

(۱۳۱) اے پیغمبر! (ان کو) کہہ دو کہ کیا ہم تمہیں بتلائیں کہ ازروئے عمل سب سے گھاٹا کھانے والے لوگ کون ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش اس دنیا کی زندگی میں ناکامیاب رہی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ عمدہ کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے خدا کی (صحیفۂ فطرت سے یا وحی سے بھیجی ہوئی) آیات (کے نفع مند ہونے) کا عملاً انکار کیا اور (اس طرح پر) خدا سے بالاخر دوبدو ملاقات (کرنے کے واقع) سے بھی انکار کیا (اور اسی وجہ سے ان کی کوشش بھی غفلت یا بددلی کی وجہ سے ناکام ہوئی)۔ تو ان کے (رہے سہے) عمل (بھی) سب ضائع ہوگئے اور اسی وجہ سے روزِ حساب کو ہم ان کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔ (اس دن ہم کہیں گے کہ) یہ لو تمہاری جزا جہنّم ہے اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور ہماری (صحیفۂ فطرت کی) آیات اور بھیجے ہوئے پیغامبروں کو مخول سمجھا تھا۔ بے شک وہ لوگ جو (صحیفۂ فطرت اور وحی پر) ایمان لے آئے اور انہوں نے مناسب عمل کئے تو ان کے لئے بہشت نما باغات (یعنی بادشاہت کی تمام شان وشوکت) بطور مہمانی کے نازل ہوگی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ

☆ یعنی دنیا کی وہ حیرت انگیز علمی ایجادات جنہوں نے دنیا کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیا ہے۔

کان یرجو القآء ربه فلیعمل عملاً صالحا ولا یشرک بعبادة ربه احداo: (۱۸/۱۲)

رہیں گے اوران سے رُوگردانی نہ ہوگی۔اے پیغمبرؐ! کہہ دے کہ اگر میرے پروردگار کے کلمات کو لکھنے کے لئے (یعنی صحیفہ فطرت میں سے جو جو کچھ آگے چل کر اخذ ہوکر باعثِ زینتِ دنیا بننا ہے یا کتاب وحی کے علم کو پاکر انسان نے جس بام ترقی پر چڑھنا ہے اس کے لئے) سمندر سیاہی بن جائیں تو سمندر ختم ہوجائے گا پیشتر اس کے کہ کلماتِ رب ختم ہوجائیں۔گوکہ ایک سمندر اور بھی اسی طرح مدد کو آئے۔اے پیغمبرؐ! بتلا دو کہ میں تو صرف تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں (فرق صرف یہ ہے کہ مجھ پر) وحی یہ کی گئی ہے کہ تمہارا پروردگار صرف ایک ہے) تو جو کوئی ملاقات رب کا خواہاں ہے تو اس کو چاہیے کہ (انتہائی درجہ کے) مناسب اعمال کرے اور اللہ کے قانون کی تابعداری میں کسی دوسرے شخص کو شریک نہ کرے۔

(۱۳۲) (ل) وما خلقنا السمآء والارض وما بینهما باطلاط ذالک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار o ام نجعل الذین امنوا وعملو الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار o کتب انزلنه الیک مبرک لیدبروا ایته و لیتذکر اولوالالبابo: (۳۸/۳)

(۱۳۲) (ل) اور ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے باطل، جھوٹ اور بے حقیقت (یعنی بے معنی اور بے مطلب) نہیں بنایا۔(ان کے بنانے کا ایک مستقل مقصد ہمارے ذہن میں ہے)۔یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں (اور اس تمام کارخانہ قدرت کو لاشے سمجھ کر غافل ہیں یا لذّات دنیوی میں ڈوبے ہوئے ہیں)۔تو (جہنّم کی) آگ کے متعلق (جو ان کو آگے چل کر ملنے والی ہے) ان کافروں پر کیا ہی افسوس ہے۔تو کیا ہم ایمان لانے والے اور مستعد ہوکر برجستہ عمل کرنے والوں کو ان لوگوں کے برابر کردیں جو اس زمین میں (غافل اور بے عمل ہوکر یا بدعمل ہوکر) فساد مچانے والے ہیں اور کیا ہم قانون خدا سے ڈرنے والوں کو لچّوں لفنگوں کے برابر کردیں (جو اس زمین کو بدکاری کی تماشہ گاہ سمجھے ہوئے ہیں (یادرکھو) یہ قران ایک کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر برکت دینے والی بنا کر

اُتارا تا کہ تم اس کی آیات پر انتہائی غور وخوض کرو اور تا کہ عقلمند لوگ اس سے سبق حاصل کر سکیں۔

(ب) والذین امنوا بالباطل و کفروا باللہ اولئک ھم الخسرونo: (۶/۲۹)

(ب) اور وہ لوگ جو ''باطل'' پر ایمان لے آئے اور انہوں نے اللہ سے کُفر کیا تو یہی ہیں جو گھاٹے میں رہیں گے۔ (مقابلہ کرو اِس آیت کے لفظ **خســـــرون** کا آیت: (۱۳۱) کے **الاخسرین**، سے اور اس آیت کے **باطل** کا آیہ: (۱۳۲) (ا) کے **باطل** سے۔

(ج) ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالبابo **الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعودا وعلے جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض** ج **ربنا ما خلقت ھذا باطلا** ج **سبحنک فقنا عذاب النار**o **ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ و ما للظالمین من انصار**o: (۳/۲۰)

(ج) آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں علم و دانش والے لوگوں کے لئے ضرور بالضرور کئی اشارے (آیات) ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو اُٹھتے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے لیٹے خدا کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں (اور بالآخر جب روئے زمین کی کسی مخلوق کی تلاش و تفتیش کے کسی مرحلے پر پہنچ جاتے ہیں تو حیرت سے پکار اُٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار تُو نے ہرگز اس کارخانے کو باطل اور جھوٹ نہیں بنایا۔ (اس کا ضرور کوئی مدّعا ہے)۔ تُو (بے شک) پاک اور اعلیٰ ہستی ہے تو ہم کو آگ کے اس عذاب سے (جو تُو نے غافلوں کے لئے تیار کر رکھی ہے (دیکھو آیہ ۲۶ (ا) صفحہ ۱۹) بچا۔ اے ہمارے پروردگار بے شک جن کو تُو جہنّم میں پھینکے گا وہ تو ضرور ذلیل ہوا اور ظلم کار لوگوں کا تو کوئی مددگار ہی نہیں۔

(۱۳۳) واذکر عبدنا داؤد ذاالاید ج **انہ اواب**o **انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورۃ کل لہ اواب**o **وشددنا ملکہ**

(۱۳۳) اور (اے محمدؐ! اپنے آدمیوں کو) ہمارے بندے داؤدؑ کا جو ''ہاتھوں والا'' (یعنی بڑا صاحب دست و قدرت) تھا، قصّہ سناؤ۔ بے شک وہ بڑا ہی خدا (کی کائنات) کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔ (اُس کی اِس جستجوئے فطرت کا جو اس نے اپنے عہد میں کی یا کروائی یہ نتیجہ ہوا کہ) ہم نے پہاڑوں کو (اس کے فائدے کے لئے) مسخّر کر دیا جو اس کے

واتینه الحکمة وفصل الخطابO: (۲/۳۸)

ساتھ ساتھ (خدا کی) تسبیح میں صبح وشام مصروف رہتے تھے اور پرندوں کو مسخر کر دیا جو سب کے سب (اس کے علم فطرت کے باعث) اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور (اسی علم فطرت کے کمال کے باعث اور اُن ترقیوں کے باعث جو اس نے اپنے عہد میں کیں) ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے اس کو (اسی علم کے باعث اس دنیا میں ترقی کرنے کی) حکمت عطا کی اور (اپنی رعیّت کو) معلومات کے متعلق فیصلہ کن اطلاعات بذریعہ خطاب دینے کی اہلیّت بھی دی۔

(۱۳۴)(۱)۔ ووھبنا لداؤد سُلیمانط **نعم العبد انه اواب**O: (۳۰/۳۸)

(۱۳۴) (۱)۔ اور داوٗدؑ کو ہم نے سلیمان (جیسا باہوش شخص) عطا کیا (جس نے اس کی سلطنت اور مضبوط کر دی)۔ وہ بڑا ہی عمدہ (خدا کے قانون پر چلنے والا) بندہ تھا اور بے شک وہ بار بار خدا کے قانون کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔

۲. ولقد فتنا سلیمن والقینا علی کرسیه جسدا ثم اناب O قال رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھابO: (۳/۳۸)

۲۔ اور بے شک ہم نے سلیمانؑ کی آزمائش کی اور اس کے تختِ حکومت پر (اس آزمائش کے سلسلے میں ایک بے جان جسم (یعنی ایک لاینحل مشکل میں ڈال دیا (جو اس کی حکومت کو خطرے میں ڈالتی تھی)۔ پھر سلیمانؑ نے (اس مشکل کے پیشِ نظر جب وہ اس کو حل کر چکا خدا سے) التجا کی کہ اے میرے پروردگار میری کوتاہیوں پر پردہ ڈال اور مجھے ایسی (مضبوط) سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کے شایانِ شاں نہ ہو (کیونکہ) بے شک تُو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے (جو لوگوں کو مشکلات حل کرنے کی ہوش دے دیتا ہے)۔

۳. فسخرنا له الریح تجری بامره رخآء حیث اصاب Oلا والشیطین کل بنآء وغواص Oلا واخرین مقرنین فی الاصفاد O ھذا عطآؤنا فامنن اوامسک بغیر

۳۔ پھر ہم نے اس کے (یعنی حضرت سلیمانؑ کے) لئے ہوا کو مسخر کیا جو اس کے حکم سے جہاں وہ پہنچاتا تھا نرم نرم چلتی تھی اور دیو صورت مزدور جو سب کے سب بڑے کاریگر معمار اور ڈبکیاں لگانے والے تھے اور دوسرے اَور جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔ یہ ہماری

حسابo و ان له عندنا لزلفی وحسن مابo: (۳۸/۳)

بخشش (سلیمان پر) تھی۔تو اب (صحیفۂ فطرت کی تلاش کا) یہ (علم جو تمہارے پاس ہے)، ہماری بخشش (تم پر) ہے اس علم کو دوسروں پر احسان کر یا اپنے پاس جس قدر چاہے رکھ۔اور بے شک سلیمانؑ کو ہمارے ہاں بڑا تقرّب حاصل ہے اور اس کی بازگشت عمدہ ہے۔(معلوم ہوتا ہے کہ یہ آزمائش وہی آیہ زینة (۱۲۸) والا ابتلا تھا۔

۴. **وظن داؤد انما فتنة فاستغفر ربه و خر راکعاً واناب o فغفرنا له ذالک ط وان له عندنا لزلفی وحسن مابo یا داؤد انا جعلنک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل الله ط ان الذین یضلون عن سبیل الله لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب o وما خلقنا السمآء والارض وما بین ھما باطلاط ذالک ظن الذین کفروا ج فویل للذین کفروا من النارoط:** (۳۸/۲،۳)

۴۔اور داؤدؑ نے گمان کیا کہ ہم نے اس کو آزمائش میں ڈالا تو اس نے اپنے ربّ سے اپنی واماندگیوں پر پردہ پوشی کی دعا کی اور لڑکھڑا کر جھک گیا (معلوم ہوتا ہے کہ یہ آزمائش بھی وہی آیۂ زینۃ (۱۲۸) والی اس زمین کو آراستہ کرنے والی آزمائش تھی) اور (اپنی آنے والی ممکن انسانی غلطیوں کے باعث) خدا کی طرف رجوع ہوا۔پھر ہم نے بھی (اس کو ہر ممکن غلطی سے بچا کر) اس کی پردہ پوشی کی اور بے شک داؤدؑ کو ہمارے ہاں بڑا تقربّ کا درجہ حاصل ہے اور اس کا ہماری طرف لوٹ کر آنا بھی عمدہ طریقے سے ہوگا۔(بالآخر ہم نے داؤدؑ کو یہ بھی جتلا دیا کہ) اے داؤد ہم نے بے شک تم کو اس زمین پر بطور اپنے قائم مقام کے بنایا ہے تو (خدا کی قائم مقامی کا تقاضا یہ ہے کہ) تُو اپنی رعیّت کے مابین حق وعدل سے حکومت کرے اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی نہ کرنا کہ کہیں یہ پیروی تمہیں خدا کے رستے سے نہ بھٹکا دے کیونکہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کو اس لئے شدید عذاب ہے کہ وہ یوم حساب کو بُھول جاتے ہیں۔اور (یاد رکھو کہ) ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے جھوٹ اور بے حقیقت پیدا نہیں کیا (کہ تم میرے بنائے ہوئے صحیفہ فطرت کی تلاش کر کے اپنی راہ نجات اس زمین پر نہ ڈھونڈو اور دنیاوی ترقی کے فلک الافلاک تک نہ پہنچو)۔یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں۔

تو کافروں کا جہنم کے بارے میں (جو ان کو غفلت کی پاداش میں ملے گا) کیا ہی افسوسناک (انجام) ہے۔

(۱۳۵) واذکر عبادنآ ابراھیم واسحق ویعقوب اولی الا یدی والابصار o انا اخلصناھم بخالصة ذکری الدارoج و ان ھم عندنا لمن المصطفین الاخیارoط: (۳۸/۴)

(۱۳۵) اور (اے محمدؐ اپنی اُمّت سے) ہمارے بندوں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کا ذکر کرو جو بڑے ''ہاتھوں والے'' اور بڑے ''آنکھوں والے'' تھے (اور انہوں نے اپنے عہد میں وہ طاقت ور کام اور صحیفہ فطرت کی تلاش کے متعلق وہ کامل بصیرت دکھلائی کہ ایک دنیا ان کے علم کے باعث صحیح راہ پر لگ گئی)۔ ہم نے فی الحقیقت ان کو اسی (دنیا کے) گھر (یعنی صحیفہ فطرت) سے نصیحت اور درس (لے کر اس کو مخلوقِ خدا کی ترقی اور دنیاوی جلال حاصل کرنے) کے لئے خاص طور پر منتخب کر لیا تھا اور درحقیقت وہ ہمارے ہاں عمدہ عمل کرنے والے بندوں میں سے دو چُنے ہوئے شخص تھے۔

(۱۳۶) واذکر اسماعیل والیسع وذالکفل ط وکل من الاخیارoط ھذا ذکرط وان للمتقین لحسن مابoلا: (۳۸/۴)

(۱۳۶) ا۔ اور (اے پیغمبرؐ! اپنی اُمّت سے) اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور ذوالکفل کا قصہ بیان کرو کہ یہ سب لوگ عمدہ عمل کرنے والے تھے۔ یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے اور (خدا کے قانون سے) ڈرنے والوں کے لئے ضرور عمدہ بازگشت ہے۔

۲. واسماعیل وادریس وذالکفل کل من الصابرین وادخلنھم فی رحمتنا ان ھم من الصالحینo: (۲۱/۶)

۲۔ اور اسماعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ سب کے سب (نہایت استقلال والے بندوں میں سے تھے (کیونکہ صحیفۂ فطرت سے آیات الٰہی تلاش کرنے کی دُھن میں تمام عمر لگے رہے) اور ہم نے ان کو (اس کا بے تحاشا انعام دے دے کر) اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا اور بے شک وہ صالح العمل بندوں میں سے تھے۔

(۱۳۷) ولسلیمن الریح عاصفة تجری بامرہ الی الارض التی برکنا فیھاط وکنا بکل شیی علمینo ومن الشیطین من یغوصون

(۱۳۷) اور سلیمانؑ کو (ممتاز کرنے والی شے) تُند ہوا تھی جو اس کے حکم سے اس سرزمین میں چلتی تھی جس کو ہم نے (صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی ترقیوں کے باعث مال و دولت کی) برکت دے

له ويعملون عملا دون ذالک و كنا لهم حفظينoلا: (۲۱/۶)

دی تھی اور ہم (اس بارے میں پوری حقیقت) کا علم رکھتے تھے (کہ سلیمانؑ کو کیونکر یہ طاقت حاصل ہوئی)۔ اور پھر ان دیوصورت مزدوروں کے متعلق جو اس کے لئے ڈبکیاں لگاتے (اور صحیفہ فطرت سے قوّت اور ترقی کا مواد حاصل کرتے تھے) اور اس کے سوا دوسرا عمل کرتے تھے (یہ بھی سلیمان کے نمایاں کارناموں میں داخل ہیں) اور ہم خود ان لوگوں کی نگہبانی کرتے تھے (تا کہ سلیمان کی سلطنت مضبوط ترین ہو جائے)

(۱۳۸) وداؤد وسليمان اذ يحكمن فی الحرث اذ نفشت فيه غنم القومط **و كنا لحكمهم شهدين**o **ففهمنها سليمن و كلا اتينا حكماً وعلما**ز **و سخرنا مع داؤد الجبال يسبحن و الطير و كنا فعلين**o **وعلمنه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من باسكم**ج **فهل انتم شاكرون**o: (۲۱/۶)

(۱۳۸) اور داؤدؑ اور سلیمانؑ (کا قصہ یاد دلاؤ) جب کہ وہ کسی کھیتی کے بارے میں جب کہ اس کو کسی گروہ کی بکریاں چر گئیں، فیصلہ کر رہے تھے اور ہم خود اس امر کے گواہ تھے (کہ جو فیصلہ انہوں نے کیا وہ عدل وانصاف پر مبنی تھا)۔ (کسی سلطنت کے اندر یہی عدل وانصاف اس کی استحکام کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہی وہ شے ہے جس کے ہم انسان سے متوقع ہیں)۔ تو اس (سیاست) کے متعلق ہم نے سلیمان کو (کافی طور پر) سمجھا دیا تھا اور ان سب کو ہم نے حکومت اور (حکومت کو مضبوط کرنے کا) علم عطا کر دیا تھا اور داؤد کے ساتھ ہو کر ہم نے پہاڑوں کو مسخّر کیا تھا جو خدا کی حمد کا ترانہ گاتے تھے اور پرندوں کو مسخّر کیا (گویا یہ سب ترقیاں قانونِ فطرت کی متابعت کے ماتحت ہوئیں اور ان میں کچھ خرق عادت کے طور پر نہ تھا) اور ہم (ایسے باصبر اور با استقلال بندوں کے لئے یہ بات (ضرور) کرنے والے تھے۔ اور ہم نے سلیمان کو (جنگی) لباس کا بنانا سکھلایا تا کہ تم کو لڑائی کے ضرر سے بچائے تو کیا تم اس علم کی قدر نہیں کرتے۔

(۱۳۹) ولقد اتينا داؤد منا فضلاًط **يجبال اوبی**

(۱۳۹) اور ہم نے بے شک داؤدؑ کو (یعنی اس کی قوم اور اس کی

معه والطير ج والناله الحديد o ان اعمل سبغت وقدر فی السرد واعملوا صالحاً ط انی بما تعملون بصیر o ولسلیمن الریح غدوها شهر ور واحها شهر ج واسلنا له عین القطر ط ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه ط ومن یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر o یعملون له ما یشآء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب و قدور رسیت ط اعملوا ال داؤد شکرا ط وقلیل من عبادی الشکور o : (۳۴/۲)

حکومت کو) اپنے ہاں سے فضیلت اور برتری عطا کی۔ (صحیفۂ فطرت کے مطالعے سے اس کی قوم کو وہ علم حاصل ہوا کہ ہم نے بالآخر پہاڑوں اور پرندوں کو کہہ دیا کہ) اے پہاڑو اور پرندو! تم اس کے ساتھ ساتھ ہی (خدا کی طرف) رجوع کرو اور ہم نے (اس کو لوہے کی باریک تاریں بنانے کا وہ علم عطا کیا کہ) لوہا اس کے واسطے نرم کر دیا، پھر داؤد کو کہا کہ کشادہ (زرہیں) بنائے اور ان کی کڑیوں کے جوڑنے میں پوری کاریگری کرے، (کیونکہ دنیا کے اس کارگاہ سعی وعمل میں یہی مناسب ہے کہ ایسے صالح عمل کرتے جاؤ۔ میں بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو نہایت باریک بینی سے دیکھ رہا ہوں۔ اور سلیمان کے ذمّے (ہواؤں کے علم کی تحقیق وتلاش تھی جس کی رو سے) ہوا صبح کے وقت ایک ماہ اور شام کے وقت ایک ماہ چلتی تھی اور (اس کے عہد کی صنعتیں لوہے کی بجائے تانبے کی اس قدر باریک اور اعلیٰ پایہ کی تھیں کہ) ہم نے اس کے لئے تانبے کے چشمے بہا دیئے اور پھر اس کے قوی ہیکل اور دیوصورت مزدور جو خدا کے حکم سے اس کی نگرانی میں کام کرتے تھے اور جو ان میں سے اپنے عمل میں ہمارے احکام کے بجالانے میں کوتاہی کرتے تھے تو ان کو ہم بھڑکتی آگ کا عذاب (یعنی بدنی سزائیں) دیتے تھے۔ وہ مزدور سلیمان کے لئے محرابیں اور مورتیں اور حوضوں جتنے بڑے لگن اور جمی رہنے والی دیگیں تیار کرتے تھے۔ (اور ہم سلیمان کی ان مادی ترقیات کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور کہتے کہ) اے آلِ داؤد خدا کی نعمتوں کی قدر کرتے کرتے عمل کرتے جاؤ کیونکہ میرے بندوں میں سے بہت ہی کم ہیں جو میرے (صحیفۂ فطرت کے) قدر دان ہیں۔

(۱۴۰) لقد کان لسبا فی مسکنهم ایة جنتن

(۱۴۰) بے شک قوم سبا کے لئے ان کے (عظیم الشان) شہر

عن يمين وشمال٥ط كلوا من رزق ربكم واشكروا له ط بلدة طيبة ورب غفور٥: (۲/۳۴)

میں (جوانہوں نے علم فطرت کے زور پر آباد اور پُر رونق کیا تھا، خدا کی طرف سے ایک عظیم الشان) اشارہ (اس امر کا) تھا (کہ دیکھو صحیفہ فطرت کے علم سے کیا کیا ترقیاں دنیا میں ہوسکتی ہیں)۔ وہ دو (عظیم الشان) باغ تھے دائیں اور بائیں (جن میں یہ ترقیاں کی تھیں) تو یہ دیکھ کر ہم نے شاباش دی اور کہا کہ) اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق (خوب) کھاؤ اور اس کی (فطرت کی) قدردانی کرتے جاؤ (کیونکہ تمہارے عمل کا نتیجہ) ایک نہایت (عظیم الشان اور) پاکیزہ شہر ہے اور (تمہارا) پروردگار (بھی تمہیں ایسا ملا ہے جو) تمہاری واماندگیوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔

(۱۴۱) اولم يروا الى الارض كم انبتنا فيها من كل زوج كريم ٥ ان فی ذالک لايةط وما كان اكثرهم مومنين٥ وان ربک لهو العزيز الرحيم٥ج ☆☆(۲۶/۱)

(۱۴۱) کیا ان لوگوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہی معزز جوڑے اُگائے۔ بے شک (فطرت کے) اس منظر میں ایک عظیم الشان اشارہ ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کبریٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور (یہ سمجھ لو کہ) تمہارا پروردگار نہایت ہی صاحب عزّت اور نہایت ہی صاحب رحم ہے۔☆

(۱۴۲) وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا ط قالوا انی يكون له الملک علينا ونحن احق بالملک منه ولم يوت سعة من المال ط قال ان الله اصطفه عليكم وزاده بسطة فی العلم والجسم والله يؤتی ملكه من يشآءط والله واسع عليم٥: (۲/۲۴۷)

(۱۴۲) اور ان لوگوں کو ان کے نبی نے کہا کہ بے شک اللہ نے تمہارے واسطے طالوت کو بطور بادشاہ کھڑا کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ کس طرح اس کو ہم پر حکومت مل سکتی ہے حالانکہ ہم (میں سے کئی اُس سے بہتر ہستیاں) حاکم بننے کی زیادہ حقدار ہیں کیونکہ اس کو مال و دولت کی فراخی نہیں دی گئی۔ نبی نے کہا کہ خدا نے طالوت کو تم پر منتخب کیا ہے اور (ساتھ ہی) اس کو علم فطرت اور تندرستی بدن میں فراخی عطا کی ہے اور اللہ حکومت اس کو دیتا ہے جس کو مناسب سمجھتا ہے اور اللہ بڑا وسیع نظر اور صاحب علم ہے۔

(۱۴۳) ولوطا اتيناه حكما وعلما ونجيناه

(۱۴۳) اور لوطؑ کو ہم نے حکومت اور علم عطا کیا اور ہم نے

☆ یعنی صحیفہ فطرت کی دریافت سے قوموں کو عزت دے سکتا ہے اور ان پر رحمتیں (یعنی ایجادات کے انعام) نازل کرسکتا ہے۔ فتدبر۔
☆☆ اِن آیات کے الفاظ اور ان کی منطق انتہائی طور پر غور طلب ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ دین اسلام کا ''ایمان'' کیا ہے!

من قرية التی كانت تعمل الخبئث ط انهم كانوا قوم سوء فسقين ۵لا وادخلنه فی رحمتنا ط انه من الصالحين o: (۵/۲۱)

اس کو اس بستی سے نجات دی جو نہایت خبیث باتیں کیا کرتی تھی۔ بے شک یہ لوگ (نہایت ہی) بُرے اور (پرلے درجے کے) بدکار تھے اور ہم نے اس کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا اور بے شک وہ ہمارے صالح بندوں میں سے تھا۔

(۱۴۴) ا ولما بلغ اشده اتينه حكما وعلما ط وكذالك نجزی المحسنين o ط: (۲/۱۲)

(۱۴۴) ااور یوسفؑ جب اپنے سَن بلوغ کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکومت اور علم عطا کیا اور حسنِ عمل کرنے والوں کو ہم ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔

(۲) سلم علی ابراهيم o كذالك نجزی المحسنين o: (۳/۳۷)

(۲)۔ابراہیمؑ پر ہمارا سلام ہو۔ ہم حُسنِ عمل کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔

(۳) سلم علی موسیٰ و هارون o انا كذالك نجزی المحسنين o: (۴/۳۷)

(۳) موسیٰؑ اور ہارونؑ پر ہمارا سلام ہو۔ بے شک ہم حسنِ عمل کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔

(۴) سلم علی الياسين o انا كذالك نجزی المحسنين o: (۴/۳۷)

(۴) الیاسؑ پر ہمارا سلام ہو۔ بے شک ہم حُسنِ عمل کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔

(۵) سلم علی نوح فی العلمين o انا كذالك نجزی المحسنين o: (۲/۳۷)

(۵) تمام دنیاؤں میں نوحؑ پر ہمارا سلام ہو۔ بے شک حُسنِ عمل کرنے والوں کو ہم ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔

(۱۴۵) ولقد اهلكنا القرون من قبلكم لما ظلموا وجاء ت هم رسلهم بالبينت و ما كانوا ليؤمنوا ط كذالك نجزی القوم المجرمين o ثم جعلنكم خلئف فی الارض من بعدهم لننظر كيف تعملون o واذا تتلیٰ عليهم ايتنا بينت لا قال الذين لا يرجون لقآء ائت بقرآن غير هذا او

(۱۴۵) اور بے شک ہم نے تم سے پہلے بستیوں کو ہلاک کر دیا جب وہ (قانونِ خدا کی حدود سے تجاوز کر کے) ظالم بن گئیں درآنحالیکہ ان کے پاس ان کے رسول روشن احکام لے کر آ چکے تھے لیکن وہ قریب ہی نہ تھے کہ ایمان لائیں۔ تو ہم مجرم قوم کو اس طرح کی جزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلیفے بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔ اور جب ان لوگوں پر ہماری روشن آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کرنے کی امید نہیں رکھتے وہ تو (اس ملاقات رب کے جھگڑے کو ایک عظیم الشان مصیبت

بدلہط قل ما یکون لی ان ابدله من تلقای نفسی ج ان اتبع الا ما یوحی الی انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیمo: (۱۰/۲)

سمجھ کر اور خدا کے احکام اور صحیفہ فطرت میں آیات رب کے ٹوٹ لنے کے احکام کی لازوال تکلیف کو دیکھ کر) پکار اٹھتے ہیں کہ اس (مصیبت میں ڈالنے والے) قران کے سوا کوئی اور (آسان سا) قران لے آؤ۔ (اے محمدؐ!) انہیں کہہ دو کہ یہ میرے شایاں شاں ہی نہیں کہ میں اس قران کو اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا گیا ہے۔ میں تو اگر میں نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی، اُس بھاری دن کے عذاب سے ڈر رہا ہوں۔

(۱۴۶) ما کان هذالقرآن ان یفتری من دون الله ولکن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل الکتب لا ریب فیه من رب العلمینoقف: (۱۰/۴)

(۱۴۶) اور یہ تو ہو ہی نہ سکتا تھا کہ اس قران کو خدا سے علیحدہ ہو کر گھڑ لیا جاتا۔ یہ تو (دیکھ لو کہ حرب بحرف) اس شے (یعنی صحیفۂ فطرت) کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے سامنے ہے اور اس الکتٰب (یعنی صحیفہ فطرت) کی تفصیل وتشریح ہے جو پروردگار عالمیان کی طرف سے ہے اور جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

آیات: (۱۲۸) تا (۱۴۶) میں حسب ذیل الفاظ انتہائی طور پر قابل غور ہیں اور چونکہ صدیوں اور پشتوں کی غلط بینی قران نے ان الفاظ پر اصطلاحی پردے ڈال دیئے ہیں، آج ان الفاظ کے الٰہی معنوں کا اعتراف سرسری نگاہوں میں مشکل ہو گیا ہے۔ (۱۲۸) میں صاف ہے کہ زمین کی آرائش کرنا ہی ''**احسن عملا**'' ہے اور اس حُسنِ عمل کا امتحان خدا قوموں سے لے رہا ہے۔ آج مولوی صرف نماز روزہ وغیرہ کو حُسنِ عمل سمجھے بیٹھے ہیں۔ (۱۲۹) میں صاف آسمان اور زمین کی ہر مادی شے کو بطور جزا وسزا کہا گیا ہے اور یہاں ''**احسن عملا**'' کی جگہ **احسنو** کا لفظ ہے۔ (۱۳۰) میں نماز والا سجدہ یا یہودیوں والی تسبیح کرنا مراد نہیں جیسا کہ سطح بین مولوی سمجھتے ہیں، نہ تہجد کی نمازیں ادا کرنا مقصد ہے جو بستروں سے اٹھ کر کی جاتی ہیں۔ نہ **آیاتنا** سے مراد قران حکیم کی آیتوں کی تلاوت ہے، نہ **ذکروابها** سے مراد یہ ہے کہ کوئی ان کو قران کی آیتیں یاد دلائے تو سجدے میں گر گر کر روئیں بلکہ **ایاتنا** سے مراد وہ آیات ہیں جو صحیفہ فطرت سے ملتی ہیں (دیکھو ۳۴ تا ۶۹) اور سجدہ اور تسبیح سے مراد اُن کی حقانیت کو تسلیم کر کے اُن کی تلاش اس اضطراب سے کرنا ہے کہ نیندیں حرام ہو جائیں: (**تتجا فی جنوبهم عن المضاجع**) اور جو تلاش کی جائے اس خوف سے کی جائے کہ اگر نہ کی گئی تو عذاب خدا قوم پر

"غافل" ہونے کی وجہ سے نازل ہوگا (دیکھو (۲۶) (ا) ☆ یا اس طمع سے کی جائے کہ اس کی ایجاد سے انعامات خدا ملیں گے۔ اسی تقریب سے خدا نے کہا کہ اگر ان آیات خدا کی پیروی کرتے رہو گے تو نہ جانے کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈکیں (قرۃ اعین) یعنی انعامات تم کو خدا کے ہاں سے ملیں گی۔ اور یہ جزا تمہاری محنت اور عمل کی ہوگی (جزآء بما کانوا یعملون٥)۔

(۱۳۱) میں اسی طرح (الذین ضل سعیھم ی الحیوۃ الدنیا) سے صاف مقصد وہ قومیں ہیں جن کا سعی و عمل اس دنیا میں بے نتیجہ رہا۔ انہی کے متعلق کہا کہ وہ آیات ربّ کی منکر رہیں گویا صحیفہ فطرت کو باطل و بیکار سمجھتی رہیں (دیکھو ۱۳۲) اور اسی لئے کافر ہیں، اسی غافل ہونے کی وجہ سے ان کو جہنّم ہے (دیکھو: (۲۶) (ا) ☆ امنوا و عملوا الصلحت کی اصطلاح کی تشریح جو اس آیت (۱۳۱) میں ہے آگے چل کر (۱۳۲)۔ا) میں آرہی ہے جہاں صاف طور پر زمین و آسمان کو باطل سمجھنے والوں کو کافر اور جہنّمی بلکہ مفسد فی الارض (یعنی زمین میں فساد مچانے والے) اور فاجر اور صحیفۂ فطرت کو برحق سمجھنے والوں کو امنوا و عملوا الصلحت کا مصداق بلکہ متّقی کہا گیا ہے۔ اس خدائی تشریح کو سامنے رکھ کر آیت (۱۳۱) میں امنوا و عملوا الصلحت کا مطلب عیاں ہے اور جنت کے معانی چونکہ زمینی انعام اور بادشاہت زمین ہے اور اُخروی انعاموں کے لئے الجنۃ کا لفظ مخصوص ہے اس لئے واضح ہے کہ جن قوموں نے صحیفۂ فطرت کو برحق سمجھ کر اپنی سعی کو اس دنیا میں کامیاب کیا، وہی جنت کی اہل ہیں، ان کی حکومت بہت دیر تک برقرار رہے گی اور یہی خلد کے معانی ہیں۔ یہی بات نزلا کے لفظ سے ثابت ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ یہ انعام خدا کی طرف سے ان پر نازل ہوا۔ اس تمام تشریح کی تائید کلمت ربی کے لامتناہی ہونے سے ہوتی ہے اور مقصد یہ ہے کہ صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش سے جو خدائی ہدایتیں حاصل ہوتی ہیں ان کی تعداد اتنی ہے کہ سمندروں کی سیاہیاں سوکھ جائیں گی لیکن وہ ختم نہ ہوں گی۔ آگے چل کر خدا کو ایک کہا ہے گویا اگر خدا کے بندے بنتے ہو تو اسی خدا کی دی ہوئی ہدایتیں حاصل کرو اور اگر خدا سے آگے چل کر ملاقات کی امید ہے تو عمل صالح کرو۔ جس کی تشریح (۱۳۹)۔ا) وغیرہ میں آرہی ہے۔

(۱۳۲)۔ا) کی تشریح اوپر کردی ہے۔ (۱۳۲) ب کے الخسرین اور (۱۳۱) کے الاخسرین میں تعلق صاف ظاہر ہے۔ (۱۳۲) ج) سے بیگماں طور پر فیصلہ ہو جاتا ہے کہ صحیفہ فطرت میں غور و فکر کرنے والے ہی خدا کی نگاہوں میں صاحب دانش (اولوا الباب) ہیں، فیصلہ ہو جاتا ہے کہ قیاماً و قعوداً سے مراد ہرگز نماز کا قیام و قعود نہیں اور یہ اصطلاحیں بعد میں وضع ہوئیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ صحیفہ فطرت کے اسرار کو دریافت

☆ صفحہ ۱۹۔

کرنے کی دُھن اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے ہو۔نماز کبھی لیٹے ہوئے نہیں ہوتی۔اسی آیت (۱۳۲)۔ج) میں پھر جہنم کی سزا اُن کے لئے ہے جو صحیفہ فطرت پر غور نہیں کرتے۔

(۱۳۳) میں حضرت داؤد کو ذالاید کہہ کر صنعت وحرفت اور پہاڑوں اور پرندوں پر قابو پانے کے علم کو سلطنت کی مضبوطی کا باعث کہا، حضرت کے ان افعال کو عبادت اور اوابت الی اللہ کہا۔(۱۳۴)۔ا) میں یہی بات حضرت سلیمانؑ کے متعلق کہی۔یہاں پھر سلیمانؑ کی دلی خواہش کو ظاہر کیا کہ وہ بے مثال سلطنت کا مالک بنے: ((۱۳۴)۔۲)۔((۱۳۴)۔۳) میں صاف بتلا دیا کہ حضرت کی ملکی ترقیاں تقربِ خدا کا باعث تھیں اور آخرت میں ان کا انجام نیک ہے: (حسن مآب) ۔(۱۳۷) اور (۱۳۸) میں اور بھی صاف طور پر تمام علمی ترقیوں کے متعلق **کنا بکل شی علمین** اور **کنا لحکمھم شاھدین** کے الفاظ کہہ کر (یعنی ہم ان کی تمام ایجادوں کا علم رکھتے تھے اور ہم اس کی حکومت کے گواہ تھے) صاف جتلا دیا کہ خدا کا مقصد یہی ہے کہ انسان انتہائی مادی ترقی کرے۔(۱۳۹) میں ان تمام باتوں کو اعمال صالحہ (**اعملوا صالحا**) دندنا کر کہا۔ یہی بات (۱۴۰) سے اَور بھی ظاہر ہے۔(۱۴۱) میں صحیفہ فطرت میں غور وخوض کو پھر نہایت حیرت انگیز الفاظ میں ایمان کہا اور شکایت کی کہ اکثر لوگ مومن نہیں ہوتے۔

(۱۴۲) میں پھر ملک اور سلطنت کا بار بار ذکر کر کے اس کی اہمیّت واضح کی اَور امیرِ قوم میں علم اور جسم کی خوبیوں کو لازم قرار دیا۔ بلکہ صاف اشارہ کر دیا کہ نری دولت کا ہونا قوم کے امیر کیلئے کوئی قابلیّت نہیں۔

(۱۴۳) میں حکومت اور علم کو تَواَمُ قرار دے کر دنیاوی ترقیوں کو رحمتِ خدائے عظیم اور صالحیّت قرار دیا، جو اُن سے غافل تھے ان کو خبیث اور فاسق کہا۔

(۱۴۴) میں پھر محسنین سے دنیاوی حسنِ عمل مقصد تھا۔وغیرہ وغیرہ۔

(۱۴۶) میں صاف جتلا دیا کہ قرانِ حکیم کا تمام لائحہ عمل ان تمام واقعات کی تصدیق ہے جو اس زمین پر روز مرّہ ہو رہے ہیں۔**الذی بین یدیہ** سے مراد تورات اور انجیل وغیرہ کے پہلے صحیفے لے لینا مولویانہ جہالت کی وجہ سے ہے۔**بین یدیہ** کے معنے ''سامنے'' کے ہیں، ''پہلے'' کے ہرگز نہیں ہو سکتے۔

الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو ان تمام آیتوں (۱۲۸) تا (۱۴۶) میں حیرت انگیز وحدت مطالب ہے اور ان کی تمام اصطلاحات حیرت انگیز طور پر دین اسلام کے مقصد کو دنیاوی ترقی ظاہر کرتی ہیں۔

انبیا کے متعلق ان تمام آیات قرانی کی تصریح کے بعد جو امر لائق بیان رہ جاتا ہے یہ ہے کہ

انسانی مادی ترقی کے اُن انتہائی طور پر ابتدائی مراحل میں جب کہ انسان کو صرف چند اشیائے فطرت کا علم حاصل ہوا تھا، انبیاء کو اولوا الایدی و الابصار (یعنی ہاتھوں اور آنکھوں والے) کہہ کر اُن کے سعی و عمل کو سراہنا: (۱۳۵)، اُن کے متعلق اخلصنهم بخالصة ذکری الدار (یعنی وہ صحیفہ کائنات سے نصیحت لیتے تھے) کے الفاظ استعمال کر کے: (۱۳۵)، اشارہ کرنا کہ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے صحیح معنوں میں اس دنیا سے عبرت اور نصیحت پکڑ لی تھی، ان کو لمن المصطفین الاخیار ٥ کے الفاظ سے یاد کر کے یہ کہنا کہ یہی چُنے ہوئے بہترین لوگ تھے، ان کو متقی کہہ کر: (۱۳۶)، اشارہ کرنا یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اس آسمان و زمین کو باطل نہ سمجھا تھا: ((۱۳۲)۔ل)، اور صحیح معنوں میں خدا سے ڈرنے والے تھے (دیکھو آیہ (۱۳۶) میں اور ((۱۳۲)۔ل) میں دونوں جگہ متقین کے الفاظ ہیں)، یہ سب حیرت انگیز زور بیان اور اصطلاحیں جو تیرہ سوستر برس کی مدّت کے بعد اب بے معنی و مقصد ہوگئی ہیں اور ان کا مفہوم قطعاً بدل کر مولویانہ اور صوفیانہ رہ گیا ہے، اس لئے استعمال کی گئی تھیں کہ انبیاء کے متعلق قطعی طور پر واضح ہو جائے کہ ان کی حکومت علم فطرت پر مبنی تھی، ان کا ملک (یعنی سلطنت) اسی علم کے زور پر مضبوط ہوا تھا (شددنا ملکه: (۱۳۳)، اسی لئے خدا نے کنا بکل شیی عالمین ٥: (۱۳۷) کے الفاظ کہے، یعنی ہم ان کے تمام کارناموں کا علم ذاتی طور پر رکھتے تھے، اسی لئے کنالحکمهم شاهدین ٥: (۱۳۸) کہا یعنی ہم خود ان کی حکومت کے درست ہونے کے گواہ تھے، اسی لئے ان کے متعلق اتینه حکماً و علما کہا یعنی ہم نے اُن کو حکومت دی جس کی بنا علم پر تھی، اسی تقریب سے اس الکتٰب کو جو اُن کو دی گئی تھی اور جن سے وہ اپنی ہدایات اخذ کرتے تھے، بار بار قران میں علم کہا گیا، (دیکھو (۹۴)۔ا، ب، ج، ہ، نیز (۱۳۷)۔۳،۵)۔ اسی تقریب سے کہ ان انبیا کی قوموں کے پاس الکتٰب یعنی قانونِ خدا کا ضابطہ اور نبوة یعنی خدا کے قانون کے متعلق صحیح خبر اور مکمّل معلومات تھیں، خدائے عزّ وجل نے اُن کی سلطنت کے متعلق کہا کہ اس میں دنیا کی بہترین نعمتیں ان کو ارزانی تھیں اور ان کی قوم کو دنیا کی تمام اقوام پر برتری دے دی گئی تھی:۔

(۱۴۷) ولقد اتینا بنی اسرائیل الکتب والحکم والنبوة ورزقنهم من الطیبت وفضلناهم علی العلمین٥ج: (۴۵/۲)

(۱۴۷) اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو الکتٰب (یعنی صحیفہ فطرت کا ملخص) دیا، حکومت دی اور (صحیفہ فطرت کو سمجھنے کا علم) یعنی نبوة عطا کی اور (انہی عطیّہ جات کے صحیح

استعمال کی وجہ سے) ہم نے ان کو دنیا کی بہترین پاکیزہ اشیاء ارزانی کردیں اور تمام دنیا جہاں کی قوموں پر سرفراز کر دیا۔

اسی تناسب سے کہ خدا ہر **حُکم** یعنی سلطنت کو **علم** فطرت سے، بلکہ ہر حکومت کو اس علم فطرت کی انتہا یعنی **نبوۃ** سے پیوست کرنا چاہتا ہے، قران حکیم نے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اُمّتوں کی بداعمالی کے متعلق کہا کہ اگرچہ نبوۃ ان کے خاندان میں پے در پے بھی رہی مگر ان میں سے بہت تھوڑوں نے ہدایت حاصل کی اور اکثر ان میں سے فاسق ہی رہے۔ (یہ لوگ غالباً مسلمانوں کی موجودہ اُمّت کی طرح تھے جو **الکتٰب** کے **عِلم** کو بھول گئے تھے اور اس کی مولویانہ تفسیریں کر لی تھیں!)

(۱۴۸) ولقد ارسلنا نوحاً و ابراهیم وجعلنا فی ذریتهما النبوة والکتب فمنهم مهتدج وکثیر منهم فسقونo: (۴/۵۷)

(۱۴۸) اور بے شک ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو ایلچی بنا کر بھیجا۔ (انہوں نے اپنی قوموں میں علم وعمل کے وہ عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے کہ تمام کی تمام قوم علم وعمل کا مجسمہ بن گئی اور مادی ترقیاں ملک کے طول وعرض میں نمایاں ہوگئیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ہم نے دونوں انبیا کی اولاد کو بھی **نبوۃ** اور الکتب عطا کیں۔ پھر (رفتہ رفتہ مرورِ مدّت سے یہ حالت ہوگئی کہ) ان میں سے کچھ ہدایت پر رہے اور ان میں سے اکثر بدعمل ہو چکے تھے۔

اسی تقریب سے کہ خدائے عالمیاں ہر حکومت اور ہر **حُکم** کو **علم** فطرت سے پیوست کر کے اُس ملک کو مضبوط کرنا چاہتا ہے، حضرت داؤدؑ کے متعلق ان تمام کارناموں کا ذکر کر کے جن کی وجہ سے اس کو خدا کے ہاں سے **ذالاید، اواب اوران لہ عندنا لزلفی وحسن مآب** کے خطابات ملے (دیکھو (۱۴۳)، (۱۴۴۔۴) ، قران حکیم حضرت داؤدؑ کی حکومت کو حسب ذیل انتہائی طور پر معنی خیز اور فیصلہ کن الفاظ میں خطاب کرتا ہے۔

(۱۴۹) یداود انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس <u>بالحق</u> ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل الله ان الذین یضلون عن سبیل الله ط لهم

(۱۴۹) اے داؤد! بے شک ہم نے تم کو اس زمین میں (اپنا) قائم مقام بنایا، تو (اب خدا کی قائم مقامی کا تقاضا یہ ہے کہ) مخلوقِ خدا کے درمیان **حقیقت** سے حکومت کر اور خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تجھے خدا کے رستے سے بھٹکا دیں۔ بے شک

عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب٥: (۲/۳۸)
وہ لوگ جواللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کواس کی پاداش میں کہ وہ یوم حساب کو بھول گئے سخت ترین عذاب ہے۔

گویا حضرت داوٴدؑ کو کہا کہ اپنی حکومت کوصحیفہ فطرت کی حقیقت **بالحق** سے مضبوط کر، کیونکہ انہی فطرت کی حقیقتوں کے اندر جفاکشی اور سعی وعمل مضمر ہے انہی حقیقتوں کی پیروی سے قومیں صاحب دست و قدرت بنتی ہیں، اِسی جدو جہد اور صحیفہ فطرت کی حقیقتوں سے عبرت پکڑ کر قوموں کو خدا کا رستہ نظر آ تا ہے، نفسانی خواہشوں اور لذّتوں میں پڑی ہوئی قومیں خدا کے رستے سے بھٹک جاتی ہیں اور وہی قومیں خدا کی پکڑ کو جو حساب کے دن ہوا کرتی ہے بھول کر خدا کے سخت ترین عذاب میں پھنستی ہیں۔ یہ تشریح جو میں نے کی ہے قطعی اورآخری اس لئے ہے کہ اس آیت کے عین بعد حسب ذیل عظیم الشان آیت ہے جس میں **فاحکم بین الناس بالحق** کے حق کے مقابلے میں **ماخلقنا السمآء والارض وما بینھما باطلا** کا باطل آیا ہے (دیکھو (۱۳۴)۔۴) جو صاف ثابت کرتا ہے کہ حضرت داوٴدؑ کو کہا گیا تھا کہ تمہیں درحقیقت میں نے دنیا میں اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے تو اس قائم مقامی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تُو اپنی حکومت مخلوق کے درمیان صحیفہ فطرت کی بنیادوں پر قائم کر کیونکہ میں نے اس کارخانہ زمین وآسمان کو باطل و بیکار نہیں بنایا۔ کیا کسی مولوی یا مفسّر کی مجال ہے کہ اس تشریح کے بعد جو میں نے کی ہے اپنی لغو اور لچر تشریح پیش کر سکے کہ ''حضرت داوٴدؑ معاذ اللہ غلط فیصلے دیا کرتے تھے اور حضرت سلیمانؑ ان کو درست کیا کرتے تھے، اس لئے یہ تنبیہہ ان کو دی گئی۔'' یہ آیت میں پھر پوری شان سے یہاں پر نقل کرتا ہوں۔

(۱۵۰) وما خلقنا السمآء والارض وما بینھما باطلاط ذالک ظن الذین کفرواج فویل للذین کفروا من النار ٥ ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارضز ام نجعل المتقین کالفجار٥: (۳/۳۸)

(۱۵۰) اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے باطل اور بیکار پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو (خدا کو بے معنی چیزوں کا پیدا کرنے والا سمجھ کر) خدا کے منکر ہیں۔ تو جہنم کی آگ کے بارے میں (جو کافروں کومل کر رہے گی) کافروں کے واسطے کیا ہی افسوسناک منظر ہے۔ تو کیا ہم ایمان والی اور (صحیفہ فطرت کی تلاش وتجسّس میں) مناسب تگ ودو (اور حتی الوسع سعی وعمل) کرنے والی قوم کواس قوم کے برابر کر دیں جو زمین میں (کاہل اور غافل رہ کر فساد مچاتے ہیں اور کیا ہم عذاب خدا سے ڈرنے والوں کو (جو اِس

کائنات کے مقصد سے کما حقہ واقف ہیں) ان لوگوں کے برابر کردیں جو بدعمل اور بدکار ہیں۔

اور آگے چل کر اس آیت کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ یہ قرانِ عظیم وہ برکت دینے والی کتاب ہے جو اے محمدؐ! ہم نے تم پر اتاری تاکہ تم اس کی آیتوں پر پورا غور وخوض کرو اور نیز اس لئے کہ اس سے اولوالالباب عبرت پکڑیں۔ اُدھر اسی اولوالالباب کی تشریح ((۱۳۲) ج) میں کردی کہ اولوالالباب وہ لوگ ہیں جو صحیفہ فطرت کی تلاش میں دن رات اس یقین سے لگے ہیں کہ یہی فطرت واحد حقیقت ہے جو اس کائنات کے اندر ہے اور جو اس پر نہ چلیں گے وہ جہنمی ہیں۔

(۱۵۱) کتب انزلنه الیک مبرک لیدبروا ایته ولیتذکر اولوالبابo: (۳/۳۸)

(۱۵۱) یہ (قران) ایک (انتہائی طور پر) برکت پیدا کرنے والی (اور قوم کو ترقی اور عزّت کے فلک الافلاک پر پہنچانے والی) کتاب ہے جس کو تم پر اس لئے اتارا کہ تم اس کی آیات پر نہایت سنجیدگی سے غور وخوض کرو اور اس لئے کہ صاحب علم و دانش لوگ اس سے سبق لے کر (ترقی کے منازل پر گامزن ہوں)۔

الغرض (۱۴۹)، (۱۵۰)، (۱۵۱)، اور ان سے پہلے حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور باقی انبیاء کے دنیاوی کارناموں والی آیات، بلکہ (۱۲۸) تا (۱۵۱) کو یکجا پڑھنے سے یہ حقیقت قطعی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ **حکم** یعنی حکومت یا سلطنت، بلکہ خدا کی اس دنیا پر قائم مقامی یعنی خلافت کو چلانے کے لئے **علم** بلکہ کمالِ علم یعنی نبوت کی قطعی ضرورت ہے اور اسی علم کا ایک معتد بہ اور انتہائی طور پر قابل قدر حصّہ **الکتٰب** یعنی قرانِ عظیم اور دیگر آسمانی صحیفے ہیں جن میں صحیفہ فطرت کے متعلق **علم** حاصل کرنے کی رہنمائی کی گئی ہے۔ نہیں بلکہ (۱۴۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ **الکتٰب** (یعنی **علم**) اور حکم اور نبوۃ کی تینوں نعمتیں، افراد سے زیادہ قوموں کو عطا ہوا کرتی ہیں اور انہی نعمتوں کی قدردانی کی وجہ سے بعض قومیں دنیا پر برتری حاصل کرلیتی ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل نے کی تھی (دیکھو (۱۴۷))، اور بعض قومیں اُن نعمائے الٰہی کی بے قدری کر کے فاسق بن جاتی ہیں جیسا کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی قومیں بن گئیں تھیں (دیکھو (۱۴۸))۔ اسی نقطہ نظر سے خدائے عزّ وجلّ نے قوموں کے زوال کی کہانی حسب ذیل الفاظ میں کھینچی اور بتلا دیا کہ **حکم** (یعنی روئے زمین پر سلطنت) **علم** اور نبوۃ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا اور جب

اُمتیں خدا کا سکھلایا ہوا سبق بھول جاتی ہیں تو خدا کے دردناک عذاب سے دوچار ہوتی ہیں بلکہ ان کے جاہ و شوکت کے تمام حلیے بگاڑ کر ان کو انسان نما بندر بنا دیا جاتا ہے جیسا کہ آج کل کی محمدیؐ اُمّت ہر صاحب نظر کہے گا کہ عملاً بن چکی ہے!

(۱۵۲) فلما نسوا ما ذکروا به انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون ٥ فلما عتوا عن ما نھوا عنه قلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین٥: (۷/۲۱)

(۱۵۲)۱۔ تو جب یہ لوگ اُس شے کو بھول گئے جو ان کو (کسی زمانہ میں خوب) یاد دلائی گئی تھی، ہم نے اُن لوگوں کو جو بُرے عملوں سے بچتے رہے نجات دے دی۔ اور خدا کی حدود سے گذرنے والے ظالموں کو دردناک عذاب میں ان کی بدکاری کے عوض میں پکڑا۔ پھر جب انہوں نے اُن باتوں کے متعلق جن سے منع کیا گیا تھا سرکشی کا رنگ اختیار کیا (تو رفتہ رفتہ ان کی دنیاوی حالت، اخلاق، معاملات، جسمانی قوتیں، خودداری، سعی و عمل، حوصلے، بود و باش، آپس میں میل جول، الغرض ان کا سب تمدّن بگڑتا گیا حتّٰی کہ ان کی ظاہری شکلیں بھی بگڑ گئیں پھر وہ اس منزل پر پہنچ گئے کہ عام انسانیت بھی ان میں رہی نہ تھی) تو پھر ہم نے ان کو کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔ (دو آیتوں کے بعد حسب ذیل آیت ہے)

۲. فخلف من بعدھم خلف ورثو الکتب یاخذون عرض ھذا الادنی ویقولون سیغفر لنا ج وان یاتھم عرض مثله یاخذوہ ط الم یؤخذ علیھم میثاق الکتب ان لا یقولوا علی الله الا الحق ودرسوا ما فیه ط والدار الاخرۃ خیر للذین یتقون ط افلا تعقلون٥: (۷/۲۱)

۲۔ پھر ان کے بعد دوسرے لوگ جانشین ہوئے جو اسی الکتٰب (یعنی صحیفۂ فطرت کے قانون) کے وارث ہوئے وہ اس دنیا کے مال و متاع کو خوب (دل لگی سے) پکڑے ہوئے تھے (لیکن ان چیزوں کو اپنے پاس رکھنے کی کوئی کوشش انہوں نے نہ کی اور اسی امید میں) کہتے رہے کہ عنقریب خدا (سعی و عمل کے بارے میں) ہم سے درگذر کریگا (اور بغیر کسی جدوجہد کے ہم کو یہ چیزیں بدستور دیتا رہے گا)۔ اور اگر ان لوگوں کو اتنا ہی مال و متاع اور دے دیا جاتا تو وہ اس کو لے لیتے۔ (اور اپنی زندگیاں خوب عیش و عشرت میں گذارتے) تو (یہ بتاؤ کہ) کیا ان لوگوں سے (ان کو وارث بناتے وقت) الکتٰب کا معاہدہ (گویا) نہیں لیا تھا (کہ دیکھنا) خدا پر کوئی ایسی بات نہ تھوپ دینا مگر وہ

جو سچی اور سچائی پر مبنی ہے اور (حیرت یہ ہے کہ) انہوں نے جو کچھ اس کتاب میں تھا خوب پڑھ لیا تھا۔ تو (سمجھ لو کہ) آخرت کا گھر (یعنی عظیم الشان انجام) تو انہی لوگوں کا ہے جو قانون خدا سے خوفزدہ ہیں۔ کیا تم (اتنی چھوٹی سی اور صریح بات) نہیں سمجھتے۔

علم ، حُکم اور نبوۃ کے اس مقام سے اَور آگے بڑھ کر خدائے عظیم نے قران حکیم میں صاف طور پر واضح کر دیا کہ مختلف پیغمبروں کی اُمتوں کو (جن میں سے اٹھارہ کے نام پے در پے دیئے گئے ہیں) ☆ یہ تینوں چیزیں عطا کی گئی تھیں، وہ ان انبیا کی حینِ حیات میں صراطِ مستقیم پر رہیں لیکن جب ان اُمتوں نے ان نعمتوں کا کفران کیا تو ہم نے اُن کو لامحالہ اُن قوموں کو سپرد کر دیا جو ان کی قدر دان ثابت ہوئیں۔

(۱۵۳) اولئک الذین اتیناھم الکتب والحکم والنبوۃ فان یکفر بھا ھولاء فقد وکلنابھا قوماً لیسوا بھا بکفرینo: (۶/۱۰)

(۱۵۳) تو یہی وہ قومیں تھیں جن کو ہم نے الکتاب اور حکومت اور نبوۃ عطا کی۔ پھر اگر (خدا کی) اِن (عظیم الشان نعمتوں) سے یہ قوم کفرانِ نعمت کرتی ہے تو لامحالہ ہم ان چیزوں کو کسی ایسی قوم کے سپرد کر دیں گے جو ان کی منکر نہیں ہوگی۔

اِن تمام روشن شہادتوں سے ظاہر ہے کہ انبیا کے دَور کے بعد بھی حکومت: علم، اور (صحیفۂ کائنات سے انتہائی باخبری یعنی) نبّوت کا اقوام عالم کو سپرد کیا جانا اٹل ہے اور وہ وہی قومیں ہیں جو خدا کے قانون سے اور فاطر زمین و آسمان کی معرفت سے پورے طور پر باخبر ہونے کی سعی کر رہی ہیں۔ یہی وہ قومیں ہیں جو دنیا میں اس وقت زمین کے بڑے سے بڑے ٹکڑوں پر حکومت کر رہی ہیں، انہی کو ملکوتِ آسمان و زمین کی خبر آئے دن مل رہی ہے اور انہی قوموں کا علم نبّوت (یعنی انتہائی خبر) کے مدارج تک پہنچ رہا ہے۔ یہی وہ صالح، اعمال حسنہ کی علمبردار، خدا کے قانون سے ڈرنے والی (**متقین**) اُمّتیں ہیں جو خدا کے پیدا کئے ہوئے صحیفہ فطرت پر ایمان لانے والی، اعمال صالحہ کرنے والی اور **امنوا وعملوا الصلحت** کی مصداق ہوسکتی ہیں، جو اپنے دن رات کے سعی و عمل سے **الکتٰب، الحُکم** اور **النبوۃ** کی الٰہی نعمتوں کی مصداق بن رہی ہیں اور وہی قوم بالآخر اس دنیا میں سب سے زیادہ **حکم** اور **علم** اور نبوۃ کی اہل ہوگی جو ان سب کو پچھاڑ کر رہے گی۔ آیہ (۱۵۳) سے قطعی طور پر واضح ہے کہ خدا کو اپنی وحی بلکہ حکم بلکہ نبوت بھی کسی قوم کے سپرد کرنے میں ادنیٰ قسم کا دریغ نہیں اور انہی معنوں میں تمام قران، تمام دنیا کی حکومت، اور تمام نبّوت آج مغرب کی قوموں میں منتقل ہو چکی ہیں۔ فتدبّر۔

☆ دیکھو فرہنگ دہ الباب ۴۵ (۲)، صفحہ ۲۲۲۔

۳۔لقائے ربّ کی آخری منزل

اس تمام شرح وتصریح کے بعد جوقران حکیم میں حیرت انگیز وثوق، استقلال اور تطابق کے ساتھ بیان کی گئی ہے یہ امر واضح ہے کہ قوموں کا معراج **علم** اور **حُکم** کے بعد نبوۃ کے مقام کا حاصل کرنا ہے اور اس کا واحد وسیلہ صحیفہ فطرت کے **عــلــم** کے ذریعے سے سب سے پہلے **معرفتِ خدا** اور پھر **معرفتِ خدا کے انتہائی مقام** کو حاصل کر کے حضرت انسان اور خلیفہ خدا کی فاطر (اللہ تعالیٰ) زمین وآسمان سے دوبدو ملاقات ہے۔ یہ نکتہ قران حکیم میں اس قدر روشن ہے کہ اس کے لئے اب کسی مزید استدلال کی ضرورت نہیں رہی۔ سورۂ الرّوم میں ہے:۔

(۱۵۴) اولم یتفکروا فی انفسھم قف **ما خلق اللہ السموت والارض وما بینھما الا بالحق واجل مسمی**ط **وان کثیرا من الناس بلقآء ربھم لکافرونo:** (۱/۱۳۰)

(۱۵۴) کیا ان لوگوں نے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر نہیں سوچا کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ ان کا وجود حقیقت پر مبنی ہے (اور انہی چیزوں کی دریافت اور تلاش سے منشائے خدا معلوم ہوسکتا ہے، یہی چیزیں ہم کو ترقی اور تمدّن کے فلک الافلاک تک پہنچا سکتی ہیں، ان کو پیدا کرنے کی غرض ہی یہی ہے کہ انسان ان سے فائدہ اٹھا کر علم کے بلند منازل طے کرے اور روز بروز صاحب نباء اور باخبر بنتا جائے، روز بروز نبوۃ کے درجے اس کو ملتے جائیں بلکہ) ان چیزوں کو ایک مقررہ مدت تک پیدا کیا (تا کہ اس مقررہ مدّت کے اندر اندر انسان علم، حکم اور نبوۃ کے منازل طے کر کے خدا سے ملاقات کرنے کا اہل بن سکے) لیکن اس میں شک نہیں کہ انسانوں کی ایک کثیر تعداد خدا سے ملاقات کرنے (کے نصب العین) کے منکر ہیں۔

انسانوں کے ایک کثیر حصّے کو ملاقات ربّ کا منکر کہنا اور جیسا کہ (۲۶) اے☆ میں واضح کر دیا گیا ہے اس کثیر حصّے کے متعلق خدائے عزّ وجلّ کا کہنا کہ وہ جہنّم کے سپرد کر دیئے جائیں گے اور اس کی وجہ یہ بیان کرنا کہ یہ کثیر حصہ سمع و بصر اور ذہن کو استعمال نہیں کرتا، اس امر کی تصدیق ہے کہ وہاں یعنی (۲۶) اے میں بھی اشارہ

☆ صفحہ ۱۹۔

صحیفہ فطرت کا علم نہ حاصل کرنے کے متعلق ہے، کسی اَور شے کے متعلق نہیں۔ اسی سلسلے میں حسب ذیل آیت اس مسئلے کو اَور صاف کر دیتی ہے:۔

(۱۵۵) اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونھا ثم استوےٰ علی العرش وسخر الشمس والقمر ط کل یجری لاجل مسمی ط یدبر الامر یفصل الایات لعلکم بلقآء ربکم توقنون ۝: (۱۳ / ۱)

(۱۵۵) خدا وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون بلند کیا جن کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، پھر اس کے بعد وہ تخت سلطنت پر جم کر بیٹھ گیا اور سورج اور چاند کو (تمہارے فائدے کیلئے) مسخر کیا۔ یہ سب چیزیں ایک وقت مقررہ تک چل رہی ہیں (تا کہ تم اس وقت مقررہ کے اندر اندر اس قابل ہو جاؤ کہ فطرت کی ماہیت دریافت کر کے صاحب علم وخبر بن جاؤ اور اس مرحلے تک پہنچو کہ خدا تم کو اپنی ملاقات کا اہل سمجھے)۔ (یاد رکھو کہ) خدا قانونِ (فطرت) کی تدبیر کرتا ہے (اور یہ تدبیر امر لاکھوں برس میں جا کر تکمیل کو پہنچتا ہے)۔ وہ تم کو آیات کھول کھول کر اس لئے بیان کرتا ہے کہ شاید تم کو بالآخر اپنے پروردگار سے ملاقات ہونے کا یقین آ جائے۔

(۱۵۴) اور **(۱۵۵)** میں دونوں جگہ ایک مقررہ مدت (اجل مسمی) تک اس کارخانہ فطرت کے برقرار رکھنے کا ذکر معنی خیز ہے اور دونوں جگہ صحیفۂ فطرت کے مطالعے کی ترغیب ملاقاتِ رب کی الجھن کو اَور صاف کر دیتی ہے۔ صحیفہ فطرت کی دریافت کی طرف اس سے بھی واضح اشارہ سورۂ یونس میں موجود ہے جہاں: (۲۶) (۱۔ کی خطرناک اصلاح یعنی غافل کا پھر ذکر، جہنّم کی دوبارہ یاد اور بالخصوص اس امر کی تو کید کہ ایسی غافل قومیں لذّات دنیوی میں مستغرق ہو کر مطمئن ہو گئی ہیں اور محنت، سعی وعمل اور جدوجہد سے بیزار ہیں، اس امر کا ثبوت ہے کہ ملاقات رب کی منزل انتہائی علم وعمل کی منزل ہے اور اس علم وعمل کا **تمام تر تعلق** صحیفہ فطرت کی دریافت سے ہے، کسی صوفیانہ یا ملاّیانہ تسبیح ونماز یا لفظی ذکر ربّ سے ہرگز ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کے لئے عبرت کا مقام ہے کہ وہ اب بھی سوچ لیں کہ انہوں نے قران حکیم کے اس انتہائی طور پر علمی صحیفے کو کیا مخول بنالیا ہے۔

(۱۵۶) ان ربکم اللہ الذی خلق السموات فی ستۃ ایام ثم استوےٰ علی العرش یدبر

(۱۵۶) (لوگو! یاد رکھو کہ) بے شک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو چھ (بڑے بڑے لاکھوں کروڑوں برسوں کے)

الامر ط **مامن شفيع الا من** م **بعد اذنه** ط **ذلكم الله ربكم فاعبدوه** ط **افلا تذكرون** o **اليه مرجعكم جميعا وعد الله حقاً** ط **انه يبدو الخلق ثم يعيده ليجزى الذين امنوا وعملوا الصلحت بالقسط** ط **والذين كفروا لهم شراب من حميم وعذاب اليم** م **بما كانوا يكفرون** o **هو الذى جعل الشمس ضيآء والقمر نورا وقدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب** ط **ما خلق الله ذالك الا بالحق** ج **يفصل الايات لقوم يعلمون** o **ان فى اختلاف اليل والنهار وما خلق الله فى السموت والارض لايت لقوم يتقون** o **ان الذين لايرجون لقآء نا ورضوا بالحيوة الدنيا واطمانوا بها والذين هم عن ايتنا غافلون** o **اولئک ماولهم النار بما كانوا يكسبون** o: (١٠/١)

دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ تخت حکومت پر جم کر بیٹھ گیا (اور اس سلطنت کو چلا رہا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ) وہ قانونِ (صحیفہ فطرت) کی تدبیر کرتا ہے (جس کی تکمیل ہزاروں اور لاکھوں برس میں جا کر ہوتی ہے)۔ (سمجھ لو کہ اس قانونِ فطرت سے گریز کرنے کے بعد) تمہارا کوئی سفارشی نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ خدا (عفو و درگذر کر دینے کی صورت میں کسی رعایت کا) حکم دے۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار تو بس اسی کی (روز و شب) ملازمت میں ٹکے رہو (اور اس کے بنائے ہوئے قانونِ فطرت پر پیہم عمل کرتے رہو)۔ تو کیا تم (اس عظیم الشان کارخانے سے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کوئی) عبرت نہیں پکڑتے؟ تم سب لوگوں کا (بالآخر) اسی کی طرف (اپنے اعمال کا حساب دینے کیلئے) رجوع ہوگا۔ یہ خدا کا پختہ وعدہ ہے اس میں شک وشبہ نہیں کہ وہ فطرت کی پیدائش کو شروع کرتا اور پھر اس کو بار بار دہراتا اس لئے ہے کہ صاحبِ ایمان قوم کو جو (صحیفہ فطرت کے رازہائے سربستہ کو معلوم کرنے کے لئے دن رات جدّ وجہد اور) مناسب اعمال میں لگی ہے عدل وانصاف کے ساتھ ان کے سعی وعمل کی جزا دیتا جائے اور وہ لوگ جو (اس صحیفہ فطرت کے برحق ہونے کے) منکر ہیں ان کو (بطور جزا) جلتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ان کے کفر کی پاداش میں دے۔ وہی (پاک) ذات ہے جس نے سورج کو شعلہ اور قمر کو روشنی بنا دیا اور پھر چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم سنّوں کی گنتی کا علم اور (مدتوں کا) حساب حاصل کر سکو۔ (یاد رکھو کہ) ان چیزوں کو خدا نے پیدا نہیں کیا مگر یہ کہ وہ برحق ہیں۔ (اور اسی حقیقت ہونے کی وجہ سے انتہائی طور پر قابل توجہ)۔ (اسی لئے) وہ صاحب علم قوم کے لئے آیات (قدرت) کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ (یاد رکھو کہ) دن اور رات کے اختلاف میں اور جو کچھ اللہ

نے آسمانوں اورزمین میں پیدا کیا، ان میں لامحالہ اس قوم کے لئے جو قانونِ خدا سے خوفزدہ ہے (بےشمار) اشارے موجود ہیں (جواُن کو قوّت اور امن کی منزلوں تک لے جاسکتے ہیں)۔ بےشک وہ لوگ جو خدا سے (بالآخر) ملاقات کرنے کی امید نہیں رکھتے اور اسی دنیاوی زندگی (کے عیش وطرب) سے راضی ہوگئے ہیں اور (صرف کھانے پینے اور عیش اڑانے اور کچھ نہ کرنے کی بےمعنی) دنیاوی زندگی سے مطمئن ہوگئے ہیں، نیز وہ لوگ جو ہماری (صحیفہ فطرت کی) آیات سے غافل ہوگئے ہیں (جن کا اشارہ ہم نے ابھی اوپر کیا)، تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ان کے اپنے اعمال کی پاداش میں ہے۔

ان آیات سے فیصلہ ہوگیا کہ آسمان وزمین کی تمام مخلوق کا بار بار پیدا کئے جانا اور آسمان اور زمین میں پیدا کی ہوئی ہر شے کا وجود صرف اس لئے ہے کہ خدا کی خدائی پر صدقِ دل سے ایمان رکھ کر اس صحیفہ فطرت کی کُنہ و ماہیّت کو دریافت کرنے والی ہر صالح العمل قوم کو انصاف و عدل سے اسی صحیفہ فطرت کے بہترین انعامات بطور جزا دیئے جائیں اور اُن صاحب علم قوموں کو جو خدا کی بنائی ہوئی فطرت کا بغور مشاہدہ کر کے اس کی دریافت میں لگے ہیں اور صحیح معنوں میں خدا سے ڈرنے والی قومیں ہیں، جنّت الارض کا انعام دے کر آسودگی قوت اور غلبے کے اعلیٰ ترین مدارج پر پہنچائے۔ انہی آیات میں صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ جن قوموں کو خدا سے ملاقات کی امید باقی نہیں رہی وہ وہی کاہل العمل اور غافل قومیں ہیں جن کو اس صحیفہ فطرت کے اندر کوئی آیات خدا نہیں ملتیں، وہ سعی وعمل سے اس لئے بے بہرہ ہیں اور کسی طرح کی کوشش کرنا پسند اس لئے نہیں کرتیں کہ وہ لذّات نفسانی اور عیش وعشرت میں منہمک ہیں، محنت اور کوشش کرنے سے اُن کی جان جاتی ہے، وہ خدا کے حکموں کا پابند ہونا اپنے لئے عذاب سمجھتی ہیں اور اسی لئے وہ کسی معنوں میں خدا کی عابد نہیں۔ ایسی قوموں کا ٹھکانا جہنم ہے کیونکہ اس دنیا میں تو وہی قوم عمدہ سے عمدہ اجر لے گی جو عمدہ سے عمدہ عمل کرے گی۔ یہ دنیا صرف دارالعمل ہے اس میں کاہل اور غافل قوم کا ہرگز گذارہ نہیں۔

اسی لقائے رب کی آخری منزل کو قران حکیم نے ایک اور جگہ نہایت مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:۔

(۱۵۷) من كان يرجوا لقآء الله فان اجل الله لات ط وهو السميع العليم ٥ ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه ط ان الله لغني عن العلمين٥: (۲۹/۱)

(۱۵۷) جو شخص خدا سے ملاقات کرنے کی امید رکھتا ہے تو (سمجھ لو کہ) اللہ کی مقرر کی ہوئی مدّت تو (ایک نہ ایک دن ختم ہو کر) آنے والی ہے اور وہ خدا انتہائی طور پر صورت حال کو سمجھنے والا اور بڑا صاحب علم ہے۔ تو (اس ملاقات کو ممکن کرنے اور اس مدّت کو قریب لانے کے لئے جو ہرگز ہرگز اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان کو اس تمام کائنات کا مکمل علم نہ حاصل ہو جائے اور وہ ترقی کے فلک الافلاک تک نہ پہنچے) جس (قوم یا) متنفّس نے سعی و عمل کیا تو وہ صرف اپنے نفس (کی بہتری) کے لئے کرتا ہے۔ ورنہ اس میں تو شک ہرگز نہیں کہ خدا تمام کائنات سے بے نیاز ہے (اور اس ملاقات میں جو ہونے والی ہے اس کو کوئی اپنا فائدہ مدِّ نظر نہیں)

الغرض حضرت انسان کی ربّ زمین و آسمان سے ایک نہ ایک دن ملاقات اس کائنات فطرت میں ایک طے شدہ امر ہے اور اس کا واحد وسیلہ وہ زہرہ گداز سعی و عمل ہے جس کے باعث صدہا اُمتّیں صدہا سال سے صحیفہ فطرت کی ماہیّت کی دریافت میں لگی ہیں۔ چونکہ فاطر زمین و آسمان خود صاحب سمع و علم ہے وہ انسان سے متوقع ہے کہ سمیع و علیم بن کر خدا کی تلاش کرے، یہ جدّ و جہد خود انسان کی اپنی بہتری کے لئے ہے کیونکہ وہ اس صورت میں کہ مساویانہ درجے پر خدا سے ملاقات کرنے کا اہل ثابت ہو جائے، خود خدا کا ایک جُز بن سکے گا، اس میں ربّانی طاقتیں موجود ہوں گی، وہ اوصاف خدا کا ایک مظہر ہوگا، وہ **نفخت فيه من روحي** کا مصداق ہوگا، وہ **انی جاعل فی الارض خلیفة** ط کی صحیح تصویر ہوگا اور اس صورت میں کہ وہ جدوجہد نہ کر کے اور غافل رہ کر اس بلند مقام تک نہ پہنچا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا: (۲۶) (ا۔ خدا کے قہر و غضب کی آگ اس کو بھسم کر دے گی اور ابدالا باد تک اس کا نام و نشان مٹا کر رہے گی: (۱۵٦)۔ خدائے عظیم ایک ایک قوم اور ایک ایک متنفّس کے اعمال کو بغور دیکھ رہا ہے: (۱۵۸)۔ روز بروز صحیفہ فطرت کی آیتیں معجزے بن بن کر دنیا کو حیران کر رہی ہیں: (۱۵۸)۔ روز بروز فطرت کی نئی سچائیاں ظاہر ہو رہی ہیں۔ علم کی طرف ہر نیا قدم اقطار عالم میں بآواز بلند پکار پکار کر نئی سچائی کا اعلان کر رہا ہے، اعلان کر رہا ہے کہ صحیفہ فطرت ہی اس کائنات میں واحد حقیقت ہے: (۱۵۸)، نیز عنوان ۲ مقام فطرت: (۱۲) تا (۲۲)، اعلان کر رہا

ہے کہ فاطر زمین و آسمان ہی برحق ہے، اعلان کر رہا ہے کہ خدا کی آخری بھیجی ہوئی کتاب ہی برحق ہے، اعلان کر رہا ہے کہ جن اُمتوں نے حقیقت کو پکڑا ہے وہی اس دنیا میں اُبھر رہی ہیں، انہی کے پاس حکم ہے، علم ہے، نبّوت ہے، وہی اُمّتیں خدا کی برگزیدہ اُمّتیں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مسلمان لاکھ بار اپنے آپ کو برگزیدہ اور خیرِ اُمّت کہتا پھرے، مگر حقیقت بہرحال حقیقت ہے، وہ سورج کی طرح روشن ہے، اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہے، وہ خود اپنی سچائی کی دلیل ہے، مسلمان کی خوش فہمی اس کی حالت کو اس وقت تک درست نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ قرانِ عظیم کو پھر مضبوطی سے نہ پکڑے اور خذالکتب بقوۃ :(۱۹/۱، ۷/۱۷، ۲/۱۱، ۷/۲۱، ۲/۸) کا مصداق پھر نہ بن جائے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے:۔

(۱۵۸) سنریھم ایتنا فی الافاق وفی انفسھم ☆ حتی یتبین لھم انہ الحق ط اولم یکف بربک انہ علی کل شیی شھید ٥ الا انھم فی مریۃ من لقآء ربھم ط الا انہ بکل شیئ محیط٥: (۴۱/۶)

(۱۵۸) وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے کہ ہم ان لوگوں کو (جو صحیفہ فطرت کو باطل سمجھ کر غافل اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہیں) اپنی آیات (کی کرامتیں اور تہذیب و تمدّن کی جو عظیم الشان ترقیاں ان کے باعث ہوں گی) دنیا کے چار اقطار میں دکھلا دیں اور (نہ صرف افاق میں ہی دکھلائیں بلکہ) ان کے وجودوں کے اندر، یہاں تک کہ ان کو روزِ روشن کی طرح نظر آجائے کہ یہ (کائنات فطرت) برحق ہے۔ کیا یہ تیرے پروردگار کے ساتھ کافی نہیں کہ وہ انسان کی) ہر (ترقی اور سعی و عمل کی ہر چھوٹی سے چھوٹی) شے کو بغور دیکھ رہا ہے۔ خبردار ہو جاؤ کہ یہ کافر لوگ (جو اس کارخانۂ جہاں کو باطل اور بیکار سمجھے بیٹھے ہیں) خدا سے اپنی ملاقات کے بارے میں (سخت) شک میں ہیں اور خبردار ہو جاؤ کہ خدائے عظیم بلا شک و شبہ ہر شے پر حاوی ہے۔

اس حیرت انگیز حوصلہ افزائی کے بعد قرانِ حکیم میں لقائے رب کے متعلق دوسرے مقاموں پر مزید معنی خیز اشارے حسب ذیل الفاظ میں ہیں۔

(۱۵۹) ولقد اتینا موسی الکتب فلا تکن فی مریۃ من لقآئہ وجعلناہ ھدی لبنی اسرآئیل وجعلنا منھم آئمۃ

(۱۵۹) اور بے شک ہم نے موسیٰؑ کو الکتٰب (یعنی صحیفہ فطرت کا ملخّص دیا) تو دیکھنا خدا سے ملاقات کے بارے میں ہرگز شک و شبہ میں نہ پڑنا۔ اور ہم نے اس الکتٰب کو بنی اسرائیل کے واسطے ہدایت

☆ فی انفسھم سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نہ جانے کیا کیا معجزے انسان کے وجود کے اندر ظاہر ہونے والے ہیں۔ اللہ اکبر!

یھدون بامرنا لماصبروا وکانوا بایتنا یوقنونo: (۳/۳۲)
(کی ایک پُرنور شمع) بنادیا تھا اور وہ (اس پر عمل کی برکت سے ترقی کے اُس فلک افلاک تک پہنچے کہ) ہم نے ان میں سے (صحیفہ فطرت کے علم کے) بڑے بڑے امام اور لیڈر پیدا کئے جو ہمارے قانون سے (اُمتّوں کو) راہ راست پر چلاتے رہے جب تک وہ اپنی جدوجہد میں مستقل مزاج رہے، اور یہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے تھے۔

(۱۶۰) فمن کان یرجوا لقآء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداo: (۱۸/۱۲)

(۱۶۰) تو جو شخص ملاقات رب کی امید رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ (صحیفہ فطرت کے قانون کی تلاش میں) مناسب (اور بے پناہ) عمل کرتا جائے اور اپنے پروردگار کے ملازم ہونے کی حیثیت میں وہ کسی دوسرے کے قانون کو شریک نہ کرے۔

(۱۶۱) والذین کفروا بایت اللہ و لقآئہ اولئک یئسوا من رحمتی و اولئک لھم عذاب الیمo: (۳/۲۹)

(۱۶۱) اور وہ لوگ جو خدا کی (صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی) آیات سے منکر ہو کر خدا سے ملاقات کرنے کے منکر ہو گئے تو یہی وہ لوگ ہیں جو میری (بیکراں) بخششوں اور انعاموں سے مایوس ہو گئے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو دردناک عذاب ہوگا۔

(۱۶۲) واما الذین کذبوا بایتنا ولقای الاخرۃ فاولئک فی العذاب لمحضرونo: (۲/۳۰)

(۱۶۲) لیکن وہ لوگ جنہوں نے ہماری (صحیفہ فطرت سے اخذ ہوئی ہوئی) آیتوں کو جھوٹ سمجھ کر ان پر عمل نہ کیا اور (بطور نتیجہ کے) آخرت کی (خدا سے) ملاقات کو جھوٹ سمجھا (یعنی اس بات کو ناقابل توجہ سمجھا کہ انسان کی دنیا میں مسلسل تگ و دو کا انجام ملاقاتِ خدا ہوگا) تو یہی وہ لوگ ہیں جو عذاب الٰہی سے دوچار ہوں گے۔

(۱۶۳) (أ) ساصرف عن ایتی الذین یتکبرون فی الارض بغیرالحق ط وان یرواکل ایۃ لا یومنوا بھا ج وان یرواسبیل الرشد لایتخذوہ سبیلا ج وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا ج ذالک بانھم کذبوا بایتنا وکانوا عنھا لغفلینo: (۷/۱۷)

(۱۶۳) (أ) (یہ بھی یاد رکھو کہ) میں عنقریب ان لوگوں کو جو اس زمین میں ناحق اکڑ بازی دکھلا کر (میری صحیفہ فطرت کی آیات کو ناقابل توجہ سمجھتے ہیں اور) بھرے پھرتے ہیں اپنی آیات سے (خود) پھیر دونگا اور ان کی حالت یہاں تک ہو جائے گی کہ اگر وہ (صحیفہ فطرت کی) ان آیات کی حقیقت بھی پوری طرح سمجھ لیں گے تو ہرگز ان پر ایمان نہیں

لائیں گے اور اگر رُشد و ترقی کی کوئی سبیل بھی دیکھ لیں گے تو ہرگز اس پر نہ چلیں گے بلکہ اگر (آنکھیں ہو ہوا کر) ان کو گمراہی کا کوئی رستہ نظر بھی آ جائے گا تو (جھٹ) اس کو اختیار کر لیں گے۔ یہ اس لئے کہ درحقیقت انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا اور انہوں نے ان سے غافل ہو کر رہنے کا (خطرناک) مقام حاصل کر لیا۔

(۱۶۳) (ب) الذین کذبوا بایتنا و لقآء الاخرۃ حبطت اعمالھم ھل یجزون الا ما کانوا یعملونo: (۷/۱۷)

(۱۶۳)(ب) اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری (صحیفہ فطرت کی) آیتوں کو اور بالآخر ہم سے ملاقات کو جھوٹ سمجھا تو ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے۔ (تو دیکھو) کیا ان کو سوائے اس کے جو وہ عمل کر رہے تھے کسی اَور شے کی جزا دی جا رہی ہے۔

(۱۶۴) فنذر الذین لا یرجون لقآء نا فی طغیانھم یعمھون: (۱۰/۲)

(۱۶۴) تو ہم ان لوگوں کو جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے، اپنی گمراہی میں ہی چھوڑ دیں گے کہ پڑے بھٹکتے رہیں۔

آج ایک ایک قوم جو مسلمانوں کی طرح خدا سے ملاقات کے متعلق شک میں پڑی ہوئی ہے صحیفہ فطرت کو بیکار اور باطل سمجھ رہی ہے، ان آیات کو جو صحیفہ فطرت سے زندہ قوموں کو مل رہی ہیں نا قابل توجہ یا کم از کم انہی کا فرض سمجھ کر جھٹلا رہی ہے: (۱۶۳)، وہ قوم خدا کی رحمتوں سے قطعاً بے پرواہ یا مایوس ہے: (۱۶۱)، محکومیّت اور افلاس کے عذاب میں پڑی چیخ رہی ہے: (۱۶۱)، لذّات دنیوی میں مستغرق ہے، خدا کو چھوڑ کر کمتر درجے کے نفسانی خدا پکڑے ہوئے ہے: (۱۵۶)، اس کے تمام اعمال ناکارہ اور ضائع ہو چکے ہیں: (۱۶۳)، وہ اپنی سرکشی اور غفلت میں پڑی ٹامک ٹوئے مار رہی ہے: (۱۶۴)۔ ایسی قومیں گھاٹے میں ہیں اور جب ہلاکت کا فرمان خسروی اچانک آ پہنچا تو پچھتائیں گی کہ انہوں نے اس دنیا میں کیا کمی کی تھی اور کس بات میں قاصر رہ گئے تھے، واماندگیوں اور گناہوں کے بوجھ ان کی کمروں پر لدے ہوئے ہوں گے اور ان کی پتلی حالت عبرتناک ہوگی:۔

(۱۶۵) (ل) قد خسر الذین کذبوا بلقآء اللہط حتی اذا جاء تھم الساعۃ بغتۃ قالوا یحسرتنا عل مافرطنا فیھالا وھم یحملون اوزارھم

(۱۶۵) (ل) بے شک وہ قومیں گھاٹے میں رہیں جنہوں نے (انسان کی) خدا سے (بالآخر) ملاقات کو جھوٹ سمجھا (یہ مہلت تو ان کو خاص وقت تک ہی ہے کہ اکڑے پھریں) حتیٰ کہ جب ان پر (ان کی صحیفۂ فطرت سے (غفلت کے حساب لینے کا) وقت ناگہاں آ پہنچے گا تو وہ واویلا کریں گے کہ ہائے ہم نے

علی ظھورھم ط الا سآء ما یزرون٥: (۶/۴)
دنیا میں کیا کوتاہی کی اور وہ اپنی کمروں پر (خطرناک) بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ تو دیکھو کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو وہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

(۱۶۵)(ب) ویوم یحشرھم کان لم یلبثوا الا ساعة من النھار یتعارفون بینھمط قد خسر الذین کذبوا بلقآء الله وما کانوا مھتدین٥: (۱۰/۵)

(۱۶۵)(ب)۔ اور جس دن ہم ان کو (اپنی غفلتوں کا حساب دینے کیلئے) اکٹھا کریں گے (اور یہ مہلت جس میں اکڑے بیٹھے ہیں جلد اس طرح کٹ جائے گی کہ) گویا وہ دن کا ایک گھنٹہ بھی چھوٹے نہ رہے، (ادھر) ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے (کہ ہاں ہم سب ایک ڈگر کے تھے، تو یقین ہو جائیگا کہ) بے شک وہی قوم گھاٹے میں رہی جس نے اللہ کی ملاقات کو جھوٹا سمجھا تھا اور وہ راہ راست پر آنے والے ہی نہ تھے۔

قران حکیم نے یہاں تک کہہ دیا کہ جن قوموں کو ملاقات ربّ کی دُھن نہیں اور کاہلی میں پڑی اپنے دن گذار رہی ہیں وہ تو یہ کٹ حجتی کرتی ہیں کہ اگر خدا سے ملاقات ایسی ہی ضروری شے تھی کہ اس کے بغیر اس کائنات کا مقصد پورا نہ ہوتا تھا تو کیوں ہم پر بجائے انسانی پیغمبروں کے نازل ہونے کے (جو عام انسانوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور انسانوں کی طرح کھانا کھاتے ہیں: **وقالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ط لولا انزل الیه ملک فیکون معه نذیرا ٥ط اویلقی الیه کنز او تکون له جنة یاکل منھاط وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا٥: ☆ (۲۵/۱)** کیوں ہم پر فرشتے نازل نہیں ہوئے تاکہ ہم اس قطع کے پیغام کی اہمیّت کو فوراً تسلیم کر لیتے یا اگر یہ نہیں ہوتا تھا تو

☆ (ترجمہ۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ (معمولی انسانوں کی طرح) کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اس پر کیوں کوئی فرشتہ نہ اُتارا گیا کہ وہ اس کے ساتھ ہو کر ہم کو (عذاب الٰہی سے) ڈراتا، یا اس پر ایک خزانہ (لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کا) ڈال دیا جاتا، یا (اور کچھ نہیں تو) اس کا کوئی (اپنا ہی) باغ ہوتا جس میں سے کھاتا۔ (یہ دلیلیں دے کر) ظالم کہتے ہیں کہ تم تو صرف ایک ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔) ایک دوسری جگہ ہے:۔ **وقال الملامن قومه الذین کفروا وکذبوا بلقاء الاخرة واترفنھم فی الحیوة الدنیا لا ما ھذا الا بشر مثلکم لا یاکل مما تاکلون منه ویشرب مما تشربون٥ ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخسرون ٥ایعدکم انکم اذا متم وکنتم ترابا وعظاماً انکم مخرجون ٥لا ص ھیھات طیھات لما توعدون ٥ لا ص ان ھی الاحیوتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین٥ص لا ان ھو الا رجل ن افتری علی الله کذبا وما نحن له بمؤمنین٥ قال رب انصرنی بما کذبون٥ قال عما قلیل لیصبحن نادمین ٥ج فاخذتھم الصیحة بالحق فجعلنھم غثآء ج فبعد القوم الظالمین ٥ ثم انشاء نا من بعدھم قرونا اخرین٥ط ما تسبق من امة اجلھا وما یستاخرون٥ط ثم ارسلنا رسلنا تترا ط کلما جآء امة رسولھا کذبوہ**

باقی اگلے صفحہ پر دیکھو

کم از کم ہم اپنے پروردگار کو دور سے ہی ان آنکھوں سے دیکھ لیتے تاکہ اس کے جاہ وجلال کو دیکھ کر ہم میں اشتیاق ملاقات پیدا ہوتا۔ قرانِ حکیم اس قطع کی کامچوری کا جواب یہ دیتا ہے کہ غافل اور کاہل قوموں کو جو ایسے لنگ عذر تراشتی رہتی ہیں اپنی اہمیّت کا بے انتہا غرور ہوتا ہے، وہ سعی و عمل سے کتراتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ وہ اس قدر بڑی ہیں کہ ان کے سامنے پکا پکایا حلوا آنا چاہیے۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ خدا سے ملاقات کن جانکاہ مراحل سے گذر کر اور کس زہرہ گداز سعی و عمل کے بعد واقع ہوسکتی ہے اور اسی بنا پر ایسی قوموں میں انتہائی طور پر سرکشی ہوا کرتی ہے جو ان کو عمل سے بے پرواہ کر دیتی ہے!

بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۶) فاتبعنا بعضهم بعضاً وجعلنهم احاديث فبعدا القوم لا يؤمنون ٥: (۲۳/۳) ترجمہ: اور قوم کے سربرآوردہ رہبروں نے جو منکر تھے اور آخرت میں (خدا سے ایک نہ ایک دن دوبدو) کے ملاقات کے تخیّل کا مضحکہ اڑاتے تھے اور جن کو ہم نے اس دنیا کی زندگی میں آسودہ حال کر دیا تھا، کہا کہ (دیکھو) یہ شخص تو تمہاری ہی طرح کا ایک آدمی ہے جو وہی شے کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو اور اگر تم نے اپنے جیسے (معمولی) آدمی کی پیروی کی تو لامحالہ تم گھاٹے میں ہوگے۔ کیا یہ تمہیں دھمکی دیتا ہے کہ (تم اپنے آپ کو ملاقات ربّ کے اہل بناؤ اور جو تھوڑی سی مہلت تمہیں دی گئی ہے اسی کے اندر اندر صحیفہ فطرت سے آیات الٰہی تلاش کر کے صاحب علم و عمل بن جاؤ ورنہ) جس وقت تم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں بن گئے تو یقینی طور پر تم (سزا دہی کے واسطے) باہر نکالے جاؤ گے (اور غافل قوموں سے بدلہ لیا جائے گا)۔ اسے وائے، یہ دھمکیاں جو دی جارہی ہیں عقل و قیاس سے بعید ہیں۔ یہاں (اس دنیا میں) تو یہی ہماری (عیش و عشرت کی) دنیاوی زندگی ہے۔ جس میں ہم مرجاتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں (اس کے بعد کون ہماری ٹوہ لگائے گا اور سزا کے لیے پکڑے گا) اور ہم تو (ہرگز) پھر اٹھائے جانے والے نہیں۔ یہ تو سوائے اس کے نہیں کہ ایک شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور ہم تو ہرگز اس پر ایمان والے نہیں۔ (اس پر ڈرانے والے نبی نے) کہا کہ اے ربّ میری مدد اس بارے میں کر جو مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ خدا نے کہا کہ ذرا سی دیر (انتظار کر) اور وہ نادم ہو کر صبح کریں گے۔ پھر ان کو (خدا کی دردناک) چیخ نے برحق پکڑ لیا اور ہم نے ان کو خس و خاشاک کا ڈھیر کر دیا۔ تو ظالم قوم دفع دور ہی ہو جائے (تو اچھا ہے)۔ پھر اس کے بعد ہم نے دوسری اُمتیں (ان کی جگہ لینے کے لئے) پیدا کر دیں تو کوئی اُمت نہ اپنی مدّت سے پہلے بڑھ سکتی ہے نہ وہ (مدّت سے) پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پھر ہم نے اپنے ایلچی پے در پے بھیجے (کہ حجّت باقی نہ رہے) لیکن جب بھی کوئی رسول آیا وہ اُمّت اس کو جھٹلاتی ہی رہی۔ پھر ہم ایک قوم کو دوسری کے پیچھے (رخصت) کرتے گئے حتیٰ کہ ان کی (لوگوں میں) کہانیاں بنا دیں تو دفع دور ہی ہو جائیں وہ قومیں جو (کائنات کے اس عظیم الشان مقصد پر) ایمان نہیں لاتیں!۔

کیا ان آیات الٰہی کے اس مربوط اور مدلّل ترجمے کے بعد کوئی گنجائش فہم باقی رہ جاتی ہے کہ دنیا کے عیش و عشرت میں مستغرق قومیں اور ان کے رہبر کیوں مقصدِ کائنات سے غافل ہیں اور کیوں قیامت اور حساب وہی سے منکر ہیں بلکہ یہ کہہ کر کہ اس دنیا کے بعد کچھ بھی نہیں ہوگا وہ دراصل اس سعی و عمل سے کترانا چاہتے ہیں جس کو خدا نے اس دنیا میں لازم قرار دیا ہے۔ فتدبّر۔

(۱۶۶) وقال الذین لا یرجون لقآء نا لولا انزل علینا الملائکة او نری ربناط لقداستکبروا فی انفسهم وعتوا عتوا کبیراo (۲۵/۳)

(۱۶۶) اور وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی دُھن نہیں رکھتے، (اپنی کٹ حجّتی میں) دلیل پیش کرتے ہیں کہ (اگر ملاقاتِ ربّ ایسی ہی ضروری اور اہم شے تھی تو) کیوں ہم پر فرشتے نہیں اتارے گئے (تاکہ ہم اس کی اہمیّت کو سمجھتے)، یا (کم ازکم) ہم اپنے رب کو (دور سے ہی) دیکھ لیتے۔ بے شک ان لوگوں نے اپنی حیثیت کے بارے میں بہت ہی تکبّر ظاہر کیا اور بہت ہی بڑی سرکشی کی ہے۔

قران حکیم لقائے ربّ کی اس حیرت انگیز ترغیب وتحریص سے بھی دس قدم آگے بڑھ کر اور لا تدرکہ الابصار: (۱۳/۶) (یعنی موجودہ انسانی آنکھیں خدا کی درک نہیں لگا سکتیں اور خدا کو پانے کے لئے کسی نئی آنکھوں کی ضرورت ہوگی) کا خدائی محاکمہ انسان کے سامنے رکھ کر، بلکہ انسان کی پیدائش کے تمام ابتدائی مراحل سلسلہ وار (یعنی مٹی کے قوام سے لے کر انسانی سمع وبصر اور ذہن کی تکمیل تک کے) گن کر ایک نہایت باریک اشارہ احسن الخلق انسان کی اس پیدائش کے بعد بھی کسی دوسری خلق جدید☆ کے واقع ہونے کے متعلق کرتا ہے جس سے مجھے غالب شک پڑتا ہے کہ سمع وبصر اور ذہن کے صحیح استعمال اور صحیفۂ فطرت کی تفتیش وتلاش کے سلسلے میں ہی انسان کی موجودہ تقویم میں ایک اور انقلاب آکر رہیگا جس انقلاب میں موجودہ سمع و بصر اورافـــدۃ اپنی پیدائش کا ایک اَور چولا بدلیں گے اور وہ چولا اس قطع کا ہوگا کہ خدا سے دوبدو ملاقات کا مسئلہ اس خلقِ جدید کے واقع ہونے کے بعد ممکن ہو سکے گا۔ میں اس تمام سورت کو یہاں پر نقل کر کے اس کا ایک مربوط ترجمہ دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہر صاحب نظر میری اس تشریح سے اتفاق کرے گا۔ سورۂ سجدہ حسب ذیل ہے اور اس کو سات حِصّوں میں مَیں نے تقسیم کیا ہے تاکہ ربط واضح ہو سکے۔

سورۂ سجدہ کا ناقابل رَدّ مفہوم

(۱۶۷) ا۔ المo تنزیل الکتب لا ریب فیه من رب العالمین oط ام یقولون افتراه بل هو الحق من ربک لتندر قوماً ما اتهم من نذیر من قبلک لعلهم

(۱۶۷) ا۔ (یہ قران) جہانوں کے پروردگار (اور تمام دنیا کے سب عالموں کی ہر شے کو نشوونما دینے والے) کی طرف سے اُس الکتٰب (یعنی صحیفہ فطرت کے علم) کی (انسان پر) اتاری ہوئی صورت ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں (اور جو ایک مستقل حقیقت ہے)

☆ان یشا یذھبکم ویات بخلق جدید: ۳/۱۴، ۳۵/۳ قران میں ہے یعنی خدا جب مناسب سمجھے گا تمہیں نیست کر کے بہتر مخلوق پیدا کر دے گا اس لئے 'جدید'' کے لفظ سے مقصد ''بہتر'' مخلوق ہے ''دوسری'' نہیں۔

سورۂ سجدہ کا ناقابلِ رَدّ مفہوم

یھتدون ٥ اللہ الذی خلق السموات والارض وما بینھما فی ستة ایام ثم استوٰے علی العرش ط مالکم من دونہ من ولی ولا شفیع افلا تتذکرون ٥ یدبر الامر من السمآء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدرہ الف سنة مما تعدون ٥ ذالک علم الغیب و الشھادة العزیز الرحیم ٥لا الذی احسن کل شیئ خلقہ وبداخلق الانسان من طین ٥ج ثم جعل نسلہ من سللة من مآء مھین ٥ج ثم سواہ و نفخ فیہ من روحہ وجعل لکم السمع و الابصار والافئدة ط قلیلاً ما تشکرون ٥ وقالوا اذا ضللنا فی الارض ☆ انا لفی خلق جدیدہ ط بل ھم بلقآی ربھم کفرون ٥ قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون ٥ع: (۱/۳۲)

اے پیغمبرؐ کیا یہ لوگ (تجھے اس کے مشکل ترین دستور العمل کو دیکھ کر) یہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ اِن کو کہہ دو کہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایک حقیقت ہے تاکہ تُو اس قوم کو (ہلاکت کے عذاب سے) ڈرائے جس کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ راست پر چلیں۔ (تو اس راہ راست کو سمجھنے کے لئے اس امر کی طرف خیال کرو کہ) خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ (بڑے بڑے لمبے) دنوں میں (جن کی مدّت لاکھوں اور کروڑوں برس کی ہے) پیدا کیا پھر تخت (حکومت) پر جم کر بیٹھ گیا۔ تو جب حکومت اس کی ہے سو چو کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی مددگار یا سفارشی نہیں (ہوسکتا)۔(۱) پھر کیا اس سے نصیحت نہیں پکڑتے؟ وہ (حاکم اعلیٰ) آسمان سے لے کر زمین تک ایک قانون کی تدبیر کرتا ہے پھر وہ (قانون) اُس (خدا) کی طرف ایک ایسے یوم (یعنی مدّت) میں (آہستہ آہستہ) ارتقا کرتا ہے (یعنی پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے) جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار برس کی ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ آئندہ احوال کو جاننے والا اور موجودہ حالات کو پرکھنے والا خدا جو (قوموں کو) بڑا ہی عزّت دینے والا اور (ان کی خوشحالی کے بارے میں ان پر) بڑی رحمتیں برسانے والا ہے۔(۲)۔ یہ وہی خدا ہے جس نے ہر شے کی خِلقت کو بہتر سے بہتر کر دیا ہے اور جس نے انسانوں کی خِلقت کو مٹی سے شروع کیا، پھر اس کی نسل کو گندے پانی کے ایک نچوڑ سے (قائم) کیا، پھر اس کے (اعضا کو) درست کیا (۳) اور اس میں اپنی (ربّانی صفات والی) روح کا

(۱) گویا اپنی بڑی حکومت کے سوچے سمجھے ہوئے قانون پر عمل کے سوا چارہ نہیں (۲) گویا عزّت اور رحمت اطاعت قانون سے ہی ہے (۳) گویا انسان احسن الخلق ہے۔

☆ قران میں ضلال کا لفظ ۶۱ جگہ استعمال ہوا ہے اور سب جگہ اس کے معنے ''گمراہی'' ہیں۔ اس لئے میں مفسرین کے معنوں سے انکار کرتا ہوں کہ صرف اس جگہ اس کے معنے ''مٹی میں رَل مِل جانا'' ہے۔

سورۂ سجدہ کا نا قابل رَدّ مفہوم

ایک حصہ پھونک دیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور ذہن ارزانی کر دیا (لیکن افسوس ہے کہ) تم بہت ہی کم (ان اشیا کی) قدر کرتے ہو۔(۱) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم جب اس زمین میں (اس طرح پر) گمراہ ہو گئے (جس طرح کہ یہ پیغمبر ہم کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اور صحیفہ فطرت کی ہدایتوں پر عمل کر کے ترقی کے انتہائی مقامات پر چڑھتے گئے) تو کیا فی الواقع ہم (اس سے بھی بہتر) نئی پیدائش ہو جائیں گے۔ (تکہ خدا سے دوبدو ملاقات کرنے کے قابل ہوسکیں)۔(۲) (انہوں نے کیا کسی بہتر یا نئی پیدائش میں بدلنا ہے) بلکہ وہ تو (سرے سے) اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں۔ انہیں کہہ دو کہ تم کو تو وہی موت کا فرشتہ ختم کر دے گا جو تمہارے سپرد کیا گیا پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے (تا کہ اپنے کئے کی سزائیں پاؤ)(۳)

۲. ولو تری اذا لمجرمون ناکسوا رؤسھم عند ربھم ط ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنونo ولو شئنا لاٰیتنا کل نفس ھدھا ولکن حق القول منی لاملئن جھنم من الجنة والناس اجمعین o فذوقوا بما نسیتم لقآء یومکم ھذاج انا نسینکم و ذوقوا عذاب الخلد بما کنتم تعملونo: (۲/۳۲)

۲۔اور کاش کہ تُو اس وقت ان مجرموں کو دیکھے کہ وہ سر لٹکائے ہوئے اپنے ربّ کے پاس (پکار رہے ہوں گے کہ) اے ہمارے پروردگار ہم نے (حقیقت کو) دیکھ لیا اور (اصلیّت کو) سمجھ لیا تو اب ہمیں (زمین کی طرف) واپس کر دے تا کہ ہم (وہی) مناسب ترین اعمال کریں (جن کا تُو نے حکم دیا تھا)۔ اب ہم کو درحقیقت یقین ہو چکا ہے۔ اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو ضرور ہر متنفّس کو اس کی راہ ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ قول پورا ہو کر رہے گا کہ میں ضرور جنّ و انس سب سے جہنّم کو بھر کر رہوں گا (۴) (کیونکہ مجھے یقین ہے کہ انسان اپنی خودسری، خودرائی اور کبر کے باعث حقیقتِ حال اور اس کائناتِ جہاں کی پیدائش کے آخری منشا

(۱) گویا انہی تین کے ذریعے ترقی کر سکتے ہو۔(۲) غور کرو کہ میں نے خلاف مفسّرین کیا عظیم الشان معانی بتلائے ہیں جن کا پورا ربط (۳) سے ہٹے
(۴) دیکھو حدیث القران آیت (۲۶) (صفحہ ۱۹۔

سورۂ سجدہ کا ناقبل رَدّ مفہوم

کو سمجھنے والا ہی نہیں)۔ پھر (ہم ان لوگوں کو کہیں گے کہ اس عذاب جہنّم کو) چکھو اس (گناہ) کی پاداش میں کہ تم آج اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے۔ بے شک ہم نے تم کو بھلا دیا اور یہ ہمیشگی کا عذاب چکھو اس کی پاداش میں جو تم جانتے تھے۔

۳. انما یومن بایتنا الذین اذا ذکروا بھا خروا سجد وسبحوا بحمد ربھم وھم لا یستکبرون ○ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً ومما رزقنھم ینفقون ○ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین ج جزآءٍم بما کانوا یعملون ○ افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا ط لا یستون ○ اما الذین امنوا وعملوا الصالحت فلھم جنت الماوی نزلاً بما کانوا یعملون ○ واما الذین فسقوا فماوی ھم النار ط کلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا وقیل لھم ذوقوا عذاب النار الذی کنتم بہ تکذبون ○: (۲/۳۲)

۳۔ (یاد رکھو) صرف وہی لوگ ہماری (صحیفۂ فطرت کی آیات کی) ہدایات کو (نفع مند) یقین کرتے ہیں جو جس وقت یہ آیات (ان کے سامنے حقیقت کے طور پر آ کر ان کو بیدار کر دیتی ہیں یعنی) متنبہ کر دیتی ہیں تو وہ لڑ کھڑا کر سجدے میں گر پڑتے ہیں (۱) اور اپنے پروردگار کے (کمال قدرت کو دیکھ کر) ترانہ حمد گاتے ہیں اور وہ (صحیفۂ فطرت کو محض لاشے یا ناقابل توجہ سمجھ کر) اکڑ نہیں کرتے (بلکہ) ان کے پہلو (اس اضطراب میں کہ وہ اس صحیفہ فطرت کی ماہیّت کو سمجھ کر ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچیں) بستروں سے آشنا نہیں ہوتے، وہ اپنے کو (سزا کے) خوف (سے) اور (دنیا میں بہترین چیزوں کے حاصل کرنے کی) طمع سے (ملاقات کی) دعوت دیتے رہتے ہیں۔(۲)۔ اور (پھر) جو کچھ انعامات (نئی نئی ایجادات کی صورت میں) ہم ان کو عطا کرتے رہتے ہیں ان میں سے (بہت سے) وہ (خلقِ خدا کی بہبودی کے لئے) عوام النّاس کو عطا کرتے رہتے ہیں (۳)۔ تو کوئی متنفس بھی نہیں جانتا کہ ایسے (صاحب علم وعمل) لوگوں کے لئے کیا آنکھوں کی ٹھنڈکیں (اور لازوال انعامات) چھپے پڑے رکھے ہیں۔ جو اُن کے عمل کے بدلے میں بطور جزا دیئے جائیں گے۔ تو کیا وہ قوم جو (صحیفہ فطرت پر) ایمان لے آئی اس کے برابر ہو سکتی ہے جو (منکر اور) بدکار ہو۔ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ تو وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اعمال صالحہ کئے ان کے لئے (بادشاہت

(۱) یہ وہ مرحلہ ہے جو ہر عالم کو پیش آتا ہے جب اس کو فطرت سے کوئی نئی چیز حاصل ہوتی ہے (۲) یعنی اس وقت خدا سے ملنے کا شوق بڑھ جاتا ہے (۳) یہی معنی ہو سکتے ہیں ورنہ عبارت بے ربط ہے۔

سورۂ سجدہ کا نا قابل رَدّ مفہوم

زمین کے) جنّات بطور پناہ کے ہوں گے اور یہ ان کے اعمال کی جزا میں اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی مہمانی ہوگی اور جو منکر اور بدکار ہو گئے تو ان کی جائے پناہ جہنم ہوگی، وہ اُس (ذلّت، غلامی، دُکھ اور تنگی کی) زندگی میں جب بھی ارادہ کریں گے کہ اس سے نجات پائیں تو بار بار اس میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا کہ اس جہنّم کا مزا چکھو جس کو تم (مخول سمجھ کر) جھٹلا رہے تھے۔ (غور کرو کہ غلام قوموں کی حالت آج بعینہ یہی ہے)۔

(۴) ولنذیقنهم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلهم یرجعون ٥ ومن اظلم ممن ذکر بایات ربه ثم اعرض عنهاؕ انا من المجرمین منتقمون٥: (۳/۳۲)

(۴) اور ضرور ہے کہ ہم ان قوموں کو چھوٹے چھوٹے وقتی عذاب (۱) ہلاکت کے بڑے عذاب کو چھوڑ کر (جو کہ ہماری انتہائی اور نا قابل معافی سزا ہے)، دیتے رہیں تا کہ شاید وہ (غفلت اور کاہلی کے گناہوں سے) باز آ جائیں۔ اور کون (قوم) اُس سے زیادہ ظالم ہے کہ اس کو اس کے پروردگار کی آیات کے متعلق تنبیہ کر دی گئی ہو اور پھر وہ اُن سے روگردان ہو جائے۔ ہم تو ضرور (ایسے) مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے۔

(۵) ولقد اتینا موسی الکتب فلا تکن فی مریة من لقآئه وجعلناه هدی لبنی اسرآئیل٥ وجعلنا منهم ائمة یهدون بامرنا لما صبروا وکانوا بایتنا یوقنون٥: (۳/۳۲)

(۵) اور بالتحقیق ہم نے موسیٰ کو (یہی قانونِ فطرت) الکتٰب (کی صورت میں) دے دیا تھا (اور اس کی قوم اس کے ذریعے سے ترقی کے فلک (افلاک تک پہنچ گئی) ۔تو (اے پیغمبرؐ!) تم بھی خدا سے ملاقات کے بارے میں شک میں نہ پڑنا اور ہم نے اس الکتٰب کو بنی اسرائیل کے لئے ایک (مجسمّہ) ہدایت بنا دیا تھا۔ اور (وہ اس ہدایت کی طفیل تمدن اور عمران کی اُن انتہائی منزلوں تک پہنچ گئے کہ) ہم نے انہیں میں سے (بڑے بڑے جیّد) رہنما اور امام پیدا کئے جو ہمارے قانون کو پیش نظر رکھ

(۱) یعنی اس قطع کے عذاب (مثلاً غم، بیماریاں، مفلسی، کثرت اموات، وغیرہ وغیرہ) جو مسلمانوں کو پچھلے دو تین سو برس سے مل رہے ہیں)۔

سورۂ سجدہ کا ناقابلِ رَدّ مفہوم

کہ اس وقت تک رہنمائی کرتے رہے جب تک وہ (سعی و عمل میں) مستقل مزاج رہے اور وہ ہماری (صحیفۂ فطرت سے ملی ہوئی اور وحی کی) آیات پر (کامل) یقین رکھتے تھے۔

(٦) ان ربک ھو یفصل بینھم یوم القیمة فیما کانوا فیه یختلفون ٥ اولم یھدلھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون یمشون فی مسکنھم ط ان فی ذالک لایتط افلا یسمعون ٥: (۳۲/۳)

(٦) (پھر ان میں (الکتٰب) کے علم کے متعلق، نیز وحی کی الکتٰب کی آیتوں کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا اور ان میں زوال شروع ہو گیا تو) بے شک تیرا پروردگار یوم حساب کو ان کے درمیان ان کے آپس کے اختلاف کے متعلق فیصلہ کرے گا (کہ زوال کا مجرم کون تھا)۔ کیا ان لوگوں کو یہ سوجھ نہیں آئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو (انہی جرموں کے باعث) ہلاک کر دیا تھا جن کے گھروں میں وہ اب چل پھر رہے ہیں۔ اس میں بے شک (ان کے لئے) ایک اشارہ ہے تو کیا وہ اس کو نہیں سنیں گے۔

(٧) اولم یروا انا نسوق المآء الی الارض الجرز فنخرج به ذرعاً تاکل منه انعامھم وانفسھم افلا یبصرون ٥ ویقولون متی ھذا <u>الفتح</u> ☆ان کنتم صدقین ٥ قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانھم ولاھم ینظرون ٥ فاعرض عنھم وانتظر انھم منتظرون ٥: (۳۲/۳)

(٧) اور کیا انہوں نے اس حقیقت کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم (اپنی رحمت کے) پانی کو (ہمیشہ) اُسی زمین کی طرف لے جاتے ہیں جو ہموار اور نیچی ہو (اور جس میں اونچ نیچ کی کجی نہ ہو)(۱)۔ (اسی طرح جو قوم ہموار اور اطاعت گذار ہو اس پر ہماری رحمت کے پانی برسا کرتے ہیں)۔ پھر اس پانی سے ہم کھیتیاں اور سرسبز درخت اُگاتے ہیں جن سے اُن کے مویشی اور وہ خود بہرہ مند ہوتے ہیں۔ (اور اسی طرح ایسی قوموں کو ہم نعمتوں سے مالا مال کر دیتے ہیں) تو کیا یہ لوگ اس حقیقت کو بصیرت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اور یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ یہ دن کب ہوگا جب (کائنات کی پیدائش کا آخری راز اور خدا سے دوبدو ملاقات) کا عظیم الشان واقع یعنی فتح ☆(۲) نمودار ہوگی اگر تم جو کہہ رہے ہو فی الحقیقت سچ ہے۔ ان کو کہہ دو کہ

(۱) یعنی جس قوم کی فطرت صالح ہو اور اس میں قبولیّت کا مادہ ہو اس میں تکبر اور غرور، ٹیڑھا پن نہ ہو☆(۲) یہ لفظ نہایت قابل غور ہے!

سورۂ سجدہ کا نا قابل رَدّ مفہوم

اس فتح کے دن منکروں کو ان کا ایمان کوئی نفع نہ دے گا اور نہ ان کو کوئی مہلت دی جائے گی۔

پس ان سے علیحدہ ہو جاؤ اور انتظار کرو (کیونکہ) وہ بھی (اپنی سزا ہی کا) انتظار کر رہے ہیں!۔

کیا اس مربوط اور مدلل ترجمے کے بعد ممکن ہے کہ کوئی شخص لقائے ربّ کے منتہا کو صحیفہ فطرت کی کامل تفتیش و تلاش اور سمع و بصر اور ذہن کے صحیح استعمال کے بغیر حاصل کرنا، یا سمع و بصر اور ذہن کی نعمتہائے الٰہی کا منتہا لقائے ربّ کے سوا ہونا یقین کرے۔ قران حکیم ایک انتہائی طور پر پُر از علم و خبر آسمانی صحیفہ ہے جس کا علم اس قدر اتھاہ ہے کہ سطح بین آنکھیں اس کی ظاہری بے ربطی کو دیکھ کر سٹ پٹا جاتی ہیں۔ لیکن اس کا استدلال اس قدر محکم اور نا قابل ردّ ہے کہ **عالم الغیب و الشھادۃ** خدا کی دی ہوئی حکمت اور خبر کے سوا اس کی آیات کے مطالب تک پہنچنا اور ایک آیت کی دلیل کو اگلی آیت کے بیان سے مربوط کر دینا محال ہے۔ سورۂ سجدہ کی اس تشریح کو آئندہ چل کر سورۂ جاثیہ کی تشریح کے بالمقابل آیت وار پیش کیا جائیگا تا کہ دونوں سورتوں کو پاس پاس رکھ کر دونوں کے استدلال کا مقابلہ کیا جائے۔ اور قطعی نتیجے تک پہنچا جائے کہ کائنات کی پیدائش کا منتہا **لقائے ربّ** ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

بلند نقطہ نظر سے اس کائنات فطرت کو دیکھنے والا انسان بھی انہی نتیجوں پر پہنچے گا۔ وہ سمجھتا ہے کہ صحیفۂ فطرت ہی وہ واحد عظیم الشان حقیقت ہے جو انسان کو اس دنیا میں نظر آ رہی ہے اور جس کی تمام پیدائش حیران کن ہے۔ انسان ہی وہ واحد وجود ہے جو اس صحیفہ فطرت کی کماحقہ قدر کر سکتا ہے۔ خالق کائنات کی توقع بھی اگر اپنی بیکراں حکمت کی قدر شناسی یا اپنی معرفت کے متعلق ہو سکتی ہے تو وہ صرف انسان سے ہے۔ نہیں بلکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ خدا نے فطرت پیدا ہی اسی لئے کی ہو کہ صاحب عقل و ادراک انسان لکھو کھہا سالوں کے سعی و عمل کے بعد قابلیّت کا وہ بلند مرتبہ حاصل کرے کہ خدا اس کو اپنی ملاقات کا اہل سمجھے۔ خدا کی بنائی ہوئی فطرت سے ہٹ کر تسبیحوں اور نمازوں کے ذریعے سے ''خدا تک پہنچنا'' ہر ہوشمند شخص کی نگاہوں میں ایک مضحکہ خیز بات معلوم دیتی ہے۔ انسان نے جو کارنامے اس وقت تک صحیفہ فطرت کی دریافت کے بارے میں کئے ہیں اور جو انعامات خدا کی طرف سے اس کو مِل رہے ہیں، وہ خود اس امر کی دلیل ہیں کہ فطرت کو بیکار اور باطل سمجھنا پرلے درجے کی جہالت ہے ''خدا تک پہنچنا'' دراصل خدا کی بنائی ہوئی فطرت کی حقیقت تک پہنچ کر خدا سے برابری کا ''مصافحہ'' کرنا ہے۔ خدا نے اپنی بنائی ہوئی فطرت کو ایک مُعما اور چیستاں ہی اسی لئے بنایا ہے کہ انسان اس کی پوری تلاش کر کے فطرت کے راز کو یکسر کھول دے یہی **یوم فتح** ہے، اور یہی آفرینش کا آخری مدّعا ہے۔ فتدبّر۔

۵۔معرفتِ خدا کے تین اوزار (سمع و بصر وافئدۃ)

خدا اور بشر کا باہمی تعلق واضح کر دینے کے بعد جو سوال اٹھتا ہے یہ ہے کہ لقائے ربّ کے اس آخری مرحلے تک پہنچنے کیلئے وہ کیا اوزار ہیں جن سے انسان معرفتِ ربّ حاصل کرے اور تسخیر فطرت کی اس انتہائی منزل تک پہنچ سکے۔قران حکیم کے اس نکتہ کا حلّ حدیث القران کی تمہید☆ میں مَیں نے پیش کر دیا ہے۔ خدائے عظیم یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے اس زمین پر وجود کے کسی مرحلے میں ماسوا علم کے کسی ظنّ وگمان کی پیروی نہ کرے۔اسی نقطہ نظر سے ذالک مماّ اوحی الیک ربک من الحکمۃط :(۴/۱۷) کے الفاظ کہہ کر اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسؤلا o: (۴/۱۷) کا فرمان ایزدی ربّانی حکمت ہے جس کی اہمیّت انسان پر بدرجہ اُولیٰ واضح ہونی چاہیے۔الم تروا (کیا تم نے نہیں دیکھا)،اولم یروا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا)،الم تر (کیا تُو نے نہیں دیکھا)،اولم یھدلھم (کیا ان کو یہ ہدایت نہیں ہوئی)،اولم یعلموا (کیا ان کو اس امر کا علم نہیں ہوا)،اولم یتفکروا (کیا انہوں نے نہیں سوچا)،اریتم(کیا تم نے دیکھا)،افلم ینظروا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا)، کے الفاظ جو بار بار قران حکیم میں اس سلسلے میں آتے ہیں اور جواب تک (۱۸)،(۲۲)،(۲۹)، (۳۰)، (۳۳)، (۴۳)، (۴۶)، (۴۹)، (۵۳)، (۵۸)، (۵۹)، (۶۱)، (۶۲)، (۶۶)، (۷۱)، (۷۲)،(۷۳)،(۷۸)،(۸۰) وغیرہ میں آ چکے ہیں۔اس بات پر صاف دلالت کرتے ہیں کہ خدا کی کسی حقیقت کو دلنشین کرنے کی سفارش انسان کی آنکھ سے ہے۔وہ کسی ایسی قطع کی حُجّت سامنے رکھ کر انسان کو قائل نہیں کرتا جس کا تعلق انسان کے براہ راست علم سے نہ ہو،اور ظن ووہم یا نظر سے غائب شے کو حُجّت قرار نہیں دیتا۔ اسی سلسلے میں ایک اور قرانی آیت ہے جو بے حد توجہ کی محتاج ہے اور جس میں خدائے عظیم نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ کتاب (یعنی قران) وہ کتاب ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کو پہلے مضبوط کیا گیا ہے تا کہ اس کی حجّت میں کسی قسم کی کمزوری باقی نہ رہے، پھر کائنات کی سب سے زیادہ پُر حکمت اور سب سے زیادہ باخبر ہستی (یعنی خدا) کے ہاں سے (اس آیت کی تفصیل وتشریح کرائی گئی ہے: کتب احکمت ایتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر oط: (۱/۱۱) (ھود:۱) اس دعوے کو پیش نظر رکھ کر کوئی شخص قران حکیم کی کسی آیت کو لغو یا بے معنی یا فضول

☆ دیکھو صفحہ ۸

یا غیر اہم سمجھ کر نظر انداز نہیں کر سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ انسان اس وقت اس چھوٹی سی کتاب کو جسے قرآن کہتے ہیں اس نقطہ نظر سے دیکھنے کی سعی کرے اور اگر وہ کسی آیت یا سورۃ کو پڑھ کر بے معنی سمجھتا ہے، یا اس کے مقصد کو سمجھنے سے قاصر ہے، یا کسی مافوق الفطرۃ مضمون کو پڑھ کر قران سے بے راز ہوتا ہے تو وہ صبر اختیار کرے اور سب سے پہلے صرف اُس حکمت کی طرف متوجہ ہو جو اس کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ مشکل اور پیچیدہ باتوں کے سمجھنے کے لئے اپنے دماغ کو ملتوی کر دے۔ صحیفہ فطرت کو سمجھنے میں بھی علمائے فطرت نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ یہی طریقہ خدا کے کلام کو سمجھنے میں نہ اختیار کیا جائے۔

انسان کو جو اوزار اس کائنات فطرت کو سمجھنے کے سلسلے میں ملے ہیں ان کے متعلق قرانی آیات یہاں جمع کر دی جاتی ہیں۔

(۱۶۸) واللہ اخرجکم من بطون امھتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرونo: (۱۱/۱۶)

(۱۶۸) اور خدا نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کسی شے کا علم نہ رکھتے تھے اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور ذہن بنا دیئے تا کہ تم (ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کر کے خدا کی بنائی ہوئی فطرت کے سچے) قدر دان بن جاؤ۔

حیرت ہے کہ ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد کسی چہرے کی خوبصورتی، یا بدن کے رنگ، یا جسم کے سڈول ہونے کا ذکر نہیں کیا، نقص یہ بتایا کہ وہ بچہ قطعاً کسی شے کا علم نہیں رکھتا اور سمع، ابصار اور افئدہ کی نعمت اس کو ارزانی کر کے انسان پر افسوس ظاہر کیا کہ وہ اس گراں بہا نعمت سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھاتا۔ یہ شکایت حسب ذیل آیت میں ہے:-

(۱۶۹) (ل) قل ھو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافدۃ ط قلیلا ما تشکرونo: (۶۷/۲)

(۱۶۹)(ل) (اے پیغمبرؐ!) کہہ دو کہ وہی (پاک ذات) ہے جس نے تمہیں نیست سے ہست کیا (اور سمجھ لو کہ اس تمہارے وجود کی ابتدا کرنا کتنا عظیم الشان کام تھا)۔ اور (پھر اس عظیم الشان احسان کے ساتھ ساتھ) تمہارے (فائدے کے) لئے کان اور آنکھیں اور ذہن بنا دیئے (لیکن افسوس ہے کہ تم ان کو استعمال کر کے میری) تھوڑی ہی چیزوں کے قدر دان ہو۔

نہیں بلکہ **انشاکم وجعل لکم** کی جگہ ایک دوسری سورت میں **انشالکم السمع** کے نہایت معنی خیز الفاظ کہہ کر حیرت انگیز اشارہ کر دیا ہے کہ یہ **سمع** اور **بصر** اور **افئدہ** ابھی بھی ابتدائی حالت میں ہیں اور

اُن کا ارتقا ایک نہ ایک دن ضرور آگے چل کر ہوگا! کیا یورپ کے بڑے سے بڑے سائنسدان اس حیرت انگیز انکشاف کو دیکھ کر اپنا سَر قرآن عظیم کے آگے نہ جھکا دیں گے اور آمنّا نہ پکار اٹھیں گے؟:۔

(۱۶۹) (ب) وھو الذی انشالکم السمع والابصار والافئدۃط قلیلا ما تشکرونo: (۵/۲۳)

(۱۶۹)(ب) اور وہ (پاک ذات خدا) وہ ہے جس نے تمہارے (استعمال کے) لئے کانوں اور آنکھوں اور ذہنوں کی (پیدائش کی) **ابتدا** کر دی۔ (تو اس قابل رشک مرتبے کے (باوجود) بہت ہی تھوڑی چیزیں ہیں جن کی قدردانی تم (ان کے استعمال سے) کر رہے ہو۔

(۱۷۰) ولقد مکنھم فیمآ ان مکنکم فیه و جعلنا لھم سمعا وابصارا وافئدۃ زصلے **فمآ اغنی عنھم سمعھم ولآابصارھم و لا افئدتھم من شیی اذ کانوا یجحدون بایت اللہ وحاق بھم ما کانوا به یستھزءُونo: (۳/۴۶)**

(۱۷۰) اور بالتحقیق اور بالضرور ہم نے ان کو ایسی (عمدہ) جگہ دی کہ ہم نے تم کو بھی ایسی (عمدہ) جگہ نہ دی تھی اور ان کو کان اور آنکھیں اور ذہن (بھی) دیئے لیکن نہ ان کے کانوں، نہ آنکھوں، نہ ذہنوں نے اُن کو فائدہ نہ دیا جبکہ وہ خدا کی دی ہوئی صحیفہ فطرت کی) آیات کا انکار کرتے تھے اور جن (آیات) کو وہ ہنسی مخول سمجھتے تھے وہی ان کے لئے باعث عذاب بن گئیں۔ (گویا قانونِ خدا نہ سمجھنا باعثِ ہلاکت ہوا)۔

(۱۷۱)(ل) الذی احسن کل شیئ خلقه وبدا خلق الانسان من طینoج ثم جعل نسله من سللة من ماء مھین o ثم سوہ و نفخ فیه من روحه وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃط قلیلا ما تشکرونo: (۱/۳۲)

(۱۷۱)(ل)۔ وہ وہ (پاک ذات) ہے جس نے ہر شے کی پیدائش کو بہتر (سے بہتر بنایا اور انسان کی پیدائش کی ابتدا مٹی سے کی۔ پھر اس کی نسل کو گندے پانی کے خلاصے سے جاری کیا، پھر اس (کے اعضا) کو درست کیا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی اور (اب ان تمام تبدیلیوں کے بعد) تمہارے (استعمال کے) لئے کان اور آنکھیں اور ذہن بنائے (لیکن افسوس ہے کہ) تم (ان نعمتوں کی) بہت ہی تھوڑی قدر کرتے ہو۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہ انسان کی تخلیق کا کمال یہ ہے کہ اس کو سمع، بصر اور فواد دیئے اور اس عطیّہ کے بعد اس کی خلقت بہترین کر دی کیونکہ یہ اعضا کمتر درجے کے حیوانات میں اس درجے تک مکمّل نہیں جس درجے تک کہ انسان کے اندر ہیں۔

اس سلسلے میں ایک معمولی سا شُبہ افئدۃ اور فواد کے صحیح مفہوم کے متعلق ہے جس کا رفع کر دینا یہاں ضروری ہے۔ فواد کا ترجمہ قلب، یعنی دل ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ ذہن یعنی دماغ کیا ہے۔

عرب کے نزدیک دل اور دماغ ایک ہی شے ہے اور ان میں کوئی نمایاں فرق نہیں کیونکہ جس شے کو دماغ تسلیم نہ کرے اس کو "دل"، تسلیم نہیں کرتا چنانچہ قران حکیم میں خدا نے بھی قلوب کو تعقل کی جگہ قرار دیا ہے۔ اور قلب یعنی ذہن کو سینے میں رکھا ہے:۔

(ب) افلـم یسیـروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او اذان یسمعون بھاج فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدورo: (۲۲/۶)

(۱۷۱) (ب) تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے "دل" ہوتے جن سے تعقّل کرتے (یعنی سمجھتے) یا کان ہوتے جن سے سُنتے۔ کیونکہ درحقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ "دل" اندھے ہو جایا کرتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔ (حیرت انگیز بات یہ ہے کہ "سینوں" کا لفظ کہہ کر "دماغ" کا مقام بھی بتلا دیا کہ وہ "دل" ہے گویا "دل" نہیں مانتا تو "دماغ" کیا مانے۔

ان تینوں اعضائے انسانی کے عطیّہ کے علاوہ قران حکیم میں کسی اور عضو کے عطیّے کا کوئی خاص ذکر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہی وہ اعضائے شریفہ ہیں جن کے باعث انسان کو تمام ارضی مخلوق پر تفوق حاصل ہے اور جو تمام علم و خبر کے مصدر ہیں۔ اندریں حالات لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ظنونِ واہمہ اور فرضی باتیں جو دین اسلام کے گرداگرد لوگوں کی مکاری خودرائی اور نفس پرستی کے باعث پیدا ہو گئی ہیں محض پاکھنڈ ہیں اور انسان کے لائق نہیں کہ اُن کی طرف توجہ دے۔

۶۔ مقامِ کتاب (اَلْکِتٰب)

مسئلہ اتحّادِ عالم

ان معاملات کے فیصلہ ہو جانے کے بعد جائے غور یہ ہے کہ پیغمبروں کی وساطت سے بھیجی ہوئی کتاب کیا تھی اور کیا ہے، اس کتاب کی کیا خصوصیّت تھی، اُس کا موضوع کیا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ اگر سمع و بصر اور افئدہ انسان کے علم کے اوزار ہیں تو انسان کو مخصوص وحی کی کیا ضرورت تھی۔ کتاب اگر خدا کا ایک پیغام مختلف انبیا کی وساطت سے تھا تو وہ ایک پیغام کیوں انسان کو متحد نہیں کر سکا۔ کیوں نسل انسانی کے الگ الگ گروہ بن گئے جو اکثر مذہب کی بنا پر ہی آپس میں جنگ و جدال میں مصروف

ہیں۔اور فرشتوں کا کہا پورا ہوکر رہا کہ یہ انسانی نسل زمین میں فساد اور خونریزی کرے گی۔اس مطلب کو حل کرنے کے لئے یہاں پر سلسلہ وار آیات جمع کر دی جاتی ہیں جن سے مذکورہ بالا معاملات کے متعلق قطعی فیصلہ پر پہنچنا آسان ہوجائے گا:۔

(۱۷۲) ۱۔ الله الذی انزل الکتب بالحق والمیزانط (۴۲/۲)

(۱۷۲)۱۔خدا وہ ہے جس نے الکتٰب کو برحق طور پر نازل کیا اور المیزان کو۔

(۲) لقد ارسلنا رسلنا بالبینت وانزلنا معھم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسطج : ☆ (۵۷/۳)

(۲) بے شک اور بالضرور ہم نے اپنے ایلچی روشن احکام دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ ایک الکتٰب اور المیزان اتاریں تاکہ لوگ درمیانی راستے (یعنی عدل وانصاف اور سیدھے راستے) پر قائم رہیں۔

(۳) نزل علیک الکتب بالحق مصدقا لما بین یدیه وانزل التورة والانجیللا من قبل ھدی للناس وانزل الفرقان۵ط ان الذین کفروا بایت الله لھم عذاب شدیدط :(۳/۱)

(۳)(اے پیغمبرؐ!) تجھ پر خدا نے الکتٰب برحق اُتاری جو اُس (فطرت) کی تصدیق کر رہی ہے جو اس کے سامنے ہے اور اس سے پہلے توراۃ اور انجیل اتاریں جو لوگوں کے لئے ہدایت تھیں اور الفرقان اتارا بے شک وہ لوگ جو خدا کے احکام کے منکر ہیں ان کو سخت ترین عذاب ہوگا۔

(۴) ولقد اتینا موسی الکتب لعلھم یھتدونo: (۲۳/۳)

(۴)اور بے شک اور بالضرور ہم نے موسیٰؑ کو الکتٰب دی کہ شائد لوگ راہ راست پر آ جائیں۔

(۵) واذ اتینا موسی الکتب والفرقان لعلکم تھتدونo :(۲/۶)

(۵)اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰؑ کو الکتٰب اور الفرقان دیئے تا کہ تم راہ راست پر آ جاؤ۔

(۶)۔ ولقد اتینا موسی الکتب وجعلنا معه اخاہ ھرون وزیراoج صلے : (۲۵/۴)

(۶)اور بے شک اور بالضرور ہم نے موسیٰؑ کو الکتٰب دی اور اُن کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو (اس کا) وزیر مقرر کیا۔

(۷) ولقد اتینا موسی الکتٰب وقفینا من بعدہ بالرسل ز واتینا عیسی ابن مریم البینات وایدنه بروح القدسط :(۲/۱۱)

(۷)اور بے شک اور بالضرور ہم نے موسیٰؑ الکتٰب دی اور اس کے بعد پے در پے ہم نے (دوسرے) ایلچی بھیجے (تاکہ اس الکتٰب پر عمل مکمّل ہوتا جائے) اور عیسیٰ بن مریم کو روشن احکام دیئے اور اس کی مدد روح القدس سے کی۔

☆اس آیت سے واضح ہو گیا کہ سب پیغمبروں پر ایک ہی شے یعنی الکتٰب بھیجی گئی تھی۔اور دوسری جگہ ہے کہ ہر قوم، ہر قریہ، ہر اُمّت، ہر بستی میں پیغمبر بھیجے گئے۔ جو لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ہوں گے۔اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ الکتٰب صرف قانون فطرت یا اس کا کوئی حصّہ تھا۔ اور انسان کا اس کتاب کے متعلق تعصّب نرا بیہودہ پن ہے۔

(٨) ولقد اتينا موسى الكتب من بعد ما اهلكنا القرون الاولى بصآئر للناس وهدى ورحمة لعلهم يتذكرونo: (٥/٢٨)

(٨) اور بے شک اور بالضرور ہم نے موسیٰؑ کو پہلی امتوں کے ہلاک کر دینے کے بعد الکتٰب دی (تاکہ لوگوں کے لئے غور کی بات ہو اور ہدایت اور رحمت ہو اس غرض سے کہ شاید وہ اس سے نصیحت پکڑیں)

(٩) ولقد اتينا موسى الهدى واورثنا بنى اسرآئيل الكتب o لا هدى وذكرى لاولى الالبابo: (٦/٤٠)

(٩) اور بے شک اور بالضرور ہم نے موسیٰؑ کو الھدی دی اور بنی اسرائیل کو الکتٰب کا وارث بنایا (جو کہ) دانشمند لوگوں کے لئے ہدایت اور عبرت تھی۔

(١٠) ووهبنا له اسحاق و يعقوب وجعلنا فى ذريتها النبوة والكتب واتينه اجره فى الدنياج وانه فى الاخرة لمن الصالحينo: (٣/٢٩)

(١٠) اور ہم نے (حضرت ابراہیمؑ) کو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ عطا کئے اور اس کی نسل میں نبّوت اور الکتٰب دونوں کر دیئے اور (ابراہیمؑ) کو اس (کے عمدہ کاموں کی) اُجرت اس دنیا میں (ہی) دے دی اور بے شک وہ آخرت میں (بھی) صالحین میں سے ہوگا۔

(١١) ولقد اتينا موسى الكتب فلا تكن فى مرية من لقآئه وجعلنه هدى لبنى اسرآئيلoج وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا ط قف وكانوا باٰيتنا يوقنونo: (٣/٣٢)

(١١) اور بے شک اور بالضرور ہم نے موسیٰؑ کو الکتٰب دی تو (اے پیغمبرؐ!) تُو خدا کی ملاقات کے متعلق شک میں نہ پڑ اور ہم نے اس بنی اسرائیل کے لئے (صاحبِ) ہدایت بنا دیا اور ان میں سے ہی ہم نے امام پیدا کئے جو ہمارے قانون کے مطابق لوگوں کو راہ راست دکھاتے تھے جب تک وہ صاحب استقلال بنے رہے اور وہ ہمارے احکام پر (کامل) یقین رکھتے تھے۔

(١٢) والذى اوحينا اليك من الكتب هو الحق مصدقا لما بين يديه ط ان الله بعباده لخبير بصير o ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا من عبادنا ج فمن هم ظالم لنفسه ج ومنهم مقتصد ج ومنهم سابق

(١٢) اور جو شے الکتٰب میں سے ہم نے تم پر وحی کی ہے وہ برحق ہے اور اس شے کی تصدیق کر رہی ہے جو اس کے سامنے ہے۔ بے شک خدا اپنے بندوں (کے اعمال) کے متعلق پورے طور پر باخبر اور ان کو نہایت غور سے دیکھ رہا ہے۔ پھر ہم نے اس الکتب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا تو ان میں سے وہ ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا

بالخیرات باذن اللہ ط ذالک ھو الفضل الکبیرo ط: (۴/۳۵)
اور وہ ہیں جو میانہ رو رہے اور وہ جو خدا کے حکم سے نیکیوں کی طرف لپک لپک کر پہنچتے رہے اور یہ بڑا بھاری فضلِ خدا تھا۔
(۱۳) انا انزلنا علیک الکتب للناس بالحق ج فمن اھتدی فلنفسہج فمن ضل فاما یضل علیھا ج وما انت علیھم بوکیلo: (۴/۳۹)
(۱۳) درحقیقت ہم نے تم پر لوگوں (کی ہدایت) کے لئے برحق طور پر الکتٰب اتاری تو جو سیدھی راہ پر لگ گیا تو وہ اپنے نفس کے فائدے کے لئے لگا رہا اور جو گمراہ ہو گیا وہ خود ہی گمراہی کا ذمہ دار ہے اور تُو اُن پر کوئی وکیل تو مقرر نہیں۔
(۱۴) ومن قبلہ کتب موسیٰ اماماً ورحمۃط وھذہ کتب مصدق: (۴۶/۲)
(۱۴) اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب بطور رہنما کے تھی اور رحمت تھی اور یہ کتاب (یعنی قرآن) (اس کی) تصدیق کر رہا ہے۔
(۱۵) وانزلنا الیک الکتب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتب ومھیمنا علیہ فاحکم بین ھم بمآ انزل اللہ: (۵/۷)
(۱۵) اور ہم نے تیری طرف الکتٰب برحق طور پر اتاری جو اس کی تصدیق کر رہی ہے جو اس کے سامنے الکتٰب میں سے ہے (یعنی صحیفۂ فطرت جس کو کئی بار الکتٰب کہا گیا ہے) اور اس کی محافظ ہے پس تو اُن کے درمیان اسی کتاب کے ذریعے سے حکومت کیا کر۔
(۱۶) ولا تتخذوا ایت اللہ ھزوا ز واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتب والحکمۃ یعظکم بہط واتقو اللہ: (۲/۲۹)
(۱۶) اور اللہ کی آیات کو ہنسی مخول نہ سمجھا کرو۔ اور اللہ کے احسانوں کو جو تم پر کئے یاد کرو اور جو کچھ تم پر الکتٰب میں سے اتارا اور حکمت سے وہ تم کو اسی سے پند لینے کی کہتا ہے اور اللہ سے ڈرو۔
(۱۷) ھو الذی انزل علیک الکتب منہ ایت محکمت ھن ام الکتب واخر متشابھتط: (۳/۱)
(۱۷) وہ ہے جس نے تم پر الکتٰب اتاری، اس میں وہ احکام میں جو بالکل پختہ اور اصولی ہیں۔ یہ وہ ہیں جو الکتٰب کی بنیاد ہیں اور دوسرے (بھی) ہیں جو ملے جلے ہیں۔
(۱۸) ذالک الکتب لا ریب فیہ ج (۲/۱)
(۱۸) یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔
(۱۹) ولقد انزلنا الیک ایت بینت ج وما یکفر بھا الا الفسقونo: (۲/۱۲)
(۱۹) اور بے شک اور بالضرور ہم نے تم پر روشن آیات اتاریں اور سوائے فاسقوں کے کوئی ان کا انکار نہیں کرتا۔
(۲۰) کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتب و
(۲۰) جس طرح کہ ہم نے تم میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تم پر پڑھتا ہے اور تم کو پاکیزہ بنا رہا ہے، اور تم کو الکتٰب اور

الحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمونo: (۱۸/۲)

الحکمۃ کاعلم دے رہا ہے اور تم کو ان باتوں کا علم دے رہا ہے جو (اس سے پہلے) تم نہ جانتے تھے۔

(۲۱) وما ارسلنا من رسول الابلسان قومہ لیبین لھمط (۱/۱۴)

(۲۱) اور ہم نے کوئی رسول (آج تک نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ اس قوم کی زبان میں (پیغام لے کر آیا) تا کہ قوم پر پوری طرح (ہمارے احکام) روشن کر دے۔

(۱۷۳) (ا) الذین اتینھم الکتب یتلونہ حق تلاوتہ ط اولئک یؤمنون بہط: (۱۴/۲)

(۱۷۳)(ا) جن لوگوں کو ہم نے الکتٰب دی وہ اس کو پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے اور یہی وہ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔ (گویا اس نیّت سے پڑھتے ہیں کہ ان احکام پر عمل کریں۔ بدنیت نہیں کہ احکام کے کچھ کے کچھ معنی بنالیں)۔

(ب) وکذالک انزلنا الیک الکتبط فالذین اتینھم الکتب یؤمنون بہ ج ومن ھولاء من یؤمن بہ ج ط وما یجحد بایتنآ الا الکافرونo: (۵/۲۹)

(ب) اور اسی طرح ہم نے تم پر الکتٰب اتاری (اگر چہ وہ دوسری زبان میں ہے) لیکن جن کو ہم نے (تم سے پہلے) الکتٰب دی وہ (چونکہ بدنیّت نہیں اس کو بھی خدا کی کتاب تسلیم کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان لوگوں میں سے بھی (جو اس وقت تمہارے سامنے ہیں کئی ایسے ہیں جو) ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں سے انکار کرنے والے تو کافر ہی ہیں (جن کی نیت ماننے کی ہے ہی نہیں)

(ج) بل ھو ایت بینت فی صدور الذین اوتوا العلمط وما یجحد بایتنآ الا الظلمونo: (۵/۲۹)

(ج) نہیں بلکہ یہ (قران) تو اہل علم لوگوں کے سینوں میں روشن آیات ہیں (وہ خواہ کسی زبان میں الکتٰب ہو تسلیم کر لیتے ہیں) اور ہماری آیات سے انکار تو وہی لوگ کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔

(۱۷۴) ا۔ الذین اتینھم الکتب یعرفونہ کما یعرفون ابنآء ھم وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھو یعلمونoم (۱۷/۲)

(۱۷۴) ا۔ اور جن کو ہم نے الکتٰب دی تو وہ (خواہ کسی زبان میں ہو اور کسی نبی کی وساطت سے آئے) اس کو (فوراً) پہچان لیتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو (خواہ وہ کسی لباس میں آئیں) اور بے شک ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو (اس تمہارے قران کو یہ سمجھ کر کہ دوسری زبان میں اور دوسرے نبی کے ذریعے سے آیا ہے یہ کہتے ہیں

کہ ہم نہیں پہچانتے کہ یہ کیا ہے اور) اس طرح حق کو چھپاتے ہیں۔ حالانکہ وہ (اندرونی طور پر جانتے ہیں (کہ یہ وہی شے ہے جو پہلے نبیوں کو آئی تھی)۔ (اس سے ظاہر ہے کہ یہ شے قانونِ فطرت ہی تھا۔)

(۲) ان الذین یکتمون مآ انزلنا من البینت (۱) **والھدی من م بعد ما بینہ للناس فی الکتب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنونoلا:** (۲/۱۹)

(۲) بے شک وہ لوگ جو ان روشن احکام اور خالص ہدایت کو جو ہم نے (پیغمبروں پر) اتاری اس فعل کے بعد کہ ہم نے اس (امرِ مہم) کو الکتٰب کے اندر (عام) لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے بالکل واضح کر دیا، چھپاتے ہیں (یا توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں تا کہ قانونِ خدا پر عمل کرنے میں آسانیاں ہوں) تو ایسے ہی لوگ (وہ نابکار) ہیں جن کو خدا لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (گویا قانونِ خدا کو بدلنا سخت بُرا ہے)۔

(۳) ان الذین یکتمون مآ انزل اللہ من الکتب ویشترون بہ ثمنا قلیلاً اولئک ما یاکلون فی بطونھم الاالنار ولا یکلمھم اللہ یوم القیمۃ ولا یزکیھم ج صلے **ولھم عذاب الیمo:** (۲/۲۱)

(۳) بے شک وہ لوگ جو اس شے کو چھپاتے ہیں (اور واضح الفاظ میں تسلیم نہیں کرتے) جو خدا نے الکتٰب کے طور پر اتاری ہے اور اس انکار کے بدلے تھوڑا سا دنیاوی فائدہ (یعنی اپنے پیروؤں کی خوشنودی اور الکتٰب کے احکام پر عمل کرنے سے گریز کرنے کی صورت میں اپنے رہنماؤں سے محبّت) حاصل کر لیتے ہیں، تو یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں سوائے آگ کے کچھ نہیں بھرتے اور روزِ قیامت کو خدا اُن سے کلام تک نہ کرے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ (گویا خدا سے ملاقات اس کے قانون پر مکمل عمل سے بھی ہے)۔

(۴) الم ترالی الذین اوتوا نصیباً من الکتب یدعون الی کتب اللہ لیحکم بینھم ثم یتولی فریق منھم وھم معرضون o ذلک بانھم قالو لن تمسنا النار

(۴) کیا تُو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو (خدا کی بھیجی ہوئی) الکتٰب کا ایک حِصّہ مل چکا ہے کہ وہ (خدا کی زیادہ مکمّل اور نئے پیغمبر کی وساطت سے بھیجی ہوئی) کتاب کی طرف بلائے جا رہے ہیں تا کہ وہ اُن کے درمیان بطور حَکم کے کام کرے (لیکن) پھر

(۱) دیکھو صفحہ ۱۱۸☆

الا ایاماً معدودتٍ ص وغرھم فی دینھم ما کانوا یفترونo: (۳/۳)

لوگوں میں سے کا ایک گروہ مُنہ پھیر لیتا ہے اور (کتاب خدا سے) ہٹ جاتا ہے (کیونکہ ایسے لوگوں کو خدا کے نئے احکام پر عمل کرنا اور نئی تکلیف اٹھانا موت کی طرح مشکل نظر آتا ہے) ۔ یہ اس لئے ہے کہ (ان کے مذہب کے پرانے ہو جانے اور کتابِ خدا کا غلط اور محرّف شدہ مفہوم لینے کی وجہ سے) وہ (اس قطع کا عقیدہ رکھّے ہوتے ہیں کہ) کہتے ہیں کہ ہم کو تو (جہنّم کی) آگ صرف چند دن تک چھوئے گی (اور ہم صرف عقیدہ رکھنے کی وجہ سے بغیر کسی عمل کرنے کے سیدھے جنّت میں جائیں گے) اور (شیطان نے) ان کو اُن کے دین میں اس تہمت اور جھوٹ کے متعلق دھوکہ دیا ہوا ہے جس کو وہ من گھڑت طور پر بناتے ہیں ۔

(۵) یا اھل الکتاب لم تلبسون الحق بالباطل وتکتمون الحق وانتم تعلمونo: (۳/۷)

(۵) اے الکتٰب کے وارثو! (خدا کے واسطے بتاؤ کہ) تم کیوں جھوٹ کو سچ پر لپیٹ رہے ہو اور حق کو اس صورت میں چھپاتے ہو کہ تم کو (اچھی طرح) علم ہے کہ (سچ یہی ہے جواب خدا کی طرف سے اُترا ہے) ۔ (گویا انسان فطرتاً جانتا ہے کہ اس نے کیا جھوٹ بنایا ہے)

(۶) واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ ز فنبذوہ ورآء ظھورھم واشتروبہ ثمناً قلیلاط فبئس ما یشترونo (۳/۱۹)

(۶) اور (وہ وقت یاد کرو) جب خدا نے ان لوگوں سے پکّا وعدہ لیا جن کو الکتٰب دی گئی تھی کہ تم ضرور اس (کے احکام) کو اچھی طرح (اور بغیر لاگ لپیٹ) لوگوں پر روشن کر دینا (اور کوئی غلط فہمی کی گنجائش نہ چھوڑنا) اور ہرگز اس کو چھپانا نہیں، تو پھر (باوجود اتنی تاکید کے) ان لوگوں نے اس الکتب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ دیا (اور لوگوں کو اناپ شناپ اور آسان باتیں بنا کر الکتٰب سے غافل کر دیا) اور تھوڑے سے دنیاوی فائدے (یعنی اپنی ہر دل عزیزی یا ذاتی محبّت) کے عوض میں الکتٰب کو بیچ دیا۔ تو (یاد رکھو کہ) یہ جو کچھ خریدتے ہیں وہ بہت ہی بُرا ہے (کیونکہ اس کے عوض میں قوم غافل ہو کر بربادی اور ہلاکت کے کنارے پر آ لگے گی) ۔

(۷) الم ترالی الذین اوتوا نصیباً من الکتب یشترون الضللۃ: (۴/۷)

(۷) کیا تُو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو (خدا کی بھیجی ہوئی) الکتٰب کا ایک حصّہ (اس سے پہلے) مل چکا ہے کہ وہ گمراہی کو خرید رہے ہیں۔

(۸) الم ترالی الذین اوتو نصیبا من الکتب یؤمنون بالجبت والطاغوت: (۴/۸)

(۸) کیا تُو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو (خدا کی بھیجی ہوئی) الـکتٰـب کا ایک حصّہ (اس سے پہلے) مل چکا ہے کہ وہ (آج توڑ مروڑ کر) بُتوں اور شیطان پر ایمان لائے بیٹھے ہیں۔

(۹) ولـمـا جـآء هـم رسول من عند الله مصدق لما معهم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتب کتب الله ورآء ظهورهمo: (۲/۱۰۱)

(۹) اور جب (جب) ان (پُرانے پاپیوں) کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول آیا جو اس شے کی تصدیق کرتا تھا جو ان کے پاس تھی (اور کہتا تھا کہ دیکھو یہ پیغام جو میں لایا ہوں ٹھیک وہی ہے جو تمہارے نبیوں کے پاس مدّت ہوئی آیا تھا اس لئے آؤ اس پر عمل کریں) تو ان لوگوں میں سے جن کو الـکتٰـب (پہلے) دی گئی تھی، ایک گروہ (فوراً) ہٹ گیا اور اللہ کی کتاب ان کے پیٹھ کے پیچھے تھی (کیونکہ مدت کی بے عملی نے ان کو کتاب سے بیزار کردیا تھا)۔

(۱۷۵) ا۔ ولـو ان اهـل الـکتـب امنوا واتقوا لکفرنا عنهم سیات هم ولا دخلنهم جنت النعیمo ولـو انهـم اقـاموا التورة و الانجیل ومآ انزل الیهم من ربهم لا کلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهمط منهم امة مقتصدةط وکثیر منهم سآء ما یعملونo: (۵/۹)

(۱۷۵) ا۔ اور اگر یہ الـکتٰـب کے (پرانے) وارث (اِسی طرح) ایمان لے آتے (جس طرح کہ محمد صلعم کے نئے وارث قران پر عمل کر کے لے آئے ہیں) اور (اسی طرح) ڈرتے) (جس طرح کہ رسولؐ کے پیرو ڈرتے ہیں) تو ہم ضرور اُن سے ان کی بدحالیاں دور کر دیتے اور ضرور ہم ان کو نعمت سے بھرے ہوئے باغوں میں داخل کر کے (بادشاہ بنا کر) رہتے اور اگر وہ (قران نہ سہی صرف) تورات اور انجیل پر (ہی) قائم رہتے (جیسا کہ قائم رہنے کا حق ہے) اور اس پر عمل کرتے جو اللہ نے ان کی طرف اتارا تھا تو یقینی طور پر اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے خدا کی نعمتوں سے مالا مال ہو جاتے۔ (یہ ضرور ہے کہ) ان میں سے ایک گروہ ہے جو میانہ روی کر رہا ہے (یعنی نہ بہت سرگرمی سے عمل کر رہا ہے نہ بالکل غافل ہے لیکن) بہت سے ان میں سے

ایسے ہیں جو بُرا ہے جو عمل کر رہے ہیں۔

(۲) قل یا اھل الکتٰب لستم علی شیئ حتی تقیموا التورۃ والانجیل ومآ انزل الیکم من ربکم ط ولیزید ن کثیرا منھم مآ انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا ج فلا تاس علی القوم الکفرینo ان الذین امنوا والذین ھادوا والصابؤن والنصری من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولاھم یحزنونo: (۵/۱۰)

(۲) ان (پرانے) الکتٰب کے وارثوں کو (اے پیغمبرؐ) کہہ دو کہ تم ہرگز کسی (قابل توجہ) بات پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل پر اور جو تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا تھا (صحیح معنوں میں) قائم نہ ہو جاؤ (جیسا کہ قائم ہو جانے کا حق ہے) اور ضرور ہے کہ ان میں سے بہت تمہاری طرف اترے ہوئے احکام سے زیادہ بغاوت اور سرکشی کریں گے (کیونکہ وہ زیادہ نئے اور تکلیف دہ ہیں۔ اسی لئے ہم ان کو تورات اور انجیل سے زیادہ ماننے کے لئے بھی نہیں کہتے۔ وہ اتنا بھی نہ مان سکیں گے اس لئے) تم ان لوگوں پر جو منکر ہیں (اور عمل کی نیّت ہی نہیں رکھتے) افسوس نہ کرو۔ (ہمیں تمہیں مسلمانوں کی جماعت میں رسماً داخل کرنا بھی ضروری نہیں بلکہ ہم تو یہاں تک ہیں کہ) بے شک وہ لوگ جو (رسمی طور پر بطور مسلمان) ایمان لائے یا جو ''یہودی'' بن گئے، یا ''صائبین'' بن گئے، ''یا نصاریٰ'' بن گئے، ان میں سے جو کوئی بھی (صحیح معنوں میں) اللہ اور یوم آخر پر ایمان لے آیا اور اس نے عمدہ عمل کئے تو (بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس فرقے سے ہے) ان کو کوئی خوف نہیں ہوگا، نہ کوئی غم۔ (خدا تو تمام انسانوں کی ایک امت اور احکام پر دیانتدارانہ عمل چاہتا ہے اور بس)۔

(۱۷٦) یا اھل الکتاب قد جآء کم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتٰب ویعفوا عن کثیر ۵ط: (۵/۳)

(۱۷٦) اے الکتٰب کے (پرانے) وارثو! (اب تمہیں موت کیوں آ گئی کہ پیچھے ہٹے ہو۔ اب تو) ہمارا رسول تمہارے پاس البتہ پہنچ چکا ہے اور وہ اس شے کا بہت سا الکتٰب کا حصّہ کھول کھول کر تمہیں بیان کرتا ہے جس کو الکتٰب میں سے چھپایا کرتے تھے اور بہت سے حصّے سے (جس کی اس وقت ضرورت نہیں رہی درگذر کر رہا ہے)

(۱۷۷) یا ایھا الذین امنو آمنوا باللہ ورسولہ والکتٰب الذی نزل علی رسولہ والکتب

(۱۷۷) ا۔ اے ایمان والو! ایمان لے آ وَ اللہ پر (یعنی اسکے احکام عملاً مانو) اور اس الکتٰب پر جو اس کے رسول (محمدؐ) پر اتری اور اس الکتٰب

الذی انزل من قبلط : (۲۰/۴)

پر جواُس سے پہلے اتری (یعنی اس الکتٰب پر ایمان لانا بھی اس کے احکام پر عمل کرنا ہے اس کے سوا کچھ نہیں)

(۲) قل امنا بالله ومآ انزل علينا ومآ انزل علىٰ ابراهيم واسمعيل واسحاق ويعقوب والاسباط ومآ اوتى موسى وعيسى والنبيون من ربهم ص **لا نفرق بين احد منهم**ز **ونحن له مسلمون** o **ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه** ج **وهو فى الاخرة من الخسرين**o: (۹/۳)

(۲) (اے پیغمبرؐ!) کہہ دو کہ ہم ایمان اللہ پر لے آئے اور اس پر جو ہم پر اترا اور جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اترا اور جو لائے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور (دیگر) انبیا اپنے رب سے۔ (گویا تمام احکام جو ان پر اترے ان پر عمل کرنے کے ہم پابند ہیں)۔ ہم ان انبیا کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے (کیونکہ سب قاصد ایک ہی خدا کی طرف سے آئے تھے اور ایک ہی پیغام لا سکتے ہیں اور قاصد یا پیغمبر اصل مقصد نہیں تھے بلکہ اصل مقصد وہ پیغام تھا جو لائے تھے) اور ہم تو (درحقیقت) اس خدا کو ہی (اپنا سردار) تسلیم کر کے (اس کے حکم ماننے والے ہیں۔ اور جو (شخص یا قوم) اس اسلام کے سوا (جو سب انبیاء کی لائی ہوئی الکتٰب کے احکام کی تعمیل پر مشتمل ہے) کوئی اور اسلام بطور مذہب کے اختیار کرے گا تو وہ اسلام ہرگز ہرگز قابل قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں گھاٹے میں رہے گا۔☆

(۳) ان الدين عندالله الاسلام قف **وما اختلف الذين اوتوا الكتٰب الا من** م **بعد ما جآء هم العلم بغيام بينهم**ط **ومن يكفر بايت الله فان الله سريع الحساب**o: (۲/۳)

(۳) خدا کے نزدیک (پسندیدہ) دین تو 'الاسلام' ہی (۱) ہے اور جن لوگوں کو (اس سے پہلے) الکتٰب دی گئی تھی وہ اس علم (اور حقیقت) کے آئے پیچھے آپس میں بغاوت کر کے ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے (اور اس بغاوت کا اصلی مقصد احکام خدا سے گریز کرنا اور افراتفری ڈال کر بے عمل ہونا تھا)۔ تو جو (شخص یا قوم) اللہ کے احکام سے منکر ہوتا (گریز کرتا) ہے تو خدا بڑا جلد حساب کرنے والا ہے۔ (گویا اب سے وہی قومیں خوشحال رہا کرینگی جو قانونِ فطرت پر عمل کرینگی)

(۴) ان الذين يكفرون بالله ورسوله و

(۴) بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں۔

☆اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا مقصد خدا کے پورے پیغام کو بہ حیثیت مجموعی لے کر تمام انسانی مذاہب کو متحد کرنا اور ایک اُمّت قائم کرنا تھا

(۱) یعنی وہی 'الاسلام' جس کا ذکر اوپر کی آیت ۹/۳ میں ہوا۔ فتدبّر۔

یریدون ان یفر قوابین الله ورسوله ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض لا ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا٥لا اولئک هم الکفرون حقاط واعتدنا للکافرین عذاباً مهینا٥: (۲۱/۴)

(یعنی اُن کے دیئے ہوئے احکام پر عمل نہیں کرتے) اور چاہتے ہیں کہ (الگ الگ نبیوں کو علیحدہ علیحدہ مان کر یہ ثابت کر دیں کہ) اللہ اور اس کے نبیوں کے درمیان دشمنی تھی (اسی لئے اس نے الگ الگ پیغام بھیجے اور یہ (بھی) کہتے ہیں کہ ہم بعض نبیوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے گویا چاہتے ہیں کہ (اس بارے میں قطعی اور کُلّی رستہ نہیں بلکہ) ایک درمیانی رستہ پکڑ لیں (جو خدا کو نیم راضی کر دے) تو (جان لو) کہ یہی سچے کافر ہیں (اور اُن سے بڑا کافر کوئی نہیں)۔ اور ہم نے کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کر لیا ہے۔

(۵) واتینهم بینت ☆ من الامر ج فمااختلفوا الا من بعد جآء هم العلم لا بغیا بینهمط ان ربک یقضی بینهم یوم القیمة فیما کانوا فیه یختلفون٥: (۲/۴۵)

(۵) اور ہم نے ان کو قانونِ خدا کے روشن اور واضح احکام دے دیئے تو یہ لوگ علم (اور حقیقت) آئے پیچھے آپس میں بغاوت کے باعث ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے بے شک تیرا پروردگار روز قیامت کو اس بارے میں جس کے باعث یہ لوگ الگ الگ گروہ (یعنی نصاریٰ یہود مسلمان وغیرہ) بن گئے تھے فیصلہ کرے گا۔

(۶) ولقد اتینا موسیٰ الکتٰب فاختلف فیه ولو لا کلمة سبقت من ربک لقضی بینهمط وانهم لفی شک منه مریب٥: (۶/۴۱)

(۶) اور بے شک اور بالضرور ہم نے موسیٰؑ کو الکتٰب دی پھر اس میں (بھی) اختلاف پیدا کیا گیا اور اگر ایک کلمہ اس اختلاف کے بارے میں اس سے پہلے نہ آ گیا ہوتا (وہ یہ کہ روز قیامت کو فیصلہ ہو گا) تو (آج تک) اس کا فیصلہ ہو گیا ہوتا اور بے شک وہ (اس سزا کے نہ آنے کے بارے میں) بڑے شک میں ہیں (کہ کیوں نہیں آئی)۔

(۷) وما تفرق الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ما جآء تهم البینة٥ط ومآ امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین٥لا: (۹۸/۱)

(۷) اور الکتٰب کے وارثوں نے الگ الگ گروہ نہیں بنائے مگر بعد اس کے کہ ان کو ایک روشن حقیقت اور علم آ چکا تھا (اور حیرت ہے کہ باوجود اس کے علم ہونے کے وہ آپس میں مختلف ہو گئے حالانکہ

☆ آیہ: (۴/۱۷۴)۔(۲) صفحہ ۱۱۳، اور آیہ: (۱۷/۷)۔(۵،۷) صفحہ ہذا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے احکام بینات یعنی سورج کی طرح روشن تھے اور ان کے متعلق اختلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر اختلاف ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ خدا نے صرف قانون فطرت دیا تھا مگر لوگوں نے مکر سے کچھ کا کچھ بنا لیا۔

'علم' پر ہمیشہ ساری دنیا متفق ہوا کرتی ہے) اور (یہی نہیں بلکہ انہوں نے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گویا اپنے اپنے خدا الگ کر لئے) حالانکہ ان کو حکم دیا گیا کہ کسی کی ملازمت سوائے خدا کے اختیار نہ کریں اور اپنا تمام عمل اس خدائے واحد کے لئے خالص کر دیں۔ (یہ ایک اور ثبوت ہے کہ خدا دنیا میں ایک اُمّت چاہتا ہے)

(۱۷۸) ا۔ ماکان لبشر ان یوتیه الله الکتٰب والحکم والنبوة ثم یقول الناس کونوا عباد الی من دون الله: (۸/۳)

(۱۷۸) ا۔ کسی بشر کو تو شایاں نہیں کہ ہم اس کو الکتٰب اور حکم اور نبوّت دیں اور پھر (باوجود اس بلند مقام کے حاصل کرنے کے) وہ کہتا پھرے کہ خدا کی ملازمت چھوڑ کر میرے ملازم بن جاؤ (کیونکہ لوگوں کا آپس میں الگ الگ گروہ بن جانا یہی دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ خدا کے بندے نہیں تھے دراصل ان نبیوں کے بندے تھے)

(۲) قل یااھل الکتٰب تعالوا الی کلمة سوآءٍ بیننا وبینکم الا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون الله ط فان تولوا فقولوا شھدوا بانا مسلمونo: (۷/۳)

(۲) (اے پیغمبرؐ!) کہہ دو کہ اے الکتٰب کے (پرانے) وارثو! اُس کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے (یعنی جو تمہاری الکتٰب میں بھی موجود ہے اور ہماری الکتٰب میں بھی) اور وہ یہ ہے کہ ہم سوائے خدا کے اور کسی کی ملازمت نہیں کریں گے اور کسی شے کو (یعنی انبیا وغیرہ کو) اس کے ساتھ شریک نہ کریں گے اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے بشر کو اللہ کے سوا اپنا ربّ (اور حاکم) نہ بنائے گا۔ پھر اگر یہ (تمہاری (اس دعوت سے) روگردان ہو جائیں تو ان کو کہو کہ اب صاف گواہی دو کہ ہم ہی درحقیقت خدا کو (صحیح معنوں میں) خدا تسلیم کرنے والے ہیں (کیونکہ ہم سب نبیوں کے احکام مانتے ہیں اور کسی میں فرق نہیں کرتے)۔ (اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ خدا سب کو ایک اُمّت بنانا چاہتا تھا)۔

(۱۷۹) ومآ انزلنا علیک الکتٰب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیه لا وھدی ورحمة

(۱۷۹) اور ہم نے تم (یعنی محمدؐ) پر تو الکتٰب کسی اَور غرض سے سوائے اس کے نہیں اتاری کہ تُو ان پر واضح طور پر جس شے میں

لقوم یؤمنونo: (۱۶/ ۸)
وہ اختلاف کرتے ہیں بیان کردے اور ایمان والی قوم کے لئے ہدایت اور رحمت ہو۔

(۱۸۰) وکم اھلکنا من قریۃ م بطرت معیشتھاج فتلک مساکنھم لم تسکن من م بعدھم الا قلیلا ط وکنا نحن الوارثین o وما کان ربک مھلک القری حتی یبعث فی امھا رسولا یتلوا علیھم ایتناج وما کنا مھلکی القری الا واھلھا ظالمونo: (۲۸/ ۶)

(۱۸۰) اور ہم نے کتنی بستیوں کو ہلاک کر مارا جو بڑی خوشحال تھیں تو اب یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے بعد بھی تھوڑی دیر تک ہی آباد رہے اور (بالآخر) ہم ہی ان کے وارث بنے اور (یاد رکھو کہ) خدا کا دستور نہیں کہ بستیوں کو ہلاک کرے جب تک کہ ان کے نمایاں اور قائم مقام شہر میں اپنا پیغامبر بھیج کر ان پر احکامِ خدا نہ پڑھا لے (تا کہ وہ ان سے پورے طور پر باخبر ہو جائیں) اور ہم بستیوں کو ہلاک ہی نہیں کرتے جب تک کہ ان کے رہنے والے ظالم (یعنی حدودِ خدا سے تجاوز کرنے والے) نہ بن جائیں۔

(۱۸۱) وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ ط لکل اجل کتابo لیمحوا اللہ ما یشآء ویثبت ج صلے وعندہ ام الکتبo: (۱۳/ ۶)

(۱۸۱) اور کسی رسول کے شایان شاں ہی نہیں کہ وہ کوئی آیت (یعنی حکم) خدا کی اجازت کے بغیر لے آئے۔ ہر زمانے کے لئے (اس کے مخصوص حال واحوال اور درجہ ترقی کے مطابق) ایک کتاب (مقرر) ہے۔ (اس کتاب میں سے) خدا جو مناسب سمجھتا ہے مٹا دیتا ہے یا قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اُمّ الکتٰب (یعنی تمام کتابوں کی ماں) ہے۔

(۱۸۲) شرع لکم من الدین ماوصّی بہ نوحاً والذیؔ اوحینآ الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموالدین ولا تتفرقوا فیہ ط کبرعلی المشرکین ما تدعوھم الیہط اللہ یجتبی الیہ من یشآء ویھدی الیہ من ینیبoط☆: (۴۲/ ۲)

(۱۸۲) ا۔ تمہارے لئے (بھی) وہی دین جاری کیا گیا ہے جس کی وصیّت نوحؑ کو کی گئی اور وہ جو تجھ (محمدؐ) پر وحی کیا گیا اور (وہی تھا) جس کی وصیّت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کی گئی (اور وہ) یہ (تھا) کہ اس دین پر قائم رہو اور اس کے بارے میں الگ الگ گروہ (یعنی یہود ونصاریٰ اور مسلمان وغیرہ) نہ بن جاؤ۔ (اب الگ الگ خداؤں کے ماننے والوں یعنی) مشرکوں پر (وہ اتحاد) گراں گذرتا ہے جس کی طرف تُو ان کو بلا رہا ہے۔ اللہ پسند کر لیتا

☆ یہ آیت بھی صاف ظاہر کرتی ہے کہ قرآن حکیم کا منتہا اتحاد عالم تھا اور خدا کی طرف سے سب انبیا کو پیغام ایک تھا۔

ہے (اس اتحاد کے لئے) جس کو مناسب سمجھتا ہے اور اُس (دین) کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس کو جو انابت (یعنی پشیمانی ظاہر) کرتا ہے۔

(۲) ما کان ابراھیم یھودیاً ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلماط :(۳/۷)

(۲) ابراہیمؑ یہودی (ہرگز) نہ تھا، نہ نصرانی تھا بلکہ وہ خالص خدا کی طرف جھکنے والا (یعنی اس کے حکم کو ماننے والا) تسلیم کرنے والا (بندہ) تھا۔ (گویا زمین پر تمام قسم کی فرقہ بندی غلط ہے)

(۳) فاقم وجھک للدین حنیفاط فطرت اللہ التی فطرالناس علیھا ط لا تبدیل لخلق اللہط ذالک الدین القیمق ولکن اکثر الناس لا یعلمونo: (۴/۳۰)

(۳) پس تُو اپنی توجہ کو اس دین کی طرف خالصۃً جھک کر قائم کر (یہ دین) اللہ کی (بنائی ہوئی) وہ فطرت ہے جس پر اس نے تمام بنی نوع انسان کو پیدا کیا (اس لئے ایسا ہی دین بنی نوع انسان کے لئے مناسب ہوسکتا ہے) (اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ) اللہ کی پیدائش میں کوئی تبدیلی (ہرگز) نہیں (ہوسکتی) لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کے متعلق) علم نہیں رکھتے۔ (گویا دین صرف صحیفۂ فطرت کا دین ہے)

(۴) وان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون o فتقطعوا امرھم بینھم زبراط کل حزب بمالدیھم فرحونo: (۴/۲۳)

(۴) (خبردار رہو کہ) بے شک یہ تمہاری (بنی نوع انسان کی) اُمّت (ایک) واحد اُمّت ہے اور میں تمہارا پروردگار (یعنی حاکم) ہوں تو مجھ ہی سے ڈرو (اور ایک اُمّت بنے رہو)۔ لیکن (ان لوگوں نے اس تنبیہہ کی پروانہ کی اور) انہوں نے آپس میں اپنا معاملہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (اب) ہر گروہ جو کچھ ان کے پاس (اس کا اپنا محبوب نصب العین) ہے (اُس پر) خوش ہے (اور الگ ہوکر مزے لے رہا ہے)۔

(۱۸۳) والکتٰب المبینoلا انا جعلنہ قرء انا عربیاً لعلکم تعقلون oج وانہ فی ام الکتٰب لدینالعلی حکیمoط: (۴۳/۱)

(۱۸۳) (اے لوگو! یہ صحیفہ فطرت جو تمہارے سامنے ایک) روشن کتاب (کی طرح ہے اس امر کی) شہادت دے رہا ہے کہ درحقیقت ہم نے اس (روشن صحیفہ فطرت) کو ہی عربی زبان کا قران بنا دیا ہے (یعنی فطرت کی کہانی کو ہی عربی زبان میں بدل کر اس کا نام قران رکھ دیا ہے) تا کہ تم (اس قران کو پڑھ کر) تعقّل کرنے

لگو (اور قانون فطرت سے آ گاہ ہو جاؤ) اور بے شک یہ قران ایک ام الکتٰب (کتابوں کی ماں) میں درج ہے جو ہمارے پاس رکھی پڑی ہے اور لامحالہ ایک بہت ہی بلند اور بہت ہی پُر از حکمت کتاب ہے۔ (یہ اُمّم الکتب'' گویا پورا صحیفہ فطرت ہے)

قران حکیم کی ان تمام آیات کو جو الکتٰب کے متعلق ہیں موضوعات کی مختلف شِقّوں میں علیحدہ علیحدہ کرنے کے بعد جو نتیجہ مستنبط ہوتا ہے حسب ذیل ہے:۔ یہاں جو چیز توجہ کے لائق ہے یہ ہے کہ قران حکیم جس وقت نازل ہوا اس وقت اس کا پیغام نیا تھا اور اس سے پہلے کے خدائی پیغام انسان کی چیرہ دستی کے باعث بے معنی اور بے اثر ہو چکے تھے۔ آج مسلمانوں کا سلوک بھی قران سے وہی ہے جو اُس زمانے میں خدا کی بھیجی ہوئی پہلی کتابوں سے تھا بلکہ بعض معاملات میں سے اس سے بدتر ہے۔ اس بنا پر الکتٰب کا مقصد سمجھنے کے لئے لازمی ہے کہ یہ نکتہ پیش نظر رکھا جائے اور جو تنبیہ ان آیات میں اہل کتاب کو دی گئی ہے اس کے اہل اس وقت باقی سب سے زیادہ مسلمان ہیں کیونکہ وہی آج کل سب سے زیادہ زوال میں ہیں۔

الکتٰب خدا کا وہ تحریری قانون ہے جو ہر قوم کو اس کی اپنی زبان میں بھیجا گیا تا کہ وہ قانون اس قوم پر واضح ہو جائے: (۱۷۲)۱۱۔ اور اس کے بعد اُس قوم کو کوئی گنجائش عذر کی باقی نہ رہے: ((۱۸۰)۱۔) اس بنا پر اس کا کسی خاص زبان میں ہونا کوئی شے نہیں اور اصل مقصد اس قانون کی تعمیل ہے، اس کی زبان کی تقدیس یا کسی خاص نبی کی پیروی نہیں: ((۱۸۲)۔۱) انبیا جو الکتٰب کو لائے کسی خاص مذہب (یہودی نصرانی یا محمّدی) کے بنانے والے نہ تھے: ((۱۸۲)۲۔) وہ صرف اسلام کو لائے تھے جس کے خالص معنی خدا کے قانون کی اطاعت ہے:۔((۱۸۲)۲۔)۔ وہی ایک قانون کم وبیش سب انبیا لائے۔ انسان کو چاہیے کہ کسی ایک نبی اور دوسرے نبی کے درمیان اس کی شخصیّت کی بنا پر فرق نہ کرے: ((۱۷۷)۲۔) جو کرے گا وہ سچا کافر ہے: ((۱۷۷)۔۴) اصل شے قانونِ خدا پر عمل ہے انبیا کے پیچھے لگ کر فرقہ بند ہونا یا الگ الگ مذہب بنانا نہیں اور جو شخص اس اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب بنائیگا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا: ((۱۷۷)۔۲)۔

خدا نے الکتٰب مختلف انبیا کو اس لئے بھیجی تھی کہ لوگ قسط و عدل پر قائم رہیں: (۱۷۲)۔۲)۔ حضرت موسیٰؑ کو بھی اس لئے بھیجی کہ لوگ ہدایت پکڑیں: ((۱۷۲)۔۴،۵،۶،۸،۹،۱۱) حضرت عیسیٰؑ کو بھی اسی مقصد کے لئے بھیجی: ((۱۷۲)۔۳،۷)۔ آخری نبی پر جو کتاب (یعنی قران) اُتری وہ بھی کم و

بیش وہی قانونِ ہدایت تھا جو پہلے نبیوں کو دیا تھا اور اُس قانون کی تصدیق کرتا تھا: ((۱۷۲)۔۱۵) اور اس کارخانہ فطرت کی بھی تصدیق کرتا تھا جو اس کے سامنے ہے: ((۱۷۲)۔۳، ۱۲) یہ دین جو انبیا کی وساطت سے بنی نوع انسان کو دیا گیا تھا اس لئے تھا کہ لوگ اس دین پر چل کر مضبوطی سے قائم ہو جائیں: ((۱۸۲)۔۱)، اس میں فرقہ بندی کر کے الگ الگ نہ ہو جائیں بلکہ ایک اُمّت بنے رہیں۔ ((۱۸۲)۔۱) کیونکہ یہ قانون (دین) قانونِ فطرت ہے جس پر سب دنیا پیدا کی گئی ہے: ((۱۸۲)۔۳)، لیکن لوگ اس علم کے آنے کے بعد ضد اور بغاوت سے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور انہوں نے الگ الگ فرقے بنا لئے: ((۱۷۷)۔۳، ۴، ۵) ان لوگوں کو جو اس طرح فرقہ بند ہو کر مشرک ہو گئے ہیں پھر بُلانا کہ آؤ ایک قانون پر متحد ہو جاؤ بڑا گراں گذرتا ہے:۔((۱۸۲)۔۱)۔

اس گراں گذرنے کی وجوہات کئی ایک ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ جو قانونِ خدا کی طرف سے آیا اس کا بعض حصّہ لوگ چھپاتے ہیں تاکہ اس پر عمل کرنا لازم ہو جائے: ((۱۷۴)۔۱) ورنہ خدا کا قانون تو ایسا واضح ہے کہ لوگ اس کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں: ((۱۷۴)۔)، ایسے لوگ جو عمل کے ڈر سے خدا کے قانون پر پردہ ڈالے ہوئے ہیں وہ بدکردار لوگ ہیں جن پر خدا کی لعنت ہے۔ ((۱۷۴)۔۲) تھوڑی سی قیمت کے عوض میں (یعنی اس لئے کہ لوگوں کو اپنے گرداگرد جمع کر کے ان سے ذاتی فائدہ اٹھائیں) یہ لوگ قانونِ خدا کو چھپاتے ہیں: ((۱۷۴)۔۲، ۳) اور اس میں تحریف پیدا کرتے ہیں تاکہ اس کے معنی اور مطلب بدل دیں اور دینِ خدا میں آسانیاں پیدا ہو جائیں: (۱۷۴۔۱، ۲، ۳)۔ دوئم یہ کہ یہ لوگ اپنے لئے عذابِ خدا سے بچنے کی سبیلیں نکالتے ہیں کہ ہم کو خدا ہر حالت میں جہنّم کی آگ سے بچائے گا، ہم ہی خدا کے دوست اور برگزیدہ بندے ہیں: ((۱۷۴)۔۴)۔ یہ لوگ خدا کے احکام کو پسِ پشت ڈال کر اور نظرانداز کر کے خدا کی سزاؤں سے بچنے کا تخیّل پیدا کرتے ہیں اور خدا کی ملازمت اختیار کرنا جو درحقیقت مقصد قانونِ خدا ہے، اس سے عوام الناس کو ہٹا کر دین کو بیکار کرنا چاہتے ہیں اور علم ہوتے ہوئے کتمانِ حق اور تلبیس الحق بالباطل کرنے کے درپے ہیں: ((۱۷۴)۔۵، ۶، ۹)۔ سوئم یہ کہ یہ لوگ خدا کی سرداری کو چھڑوا کر اپنے نئے احکام پیدا کرتے ہیں: ((۱۷۸)۔۱)، اور اپنے آپ کو بھی ارباب یعنی خدا کے سوا ربّ بنانا چاہتے ہیں تاکہ ان کا حکم مانا جائے اور خدا کے حکموں کو نظرانداز کر کے دین میں سہولت کی صورت پیدا کی جائے۔ اگر ان کو کہا جائے کہ آؤ الکتٰب میں تو صرف خدا کے قانون کی پابندی لکھی ہے، شیطان یا ارباب من دون اللہ

کے حکم کی متابعت تو نہیں لکھی تو یہ لوگ اکٹھے ہونے سے کتراتے ہیں اور انسانوں کے تفرقے کو مٹانے پر تیار نہیں: ((۱۷۸)۔۲)۔

خدائے عظیم نے آخری نبی پر الکتٰب اس لئے اتاری کہ وہ اختلاف جو قانونِ خدا اور ان لوگوں کے بنائے ہوئے دین میں پیدا ہو گیا ہے واضح ہو جائے: ((۱۷۹)،(۱))۔ دوسری غرض یہ ہے کہ الکتٰب میں پہلے لوگوں نے جو باتیں چھپا رکھی ہیں ان کو اکثر پھر علی الاعلان کہا جائے: (۱۳۶)۔ کسی بشر کی مجال نہیں کہ انسان کو یہ کہے کہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر میرے حکموں کے تابع ہو جاؤ:۔((۱۷۸)۔۱) اگر یہ اہل کتاب فی الحقیقت ان احکام پر جو تورات اور انجیل میں لکھے ہیں عمل کرتے تو خدائے عظیم ان کو بے حد آسودہ حال کر دیتا۔ وہ انتہائی طور پر خدائی نعمتوں سے مالا مال ہوتے:۔((۱۷۵)۔۱) (اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم آج کل کے نصاریٰ جو تمام دنیا پر غالب ہیں خدا کے قانون پر ضرور عمل کر رہے ہیں۔) ان اہل کتاب پر واضح ہونا چاہیے کہ وہ جو اس وقت آخری نبی کے عہد میں الکتٰب کی مخالفت کر رہے ہیں، وہ کسی مضبوط بنیاد پر قائم نہیں ہو سکتے جب تک کہ توراۃ اور انجیل کے احکام پر کما حقہٗ عمل نہ کریں کیونکہ خدا کے نزدیک تو اصل شے عمل کرنا ہے اور یہودی نصرانی یا سائبین میں سے جس شخص یا قوم نے خدا کے قانون پر عمل کیا وہی بے خوف و خطر ہے اور اس کو پورا اجر ربّ کے ہاں سے ملے گا: ((۱۷۵)۔۲)۔

الکتٰب صرف خدا کا واجب العمل قانون ہے۔ جن قوموں کو یہ قانون دیا گیا ہے وہ اس کا مطالعہ کرتے ہیں جیسا کہ مطالعہ کرنے کا حق ہے: ((۱۷۳)۔۱)۔ جس قوم کی الکتٰب کے اندر وہ قانون موجود ہے وہ اس کو فوراً پہچان لیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے رہتے ہیں ان کو عذر نہیں ہوتا بلکہ صاحب علم لوگوں کے سینوں میں تو وہ الکتٰب ایک روشن حقیقت نظر آتی ہے: ((۱۷۳) ج)۔ یہ کتاب جو آخری نبی پر اتاری گئی ہے حقیقت ہے اس کو جو چاہے لے لے: ((۱۷۲)۔۱۳)۔ پیغمبر ان پر کوئی وکیل نہیں ہے۔ حقیقت کو اپنا لینا ہر صاحب علم قوم کا کام ہے۔ خدا کا منشا یہ نہیں کہ لوگ الگ الگ نبی کے پیچھے الگ الگ مذہب بنا کر فرقہ بند ہو جائیں بلکہ اس کے قانون پر عمل کریں۔ ہر قوم جو ہلاک ہو چکی ہے اس کے پاس اس کی الکتٰب تھی جس کو وہ جانتی تھی: ((۱۸۰)۔۲)۔ کوئی خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر خدا کے حکم کے سوا کوئی حکم یا کتاب اپنے پاس سے نہیں لا سکتا۔ دنیا میں ہر زمانے کے لئے اس عہد کی انسانی ترقی کے مطابق ایک کتاب ہوتی ہے جو خدا بھیجتا ہے۔ اُس زمانے کی ترقی کے مطابق پھر جو شے اس کتاب میں غیر ضروری ہو جاتی ہے۔

کم کر دیتا ہے اور جو ضروری ہوتی ہے بڑھا دیتا ہے کیونکہ اس کے پاس اس زمین کی انتہائی ترقی تک کا پورا قانون موجود ہے:۔ (۱۸۱)۔ یہ قران حکیم جو عربی زبان میں خدا نے بھیجا ہے درحقیقت اس صحیفہ فطرت کی روشن کتاب کا ملخص ہے جو تمہارے سامنے نظر آ رہا ہے اور منشا یہ ہے کہ عرب قوم اس قانون پر عمل کر کے صاحب فراست بن جائے اور یہ قران اسی مکمّل قانون کا ایک اقتباس ہے جو ہمارے پاس موجود ہے: (۱۸۳)۔

الغرض اگر ان تمام آیتوں پر جو اس موضوع میں جمع کر دی گئی ہیں ایک غائرنظر دوڑائی جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ اس **الکتٰب** کا موضوع اقوام زمین کو ان کی اپنی زبان میں ایک فوری دستور العمل اُس زمانے کی انسانی ترقی کے مطابق دینا تھا۔ اُس وقت تک انسانی **سمع** اور **بصر** اور **افئدۃ** اس مرحلے تک نہ پہنچے تھے کہ اقوام عالم صرف مشاہدہ فطرت سے قوانین انسانی اخذ کرسکتیں۔ ہر قوم کو اُس زمانے کی ترقی کے مطابق تحریری قانون پیغمبروں کے ذریعے پہنچایا گیا۔ وہ لوگوں کو سمجھاتے رہے لیکن انسان چونکہ نافہم رہا وہ بجائے اس کے کہ قانون کی ماہیّت کو دیکھتا اور اس علم کو دیکھتا جو اس کتاب میں تھا، وہ پیغمبروں کے پیچھے لگ کر فرقہ بند ہو گیا اور صرف اپنے پیغمبر کو سراہتا رہا اور اس نے اپنا الگ مذہب بنا لیا۔ یہ ستم ظریفی اس قطع کی ہے کہ خط جو بھیجا گیا ہو اُس کی طرف کسی کا دھیان نہ ہو بلکہ اصل دھیان اس قاصد کی طرف ہو جو خط لایا ہے! قران حکیم مختلف پیراؤں میں انسان کی اس بغاوت اور ضد کی توضیح کرتا ہے اور ان آیات کے مطالعے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صلعم کے وقت میں **قران کی نیّت کسی علیحدہ فرقہ بنانے کی نہیں تھی** بلکہ جو جو نقص اہل کتاب نے تورات اور انجیل کی تعلیم میں ڈال دیئے تھے ان کی توضیح کر کے **تمام نسل انسانی کو ایک کرنا تھا**۔ قران حکیم میں **الکفرون حقاً** (اصلی اور سچا کافر) کے الفاظ صرف ایک جگہ استعمال ہوئے ہیں وہ سورۃ النسآء کے اکیسویں رکوع میں اُن لوگوں کے واسطے ہیں جو ایک نبی کی کتاب مان کر اور دوسرے کی کتاب کو ردّ کر کے گویا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مختلف انبیا مختلف پیغام لائے تھے اور اس طرح پر خدا اور پیغمبروں کے درمیان ''لڑائی کرانا'' چاہتے ہیں☆ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قران حکیم کس قدر ایک مجتمع انسانی کا موید تھا اور اس کی نیّت کس قدر نیک تھی۔ اس آیت کو یہاں مسلمانوں کے خاص غور کے لئے نقل کیا جاتا ہے اگرچہ ان تصانیف میں یہ آیت کئی جگہوں پر آ چکی ہے۔ (دیکھو مثلاً فرہنگ حریم غیب ۲۵ (۵) صفحہ ۲۷۴) یا مثلاً فرہنگ حریم غیب

☆اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی تمام آبادی اس گناہ کی مجرم اور سچی کافر ہے! بلکہ اسی گناہ کی پاداش میں جہنّم میں جائے گی۔

۸۳(ا) صفحہ ۲۸۸)۔ یہ آیت مفصّل ترجمہ کے ساتھ (۱۷۵)۔۴) کے عنوان سے صفحہ ۱۱۸،۱۱۷) پر آ چکی ہے:۔

ان الـذين يكفرون بالله ورسله ويريدون ان يـفرقوا بين الله ورسله ويقولون نـؤمـن ببـعـض ونـكفر ببعض ۙ ويـريـدون ان يتـخذوا بين ذالـك سبيلا ۝لا اولئک هم الكفرون حقا ط واعتدنا للكفرين عذاباً مهينا۝ (۴/۱۵۰-۱۵۱)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کے (منتہائے نظر کے) منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان پھوٹ ڈال دیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی بَین بَین راہ اختیار کریں وہی اصلی کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اب مسلمان کے ہاتھوں اتحادِ عالم کا یہ سب سلسلہ ہی بدل چکا ہے۔ مسلمانوں نے دنیا میں تبلیغ چھوڑ دی اس لئے تمام دنیا کو اپنے دائرے میں نہ لا سکے۔ پہلے پہل تبلیغ کی وجہ سے قوموں کی قومیں دائرہ اسلام میں اس لئے داخل ہو جاتی تھیں کہ مسلمانوں کے اپنے اعمال حیرت انگیز طور پر عمدہ اور کتابِ خدا کے احکام کے مطابق تھے۔ لوگ جب اُن کے کردار دیکھتے جھٹ اسلام کی جماعت میں داخل ہو جاتے۔ اب کردار بے انتہا خراب ہو گئے۔ اُدھر مسلمان خود بیسیوں فرقوں میں بٹ گئے۔ وہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں حتیٰ کہ اسی داخلی ھڑ بونگ کی وجہ سے اب بعض فرقوں کو یہ جرأت بھی ہوگئی ہے کہ وہ نبی آخر الزمان کے بعد بھی اور "انبیا" کے آنے کو ممکن سمجھتے ہیں۔ اب جب تک اس تمام نظام کی تجدید از سرِ نو بنوک شمشیر نہ ہو موجودہ مسلمانوں سے یہ امید کہ وہ تمام دنیا کو ایک وحدت میں پرو دیں گے نہایت مشکل ہے۔ البتہ ایک صورت ممکنہ یہ ہے کہ اگر مسلمان مشاہدہ فطرت کو دینی ولولے سے اپنا شعار بنا کر دنیا کی باقی قوموں پر گوئے سبقت لے جائیں تو اگلے سو دو سو سال میں امید ہو سکتی ہے کہ وہ تمام دنیا پر غالب آ کر ایک وحدت پھر پیدا کر سکیں۔ **قرانی نقطہ نظر سے معنی خیز بات** اس وقت صرف یہ ہے کہ دنیا پر **وحدتِ حکومت** کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔

۷۔ ہلاکتِ اقوام اور سَیر فی الارض

قانونِ خدا کی اس توضیح کے بعد طبعی سوال اٹھتا ہے کہ وہ الکتٰب کا قانون کیا تھا جو قرانِ حکیم لایا۔ اس کی تشریح اس قدر طویل ہے کہ دہ الباب کا یہ چھوٹا سا ضمیمہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس قانون کو میں نے

کچھ نہ کچھ تذکرہ کی پہلی جلد میں واضح کر دیا ہے اس کی باقی نو (۹) جلدیں جب وہ چھپیں گی اَور واضح کر دیں گی۔لیکن قرآن حکیم کے مطالعے سے جو حیرت انگیز بات دم بدم واضح ہوتی ہے وہ ہلاکت اقوام کا مسئلہ ہے۔ قران حکیم قوموں کے ہلاک ہونے کی ایک مختصر وجہ ما کان اکثرھم مؤمنین (سورہ الشعراء) (یعنی ان میں سے اکثر مومن نہ تھے) بیان کرتا ہے، رسولوں کے آنے کی ایک مختصر غرض (انی لکم رسول امین) (سورۂ الشعراء) (یعنی تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں کہ تم کو اَمن کی انتہائی منزل تک پہنچادوں) قائم کرتا ہے، اورقوموں کو عروج کی منزل تک پہنچانے کا ایک مختصر دستور العمل فاتقوا اللہ و اطیعون (سورہ الشعراء) پیش کرتا ہے (یعنی ایک تو اللہ کے قانون کا ڈر اپنے دل میں ہمیشہ کے لئے رکھو اور میرے زبانی حکموں کی اطاعت کرو)۔ان تین مختصر باتوں کی تشریح گویا قریباً تمام قران ہے اور انہی پر اقوام کی ہلاکت کا پورا مسئلہ مشتمل ہے۔قوموں کا دنیا میں ظہور اور پھر تھوڑی مدت کے اندر اُن کا تختہ الٹ جانا اور کسی دوسری قوم کا ان کی جگہ لے لینا فی الحقیقت دنیا کا سب سے زیادہ حیران کن واقعہ ہے اور اس واقعہ کے پے در پے ہوتے رہنے میں زمانہ کے کسی مرحلے میں کمی نہیں ہوئی۔مقام فطرت کے عنوان (۲) کے ماتحت مطالعہ صحیفہ فطرت کے ضمنی عنوان (۳) کی آئیتوں میں قران حکیم نے جس شدّ ومدّ سے قوموں کے کھنڈرات کا مطالعہ لازمی قرار دیا ہے وہ میں نے آیات (۶۱) تا ۶۹ میں☆ واضح کر دیا ہے۔یقین ہے کہ اگر قران حکیم کے اس اہم حصّے کی طرف کما حقہ، توجہ کی گئی تو ہلاکت اقوام کے مسئلے میں علم کا اضافہ حیرت انگیز طور پر ہوسکتا ہے لیکن علم قران کے اس حصے کی اہمیّت اَور زیادہ واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہاں پر اس موضوع کی باقی آیات بھی جمع کر دی جائیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ قران حکیم کو اس مسئلے کے کھوج لگانے پر کس قدر اصرار ہے:۔

(۱۸۴) ۱۔ قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبینo: (۱/۶)

(۱۸۴) ۱۔(اے پیغمبرؐ! ان کو) کہہ دو کہ زمین میں چلو پھرو اور پھر ملاحظہ کرو کہ خدا کے احکام کو مخول سمجھ کر ان پر عمل نہ کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔(۱)

(۲) فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبینo: (۱۶/۵)

(۲) پس زمین میں چلو پھرو اور پھر ملاحظہ کرو کہ جھٹلانے والوں (یعنی عمل نہ کرنے والوں) کا کیا انجام ہوا۔

(۳) قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبل کان اکثرھم

(۳) کہہ دو کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ اُن لوگوں کا جو پہلے تھے کیا انجام ہوا کیونکہ اُن میں سے اکثر (۲) خدا کے ساتھ ساتھ کئی اور خدا

(۱) مقصد یہ کہ وہ قانونِ فطرت سے ہٹ گئے تھے اور مومن نہ رہے تھے۔(۲) یعنی خدا کا قانون چھوڑ کر اَوروں کے قانون مانتے تھے۔

☆ دیکھو صفحہ ۳۹ تا ۴۱

مشر کینo: (۵/۳۰)
شریک کرکے (الگ الگ ٹکڑوں میں بٹ جانے والے لوگ) تھے۔
(۴) قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبینo: (۳/۱۴)
(۴) بے شک تم سے پہلے کئی (لوگوں کے بنائے ہوئے) طریقے ہوگذرے ہیں تو زمین میں چلو پھرو اور ملاحظہ کرو کہ خدا کے قانون کو جھٹلانے والوں کا کیا (بُرا) انجام ہوا۔
(۵) افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم ط دمرّ اللہ علیھم وللکافرین امثالھاo: (۴۷/۱)
(۵) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ (خود آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا جو پہلے ہوگذرے ہیں کیا انجام ہوا خدا نے ان کو ملیا میٹ کر دیا اور (خدا کے قانون کے منکروں یعنی) کافروں کے لئے اسی طرح کی مثالیں (سامنے موجود) ہیں۔
(٦) اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم ط کانوا اشد منھم قوۃ واثاروا الارض وعمروھا اکثر مما عمروھا وجآء تھم رسلھم بالبینت ط فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمونo: (۳۰/۱)
(٦) اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ (خود اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے اور انہوں نے زمین پر (اپنی کوشش کے بہت سے) نشان چھوڑے اور اس کو اِن لوگوں سے بہت زیادہ آباد (اور پُر رونق) کیا تھا اور ان کے پاس ان کے پیغامبر بھی روشن احکام ساتھ لے کر آئے تھے تو خدا ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ (احکام خدا و فطرت کی خلاف ورزی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (وہ تمدّن اور عمران کے ایک مرحلے پر پہنچ کر غافل ہو گئے اور اُن پر زوال آ گیا)۔
(۷) اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم وکانوا اشد منھم قوۃ ط وما کان اللہ لیعجزہ من شیئ فی السموت ولا فی الارض ط انہ کان علیماً قدیراo: (۳۵/۵)
(۷) اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ (خود اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے اور خدا ایسا نہیں کہ زمینوں اور آسمان میں کوئی شے اس کو عاجز کر سکے (اور طاقتور قومیں اس کی سزا سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ سکیں) کیونکہ بے شک وہ بہت ہی بڑا علم والا اور بڑی ہی قدرت والا ہے (وہ جانتا ہے کہ قوت اور طاقت کے زور میں بھی کس طرح قومیں کمزور ہو جاتی ہیں اور کس بہانے سے ان کو خدا کی نافرمانی کی سزا دی جا سکتی ہے)۔

(۸) اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین کانوا من قبلھم ط کانوا ھم اشد منھم قوة واثارا فی الارض فاخذھم اللہ بذنوبھم ط وما کان لھم من اللہ من واقo ط: (۴۰/۳)

(۸) اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ (خود اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ (ان قوموں کا) کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھیں۔ وہ ان سے بہت زیادہ قوی طاقت کے اعتبار سے اور (ان) نشانوں کے اعتبار سے تھیں (جو انہوں نے چھوڑے) تو خدا نے ان کو ان کے گناہوں (یعنی داماندگیوں) کے بدلے میں پکڑ لیا اور اللہ (کی پکڑ) سے کوئی شخص نہ تھا جو اُن کو بچا لیتا۔

(۹) افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم ط کانوا اکثرا منھم اشد قوة واثارا فی الارض فما اغنی عنھم ما کانوا یکسبونo: (۴۰/۹)

(۹) تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان سے پہلوں کا کیا (بُرا) حال ہوا جو تعداد میں ان سے زیادہ، قوّت میں ان سے بہت سخت اور نشانوں کے لحاظ سے (جو انہوں نے چھوڑے تھے) بہت زیادہ شاندار تھے۔ تو جو کچھ (بُرے عمل) وہ کر رہے تھے اس نے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔

(۱۰) افلم یسیروا فی الارض <u>فینظروا</u> کیف کان <u>عاقبة</u> الذین من قبلھم ط <u>ولدار الاخرة</u> ☆خیر للذین اتقوا ط افلا تعقلونo: (۱۲/۱۲)

(۱۰) تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے اور بے شک آخرۃ کا گھر اُنہی لوگوں کے واسطے اچھا ہے جو قانونِ خدا سے خوفزدہ (رہ کر اس پر مستقل طور پر عامل) ہیں تو کیا (اس اعلان کے بعد) تم (خدا کی حکمت عملی کو) نہ سمجھو گے (کہ وہ ٹھیک چلنے والوں کو ہی ہمیشہ رکھتا ہے)

باقیاتِ اقوام کو بچشمِ خود مشاہدہ کرنے کی یہ حیرت انگیز اور اس کثرت سے ترغیب کیا عجب ہے کہ مسئلہ ہلاکتِ اقوام کے بارے میں ایک مستقل اور عظیم الشان علم کی بنیاد آگے چل کر ہو جو دنیا کے لئے کشفِ حقیقت کا ایک نیا دروازہ کھول دے۔ بہرنوع ان تمام آیات میں **کیف کان عاقبة** کے الفاظ نہایت قابلِ غور ہیں، جن سے مراد اس دنیا میں انجام ہے حالانکہ عام طور پر مسلمان عاقبہ کا لفظ ''یوم قیامت'' کے انجام کے لئے غلط طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اُدھر آیہ (۱۸۴)۱۰۔) میں والاخرة کے الفاظ جو عاقبة کے لفظ کے عین بعد استعمال ہوئے ہیں قطعی طور پر اس معاملہ کو صاف کر دیتے ہیں کہ کسی قوم کا اس دنیا میں ہلاک نہ ہونا ہی اس کی ''عاقبت بہ خیر'' ہے اور یہی اس کی ''آخرت بہ خیر'' ہے بلکہ یہی دارالاخرة ہے قوّتِ خدا کے قانون پر چلنے سے پیدا ہوتی ہے اور جب قانون خدا کا ڈر باقی نہ رہے مٹ جاتی ہے۔ فتدبّر۔

☆ خط کردہ الفاظ اور ''دیکھنے'' کے لفظ سے یہ نتیجہ نکلا ہے۔

۸۔انسان کی پیدائش کی آخری غرض ملاقاتِ خدا ہے مآلِ انسان کا قطعی ثبوت۔سورۂ جاثیہ کا مربوط ترجمہ

قرانِ حکیم میں اس حیرت انگیز علمی ترغیب کا انکشاف جو میں نے حدیث القران میں کیا ہے، ممکن ہے کہ کتاب خدا کو سطحی نظر سے دیکھنے والوں کے دلوں کو مطمئن اس لئے نہ کرے کہ آج کل کا عام طور پر یورپ زدہ اور اپنے زعم میں متنوّر مسلمان مشرق کی اکثر دریافتوں کو مغرب کے مقابلے میں ناقابل توجہ سمجھتا ہے اور ممکن ہے کہ اپنے دل میں یہ اثر لے کہ یہ سب تلاش و تفتیش جو اس تصنیف میں کی گئی ہے، قران کی برتری جتلانے کے لئے ایک تکلّف اور آورد ہے ورنہ قران کو مسلسل طور پر پڑھنے سے یہ نتائج ایک عام شخص کو منکشف نہیں ہوتے اور وہ ان نتیجوں پر جو حدیث القران میں قرانِ حکیم کے متعلق نکالے گئے ہیں مجبور نہیں ہوتا۔اُدھر مولویانہ تخیّل والے مسلمان قران کو عالم آخرت کی ایک کتاب سمجھنے اور دنیا سے کچھ تعلق نہ رکھنے میں اس قدر مشاّق ہو چکے ہیں کہ قرانِ حکیم کے اندر اپنی مادی دنیا کو سدھارنے کی کوئی بات ان کے عقیدے کو متزلزل کرنے والی بات معلوم دیتی ہے اور وہ قران کو کسی اَور نقطہ نظر سے دیکھنے کے منکر ہیں۔ان حالات میں چونکہ وہ تمام استدلال (جو تذکرہ) کی کئی جلدوں کے اندر ہے اس چھوٹی سی تصنیف کے چند صفحوں میں کوزہ بند نہیں ہوسکتا اور قرانِ حکیم کو اوّل سے آخر تک منطقی طور پر مربوط کر کے ایک دفعہ پھر دنیا کے سامنے رکھ دینا بڑی تفصیل کا طالب ہے، میں نے تجویز کی ہے کہ مولوی اور مغرب زدہ مسلمان دونوں کو ہمیشہ کے لئے ساکت وصامت بلکہ حواس باختہ کرنے کے لئے قرانِ حکیم کی صرف ایک سورہ یعنی سورۂ جاثیہ کا مربوط ترجمہ یہاں پر کردوں تاکہ دنیا حیرت زدہ ہو جائے کہ کم از کم اس سورۃ کا ترجمہ نہ مولوی اور نہ مغرب زدہ مسلمان سوائے اس کے کچھ اَور کر سکتا ہے اور قرانِ حکیم کا دنیا میں آنے کا منشا درحقیقت وہی ہے جو بیان کیا گیا:

اس سورت میں ایک خاصیّت ہے جو قرانِ حکیم میں اَور جگہ کم ملتی ہے وہ یہ کہ اس تمام سورۃ میں جس میں چار رکوع اور ستائیس آیتیں ہیں مظاہر فطرت کی طرف توجہ دلانے کے سوا کوئی اَور موضوع ہی

نہیں اور قرآن حکیم کی بلند نظری پر یقین رکھنے والے گروہ کو اُن نتائج کے سوا کسی دوسرے نتیجے پر پہنچنا محال ہے جو حسب ذیل مربوط ترجمے میں پیش کر دیئے گئے ہیں:۔

(۱۸۵) حٰمٓ o ج (۱/۴۵)

(۱۸۵) حم

(۱۸۶) تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم o: (۱/۴۵)

(۱۸۶) یہ الکتٰب اُس خالق زمین و آسمان کی طرف سے انسان پر نازل ہوئی ہے جو انتہائی طور پر غالب اور بڑی حکمت کا مالک ہے۔

(۱۸۷) ان فی السموت والارض لایات للمؤمنین☆o: (۱/۴۵)

(۱۸۷) یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ صاحب ایمان لوگوں کے لئے آسمانوں اور زمین میں (انسان کی ہدایت کیلئے) بالضرورکئی (ہزارہا) احکام موجود ہیں۔

(۱۸۸) وفی خلقکم وما یبث من دآبۃ ایت لقوم یؤقنون o لا: (۱/۴۵)

(۱۸۸) اور (اے لوگو!) تمہاری اپنی پیدائش میں اور جو کچھ خدائے عظیم حیوانات کو (زمین پر) پھیلاتا ہے کئی ہدایات (آیات) اس قوم کیلئے ہیں جو (صحیفۂ فطرت کے برحق ہونے پر) یقین کرتی ہے: (آیات کے لفظ پر غور کرو جو بار بار آ رہا ہے)

(۱۸۹) واختلاف الیل والنھار ومآ انزل اللہ من السمآء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریاح ایت لقوم یعقلون o: (۱/۴۵)

(۱۸۹) اور (لوگو!) دن اور رات کے اختلاف میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان سے رزق (یعنی پانی) اتارا اور پھر اس پانی سے زمین کے مرجانے کے بعد اس کو زندہ کیا، اور ہواؤں کے مختلف اطراف سے چلنے میں صدہا احکام وہدایات اس قوم کے لئے ہیں جو صاحب عقل و دانش ہے۔

(۱۹۰) تلک ایت ☆ اللہ نتلوھا علیک ☆☆ بالحق ج فبای حدیث م بعد اللہ وایتہ یومنون o: (۱/۴۵)

(۱۹۰) (اے محمدؐ!) یہ (اوپر کی آیات) وہ آیات ہیں جو ہم تم کو حقیقت کے طور پر پڑھ کر سنا رہے ہیں پھر (مجھے بتاؤ کہ خدا کی کہی ہوئی) بات اور اس کی (صحیفۂ فطرت سے اخذ کی ہوئی) آیات کے بعد یہ لوگ کونسی زیادہ سچ بات پر ایمان رکھیں گے۔

(۱۹۱) ویل لکل افاک اثیم o لا

(۱۹۱) اس جھوٹے اور گنہگار پر (جو فطرت کی حقیقت نہ دیکھنے کا گناہ عظیم کرتا ہے)

(۱۹۱) یسمع ایات اللہ تتلے علیہ ☆☆ ثم یصر مستکبرا☆☆☆ کان لم یسمعھا ج فبشرہ بعذاب الیم o: (۱/۴۵)

(۱۹۱) اور اس کو لاشے سمجھ کر اس سے اکڑتا ہے، ہزار) حیف ہے کہ وہ خدا کی آیات کو سن رہا ہے کہ اس کے سامنے پڑھی جارہی ہیں پھر وہ جہالت کے باعث) اکڑتا ہے کہ گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ تو (اے پیغمبرؐ!) ایسے (نامعقول) شخص کو دردناک عذاب کی خوشخبری دو۔ (ایسے شخص کی حقیقت سے نفرت اور اکڑ ہی قوم کو ہلاک کر دے گی)۔

☆ کم از کم یہاں تک تو صاف ظاہر ہے کہ آیات سے مراد صرف صحیفہ فطرت کی آیات ہیں کیونکہ اُور تو کسی شے کا ذکر ہی نہیں ہوا۔

☆☆ اور ☆☆☆ ان الفاظ نتلوھا، تتلٰے علیہ اور مستکبر ا کو پھر (۲۱۴) میں دیکھو۔

سورۂ جاثیہ کا مربوط اور نا قابل رد ترجمہ

(۱۹۲) واذا علم من ایتنا شیئا اتخذھا ھزواط اولئک لھم عذاب مھینOط: (۴۵/۱)

(۱۹۲) اور (مزا یہ ہے) کہ جب وہ ہماری آیتوں میں سے کچھ کا علم حاصل کر لیتا ہے تو ان کو ٹھٹھا مخول سمجھ کر بے معنی سمجھتا ہے☆ تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو ذلیل کر دینے والا عذاب (اس دنیا میں) ملے گا۔

(۱۹۳) من ورآئھم جھنم ج ولا یغنی عنھم ما کسبوا شیئا ولا ما اتخذوا من دون اللہ اولیا ولھم عذاب عظیمOط: (۴۵/۴)

(۱۹۳) اور (اس عذاب کے بعد اُن کے پیچھے) جہنّم ہوگا اور جو کچھ وہ کر رہے ہوں گے اس کا ان کو کچھ فائدہ نہ ہوگا اور نہ اس شے کا کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے سردار دوسرے اشخاص پکڑے لئے ہیں اور ان کو بڑا عذاب لاحق ہوگا۔

(۱۹۴) ھذا ھدیج والذین کفروا بایت ربھم لھم عذاب من رجز الیمO:(۴۵/۱)

(۱۹۴) (یادرکھو کہ یہ جو کچھ ہم نے اوپر واضح کیا ہے) یہی ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے خدا کی (بھیجی ہوئی) آیتوں سے انکار کیا (اور ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے سے گریز کیا) ان کو دردناک مصیبت سے آلودہ عذاب ملے گا۔

(۱۹۵) اللہ الذی سخرلکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا من فضلہ و لعلکم تشکرونO ج: (۴۵/۲)

(۱۹۵) (لوگو! یادرکھو کہ) خدا وہ (قاہر اور غالب) ذات ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے سمندر کو مسخّر (یعنی اس امر کا پابند) کیا تا کہ اُس میں خدا کے قانون (حکم) سے جہاز چلیں اور تا کہ تم انسان اپنی تجارت کر سکو اور تا کہ تم (اس کی بنائی ہوئی فطرت کی) صحیح قدر کر سکو۔

(۱۹۶) وسخرلکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعا منہ ط ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرونO: (۴۵/۲)

(۱۹۶) اور (لوگو! یہی نہیں بلکہ) اس نے تمہارے (استعمال کی خاطر) **جو کچھ شے بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب مسخّر کیا۔** بے شک اس (نئے انکشاف) میں (جواب کیا گیا ہے) سوچ دوڑانے والی قوم کے لئے (ہزارہا) **ہدایات موجود ہیں۔**

(۱۹۷) قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ لیجزی قوماً بما کانوا یکسبونO: (۴۵/۲)

(۱۹۷) (اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں کو جو (صحیفۂ فطرت پر) ایمان لے آئے ہیں کہہ دو کہ ان لوگوں (کو نامعقول اور قابل رحم سمجھ کر اُن) سے درگذر کریں جن کو **امید نہیں کہ خدا کے دن بھی آئیں گے** (گویا)

☆ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیفہ فطرت سے بڑی بڑی ایجادوں کا علم حاصل کرنے کے بعد بھی صحیفہ فطرت کے قائل نہ ہونے والے لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو شاید دنیا میں نوے فیصدی ہیں۔

سورۂ جاثیہ کا مربوط اور ناقابل ردّ ترجمہ

وہ دن جن میں خدا ان سے رُوبرو ملاقات کریگا) تاکہ خدا انکو انکی بداعمالی کی سزا دے۔

(۱۹۸) من عمل صالحاً (۱) **فلنفسه ج ومن اسآء فعليها ز ثم الى ربكم ترجعونo: (۲/۴۵)**

(۱۹۸) جس قوم نے (اس کائنات فطرت کے احکام کی تلاش کے بارے میں) مناسب اور عمدہ عمل کیا تو اس میں اس قوم کی اپنی ہی بہتری ہے اور جس نے بُرا کیا تو اپنے لئے۔ (لیکن) پھر تم اپنے رب کی طرف ہی لوٹو گے (اور اس کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے کہ اپنی غفلت کی جواب دہی کرو)۔

(۱۹۹) ولقد اتينا بنى اسرائيل الكتٰب والحكم والنبوة ورزقناهم من الطيبات وفضلنهم على العالمينo: (۲/۴۵)

(۱۹۹) اور ہم نے بنی اسرائیل کو صحیح معنوں میں اور بالتحقیق الکتٰب، حکومت اور نبوّت دی اور ہم نے اُن کو نہایت پاکیزہ نعمتوں سے مالا مال کیا اور ان کو تمام دنیا پر (انسانی تقدّم اور عمران کی ہر شِق میں) فضیلت دی۔ (گویا بنی اسرائیل تسخیر فطرت کے عمل صالح سے ہی سرفراز ہوئے!)

(۲۰۰) واتينهم بينات من الامر ج فما اختلفوا الا من بعد ما جآء هم العلم (۲) **بغيا ز بينهم ط ان ربک يقضى بينهم يوم القيامة فيما كانوا فيه يختلفونo: (۲/۴۵)**

(۲۰۰) اور قانون (فطرت) کی روشن حقیقتیں بھی ان کو عطا کر دیں لیکن وہ آپس میں ایک دوسرے سے باغی ہو کر علم اور حقیقت کے حاصل ہوئے پیچھے آپس میں پھٹ گئے (اور انہوں نے اپنی سلطنت کو کمزور کر دیا ورنہ ان کی دنیا پر مادی فضیلت قطعی طور پر برقرار رہتی) لیکن اب بے شک تیرا پروردگار اس آپس کے (المناک) اختلاف کے متعلق فیصلہ کریگا (کہ کون فریق مجرم تھا)۔

(۲۰۱) ثم جعلنک على شريعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهوآء الذين لا يعلمون (۲) **o : (۲/۴۵)**

(۲۰۱) اب (اس بنی اسرائیل کی سلطنت کے زوال کے بعد اے پیغمبرؐ!) ہم نے تم کو قانونِ خدا کے ایک رستے (شريعة من الامر) (گویا قانونِ فطرت کی ایک شاخ) پر مقرر کر دیا ہے تاکہ تو اس راہ کی پیروی کر کے (اپنی قوم کو عروج اور فضیلت کی لازوال منزل تک پہنچا سکے اور بنی اسرائیل کی سزا یافتہ قوم کی طرح) بے علم لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرے۔ یہ (بے علم لوگ جو صحیفہ فطرت سے کچھ ہدایات اور آیات

(۱) آیہ (۱۹۵) اور (۱۹۶) میں صحیفہ فطرت کی ہر شے کو ''انسان کے لئے'' جتلا دینے کے بعد عمل صالح کا ذکر (۱۹۸) میں صاف دلالت کرتا ہے کہ فطرت کو مسخر کرنا ہی عمل صالح ہے۔ (۲) العلم اور لا یعلمون کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان آیات میں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے صحیفہ فطرت سے کوئی علم حاصل نہ کیا تھا۔

سورۂ جاثیہ کا مربوط اور ناقابلِ ردّ ترجمہ

اخذ نہیں کرتے اور آپس میں اختلاف پیدا کر کے اپنی قوم کو جہنّم کے گڑھے پر لا رکھتے ہیں)۔

(۲۰۲) انھم لن یغنوا عنک من اللہ شیئاط و ان الظالمین بعضھم اولیآء بعضج واللہ ولی المتقینo: (۴۵/۲)

(۲۰۲) یہ کسی صورت میں بھی تجھے اللہ کے مقابلے میں فائدہ نہ دیں گے اور اس میں شک نہیں کہ (فطرت کی حدود سے) تجاوز کرنے والے آپس میں جو کچھ کرتے ہیں صلاح و مشورہ سے کرتے ہیں (کیونکہ ہر مجرم کا طبعی میلان مجرم کی طرف ہے) لیکن خالق زمین و آسمان (صرف) اس قوم کا دوست ہے جو قانونِ خدا سے (پورے طور پر) خائف ہے۔

(۲۰۳) ھذا(۱) بصآئر للناس وھدی ورحمة لقوم یوقنونo: (۴۵/۲)

(۲۰۳) یہ (تمام نکات جو اس سورت میں بیان ہوئے) ذہن انسانی کے لئے) **بصیرت کی** باتیں اور مستقل ہدایت ہے بلکہ (سر بسر ایک سر چشمہ) رحمت اس قوم کے لئے ہیں جو اُن کی صداقت پر یقین رکھتی ہو۔ (غور کرو کہ اب تک صرف فطرت پر غور کرنے کی بات ہوئی ہے)

(۲۰۴) ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین (۲) امنوا وعملوا الصلحت لا سوآء محیاھم ومماتھمط سآء ما یحکمونo: (۴۵/۲)

(۲۰۴) کیا اُن (قوموں) نے جو (اس دنیا میں) اپنے بُرے عمل سے زوال کو پہنچیں یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم اِن کو اُن قوموں کے برابر کر دیں گے جنھوں نے ایمان (کے لازمات کو) حاصل کر کے بہترین اعمال کئے، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگیاں اور موتیں برابر کی ہوں گی (یاد رکھو کہ) ان کا یہ فیصلہ انتہائی طور پر غلط (اور بے معنی) ہے۔

(۲۰۵) وخلق اللہ السموت والارض بالحق (۳) ولتجزی کل نفس م بما کسبت وھم لا یظلمونo: (۴۵/۲)

(۲۰۵) اور اب (اِن امور کے واضح کر دینے کے بعد کہ آسمانوں اور زمین میں صدہا احکام الٰہی موجود ہیں نیز یہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ انسانوں کے استعمال کے لئے خدائے عظیم نے مسخّر کر رکھا ہے جو سنسنی خیز انکشاف کیا جا رہا ہے یہ ہے کہ) خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا ہی بطور ایک حقیقت کے کیا ہے اور اس پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ہر نفس کو (انفرادی طور پر) اس کے

---

(۱) آیہ (۱۹۰) میں تلک آیات اللہ، آیہ (۱۹۴) میں ھذا ھدی اور آیہ (۲۰۳) میں ھذا بصائر کے الفاظ بار بار کہہ رہے ہیں کہ صحیفہ فطرت کو مسخّر کرو۔ (۲) گویا فطرت کی تسخیر ہی ایمان اور صالح ہے۔ (۳) گویا فطرت کو پیدا ہی اس لئے کیا کہ انسان کو اس کی تسخیر پر انعام دیا جائے۔ فتدبّر۔

سورۂ جاثیہ کا مربوط اور ناقابل ردّ ترجمہ

عمل (یعنی تلاش صحیفۂ فطرت) کی جزا پورے طور پر دی جائے اور انسانی نسل پر ظلم نہ ہو۔

(۲۰۶) افرء یت من اتخذ الهه هوه و اضله الله علی علم وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصره(۱) غشوةط فمن یهدیه منم بعده اللهط افلا تذکرون o :(۳/۴۵)

(۲۰۶) کیا تُو نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہش نفسانی کو ہی اپنا حاکم بنا لیا ہو اور باوجود جانتے ہوئے کہ اس دنیا کے اندر کوئی حاکم یا سردار بجز خدا کی ذات کے نہیں خدا نے اس کو گمراہ کر دیا ہو اور اس کے علم کے تینوں مصدروں یعنی سمع و بصر پر مُہر اور قلب پر پردہ ڈال دیا ہو۔ تو (کیا ممکن ہے کہ) ایسے شخص کو کوئی ہستی خدا کے بعد راہ دکھائے کیا تم اس سے عبرت نہیں پکڑتے۔

(۲۰۷) وقالوا ماهی الاحیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدهر ج (۲) ومالهم بذلک من علمج ان هم الایظنونo: (۳/۴۵)

(۲۰۷) اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بس یہی دنیاوی انفرادی زندگی ہی ہے (جو کسی مطلب کی ہے) اسی میں ہم زندہ رہتے ہیں اور پھر ہلاک ہو جاتے ہیں اور زمانہ ہی (خود بخود) ہم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (۲) (اس کے سوا کوئی اور محرک نہیں نہ اس ہلاکت میں کسی قانون کی نافرمانی یا آخرت کی پرسش یا خدائی گرفت کا سوال ہی پیدا ہوتا ہے) ان لوگوں کو اس کا علم نہیں اور وہ محض اٹکل پچو باتیں کر رہے ہیں۔ (کیونکہ بقائے اصلح کے قانون سے ناواقف ہیں)۔

(۲۰۸) واذا تتلیٰ علیهم ایتنا بینت ما کان حجتهم الا ان قالوا ائتوا با بأئنا ان کنتم صدقینo: (۳/۴۵)

(۲۰۸) اور جب اُن پر ہماری روشن آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی دلیل اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ (اگر فی الحقیقت خدا کے احکام قوموں کو ہمیشہ کی زندگی دینے والے احکام ہیں تو) ہمارے باپ داداؤں کو پھر زندہ کر دو اگر تم سچے ہو۔

(۲۰۹) قل الله یحییکم ثم یمیتکم ثم یجمعکم الی یوم القیامة لا ریب فیه ولکن اکثر الناس لا یعلمونo: (۳/۷۵)

(۲۰۹) ان کو کہو کہ خدا تمہیں زندہ کریگا پھر تمہیں ماریگا پھر تمہیں روزِ قیامت کو جمع کر کے (تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا) لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے (کہ وہاں فرداً فرداً پوچھ ہوگی)۔

(۲۱۰) ولله ملک السموت والارضط ویوم تقوم الساعة یومئذ یخسر المبطلونo: (۴/۴۵)

(۲۱۰) اور تمام آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کی ہے اور جس دن وہ وقت آ گیا سب (صحیفہ فطرت کو) جھٹلانے والے گھاٹے میں پڑ جائیں گے۔ (مبطلون کے لفظ پر غور کرو دیکھو (۲۵) صفحہ ۱۹ نیز (۱۳۲) اِ۔ صفحہ ۷۰ و (۱۳۲) ب۔ صفحہ ۷۱)

(۱) گویا سمع، بصر اور قلب کا استعمال کر کے فطرت کا علم حاصل نہ کرنا شرک اور گمراہی ہے۔ (۲) مطلب یہ کہ یہ کہنا کہ صحیفہ فطرت کو غور سے نہ دیکھنے اور اس سے آیات نہ تلاش کرنے سے قوموں پر عذاب آتا ہے (دیکھو (۱۹۲) تا (۱۹۴) اور وہ ہلاک ہو جاتی ہیں، ایک بے معنی بات ہے۔ اس دنیا میں کوئی ایسا قانون رائج نہیں بس یہی دنیا کی عیش و عشرت کی انفرادی زندگی ہر انسان کیلئے ہے اور زمانہ اس فرد کو یونہی ہلاک کر دیتا ہے۔

سورۂ جاثیہ کا مربوط اور نا قابل ردّ ترجمہ

(۲۱۱) وتری کل امة جاثية قف کل امة تدعی الی کتبها ط الیوم تجزون(۱) ما کنتم تعملونo: (۴۵/۴)

(۲۱۱) اور تُو دیکھے گا کہ سب اُمّتیں گھٹنے ٹیکے ہوئے سب اپنی اپنی کتاب کی طرف (جو اسکے لئے بنائی گئی تھی) بلائی جا رہی ہیں (اور ان کو کہا جائیگا کہ آج تم کو اس کی جزا دی جائے گی جو کچھ تم عمل کر رہے تھے۔

(۲۱۲) هذا کتبنا ینطق علیکم بالحق ط انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملونo: (۴۵/۴)

(۲۱۲) یہ ہماری وہ کتاب ہے جو بالکل سچ بولتی ہے اور ہم جو کچھ تم کر رہے تھے لکھواتے جاتے تھے۔

(۲۱۳) فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیدخل هم ربهم فی رحمته ط ذالک هو الفوز المبینo: (۴۵/۴)

(۲۱۳) پھر ایمان اور عمل صالح والی قوم کو خدا اپنی رحمت میں لے لیگا اور یہ بڑی روشن کامیابی ہے۔ (غور کرو آیات (۱۹۱) تا (۱۹۴) پر اور اُن کے مضمون کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھو)۔

(۲۱۴) وما الذین کفروا قف افلم تکن ایتی تتلی علیکم فاستکبرتم (۲) وکنتم قوماً مجرمینo: (۴۵/۴)

(۲۱۴) اور منکر جماعت کو کہا جائیگا (جیسا کہ اس سورۃ کے شروع میں کہا گیا ہے) کہ کیا ہماری آیات تم پر پڑھی نہ جاتی تھیں تو تم اُن سے نفرت کے باعث اکڑا کرتے تھے اور اس طرح تم مجرم قوم ہو گئے۔

(۲۱۵) واذ قیل ان وعد الله حق والساعة لا ریب فیها قلتم ماندری ما الساعة ط ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنینo: (۴۵/۴)

(۲۱۵) اور جب تم کو کہا گیا تھا کہ اللہ کا وعدہ اور ہلاکت کا وقت دونوں برحق ہیں اور ان کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم جانتے ہی نہیں وقت کیا شے ہے ہم سوائے اس کے کہ شک کریں اس پر یقین ہی نہیں کر سکتے۔

(۲۱۶) وبدالهم سیات ما عملوا وحاق بهم ما کانوا به یستهزء ونo: (۴۵/۴)

(۲۱۶) پس اس وقت اُن پر اپنی بداعمالی کے بُرے نتیجے واضح ہوں گے اور جس کو وہ ٹھٹھا مخول سمجھتے تھے وہی ان پر آ پڑیگا۔

(۲۱۷) وقیل الیوم ننسکم کما نسیتم لقآء یومکم هذا وما وکم النار وما لکم من نصرینo: (۴۵/۴)

(۲۱۷) پھر ان کو کہا جائے گا کہ آج ہم بھی تم کو بھول جاتے ہیں جس طرح کہ تم نے اس آج کے دن کی ہماری ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا جہنّم ہے اور اب تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

(۲۱۸) ذالکم بانکم اتخذتم ایت الله هزواً وغرتکم الحیوة الدنیا ج فالیوم لا یخرجون منها ولا هم یستعتبونo: (۴۵/۴)

(۲۱۸) یہ اس لئے کہ تم نے آیاتِ خدا کو مخول سمجھا اور دنیاوی تعیش اور غفلت نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا پس آج تم اس عذاب سے نہ نکل سکو گے نہ تمہیں معاف کیا جائے گا۔

(۱) تجزون کے اور تعملون کے الفاظ کو آیہ (۲۰۵) کے لتجزیٰ اور کسبت سے ملا کر پڑھو تو واضح ہو جائیگا کہ صحیفہ فطرت کو نہ دیکھنے سے اُمّتیں ذلیل ہوتی ہیں اور دونوں جگہ سلسلہ کلام ایک ہی ہے۔ (۲) یہی استکبرتم کا لفظ آیہ (۱۹۱) میں ہے۔ فتدبّر۔

(۲۱۹) فللہ الحمد رب السموت ورب الارض رب (۱) العالمینo: (۴/۴۵)

(۲۱۹) پس اس پروردگار عالم اور خالق زمین وآسمان کی ہی تعریف ہونی چاہیے۔

(۲۲۰) ولہ الکبریآ فی السموات والارض ص وھو العزیز الحکیم (۲)o: (۴/۴۵)

(۲۲۰) کیونکہ اس آسمانوں اور زمین میں اس کی کبریائی ہے۔ اور وہی صحیح معنوں میں انتہائی طور پر غالب اور حکمت کا مالک ہے۔

اس سورۃ کے مطالب سمجھنے میں جو باتیں قابل غور ہیں حسب ذیل ہیں۔ سورۃ کے شروع میں **العزیز الحکیم** کے الفاظ ہیں۔ وہی الفاظ آیت (۲۲۰) میں ہیں۔ سورۃ کے شروع میں **السموات** اور **الارض** کی آیات کا ذکر ہے اور اس دردناک عذاب کا جو ان قوموں کو ہوگا جو ان آیات الٰہی کو **مخول ٹھٹھا** سمجھتی ہیں۔ اسی عذاب کی تصویر کو سورت کے اخیر میں بھی کھینچا ہے۔ دوسرے رکوع میں پھر نیا انکشاف کیا ہے کہ آسمان و زمین کی ہر شے انسان کے لئے ہے اور بتایا ہے کہ انہی کی تسخیر اور صحیفۂ فطرت کی تلاش وتفتیش سے ملاقات خالق زمین وآسمان ہوسکتی ہے اور یہی انتہائے منشائے ایزدی ہے۔ پھر بتلایا ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل والے آپس میں اس فطرت کے احکام کا غلط مطالعہ کر کے ہلاک ہو گئے اور اب یہ ذمّہ داری محمدؐ عربی کی قوم پر ہے کہ وہ صحیفہ فطرت کی ان آیات کو اپنا دستور العمل بنا دے اور محمدؐ کی قوم بھی بے علم لوگوں کی خواہشات نفسانی میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جائے۔ پھر تیسری منزل اسی علم کی تیسرے رکوع کے شروع میں آتی ہے کہ خدا نے صاف یہ انکشاف ہی کر دیا کہ آسمانوں اور زمین کو ہی خدا نے برحق پیدا کیا اور پیدائش کا مقصد ہی صرف یہ ہے کہ ہر متنفّس کو اس کے عمل کی جزا اور سزا دے اور وہ جو اس فطرت کو اپنا واحد رہنما نہیں سمجھتے اور عیش وعشرت کی غفلتوں میں پڑ کر مقصد حیات بھول جاتے ہیں اور صرف یہی سمجھتے ہیں کہ مرنا جینا ایک زمانہ کا معمول ہے اور اس کی کوئی خاص وجہ نہیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کو دردناک سزا روزِ جزا کو ملے گی اور جو کتاب ان کو عمل کرنے کے لئے دی گئی تھی۔ (دیکھو آیہ ۲۱۱) ان کے سامنے لائی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم ہی ٹھٹھا مخول کیا کرتے تھے آؤ دیکھو آج تمہارا کیا حشر ہے آج ہم تم کو بھول جاتے ہیں جیسا کہ تم نے ہمیں بھلا دیا تھا اور ان لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں جنہوں نے ہماری فطرت پر یقین کیا تھا۔

الغرض اس تمام سورۃ کا ایک ایک لفظ اس تمام دعوے کی تائید کرتا ہے جو حدیث القران میں قران کے دستور العمل کے متعلق اور تذکرہ اوردہ الباب میں اسلام کے تمام مفہوم کے متعلق کیا گیا ہے اور

(۱) تین جگہ ربّ کا لفظ ہے یعنی آسمانوں اور زمین کو فروغ اسی سے ہے اور دنیا کی قوموں کو فروغ صحیفہ فطرت کے ذریعے سے دیتا ہے۔ فتدبّر!

(۲) یہی العزیز الحکیم کے الفاظ آیہ (۱۸۶) میں ہیں۔

ایام اللہ اورلقائے یومکم ھذا کے الفاظ نے تو حیرت انگیز طور پر میرے اوپر کے عنوان مقامِ خدا و بشر اور معاد بشر کی حرف بحرف تصدیق کر دی ہے کہ بالآخر خدا سے ملاقات ہی انسان کو پیدا کرنے کی **آخری غرض** ہے اور اس کا واحد وسیلہ تلاش صحیفہ فطرت ہے۔

مطالعہ صحیفہ فطرت کا سبق قران عظیم میں ہر جگہ نمایاں ہے

سورۂ جاثیہ میں انسان کو اپنے لئے صحیفہ فطرت سے احکام اور ہدایات اخذ کرنے کی اپیل اور اس تلاش و تفتیش کو **لازمہ ایمان** قرار دے کر ایک رُو سے تمام دین اسلام کی بنیاد انہی اعمال پر رکھنا، آج کل کے اسلام بھولے ہوئے مسلمان کے لئے **ایک تعجّب خیز شے معلوم ہوتی ہے** لیکن اگر غور سے قران حکیم کا مطالعہ سیاق و سباق کلام کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے اور کسی ایک سورۃ کے مختلف رکوعوں کے مضامین کو ایک منطق کی لڑی میں پرو کر اُس سورت کے تمام استدلال کو پرکھا جائے گا تو یقین ہو جائے گا کہ تمام قران میں ہر جگہ یہی سورۂ جاثیہ والی اپیل نمایاں ہے اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین **ماسوا اس کے کچھ نہ تھا** کہ صحیفہ فطرت کا بدرجہ اَتم مطالعہ کر کے خدا کے مکمل راہِ عمل کو بطور خود دریافت کیا جائے تا کہ انسان ترقی اور تمدّن کے فلک الافلاک تک جا کر آفرینش کے آخری مقصد تک پہنچے۔ انبیاؑ کی وساطت سے خدا کا بھیجا ہوا مختصر سا قانون ظاہر ہے، کہ اس سے بہتر لائحہ عمل انسان کو نہیں دے سکتا۔ اسی راہ کے دریافت کرتے جانے میں قوموں کا اس دنیا پر **خلود** (یعنی ہمیشگی) ہے اور اسی سے ہٹ جانے میں اُن کی ہلاکت ہے۔ سورۂ جاثیہ میں ایام اللہ اور لقآء یومکم ھـذا کے الفاظ ممکن ہے، کم بین حضرات کو ان معنوں میں جو میں نے لئے ہیں، دوراز کار ''تاویل'' ہی نظر آئیں اور وہ سمجھیں کہ ان کے یہ معنی کھینچ تان کر بنائے گئے ہیں، لیکن لقائے رب کے متعلق مستقل اور فیصلہ کن بحث اس سے پہلے حدیث القران میں صفحہ (۸۸ تا ۱۰۴) گذر چکی ہے اور وہاں بھی سورۂ سجدہ کا بہ تمام و کمال مضمون وار ترجمہ کر کے (دیکھو صفحہ ۹۸ تا ۱۰۴) لقائے ربّ کے مقصد کو واضح کر دیا تھا لیکن مزید تشریح و توکید کے لئے اس جگہ پھر سورۂ سجدہ (۳۲) کو بہ تمام و کمال نقل کر کے اس کا مدلّل اور مربوط ترجمہ آیت وار کیا جاتا ہے تا کہ قران حکیم کے لائحہ عمل کے متعلق ادنیٰ شک باقی نہ رہے۔ اس سورت میں بھی بـلـقـائـے ربھم اور لقاء یـومـکـم ھذا اور ولاتکن فی مریة من لقائه کے الفاظ بلکہ فتح اور یوم الفتح کے الفاظ موجود ہیں:۔

سورۂ سجدہ کا مربوط اور ناقابل ردّ ترجمہ

(۲۲۱) الم○ج: (۱/۳۲)

(۲۲۱) الم

(۲۲۲) تنزیل الکتٰب لا ریب فیه من رب العلمین○ط: (۱/۳۲)

(۲۲۲) (یہ قران) جہانوں کے پروردگار (اور تمام دنیا کے سب عالموں کی ہر شے کو نشو ونما دینے والے) کی طرف سے اُس الکتٰب (یعنی صحیفہء فطرت کے علم) کی (انسان پر) اتاری ہوئی صورت ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں (اور جو ایک مستقل حقیقت ہے)

(۲۲۳) ام یقولون افترہ ج(۱) بل ھو الحق من ربک لتنذر قوماً ما اتھم من نذیر من قبلک لعلھم یھتدون○: (۱/۳۲)

(۲۲۳) اے پیغمبر کیا یہ لوگ (تجھے اس کے مشکل ترین (۱) دستور العمل کو دیکھ کر) یہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ ان کو کہہ دو کہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایک حقیقت ہے تا کہ تو اس قوم کو ڈرائے جس کے پاس اس سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا شائد کہ وہ راہ راست پر چلیں۔

(۲۲۴) الله الذی خلق السموت والارض وما بینھما فی ستة ایام ثم استوی علی العرش ط مالکم من دونه من ولی ولا شفیع ط افلا تتذکرون○: (۱/۳۲)

(۲۲۴) (تو اس راہ راست کو سمجھنے کیلئے اس امر کی طرف خیال کرو کہ) خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے چھ (بڑے بڑے لمبے) دنوں میں (جن کی مدّت لاکھوں اور کروڑوں برس کی ہے) پیدا کیا پھر تخت (حکومت) پر جم کر بیٹھ گیا (تو جب حکومت اس کی ہے سوچو کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی مددگار یا سفارشی نہیں (ہوسکتا)۔ پھر کیا اس سے نصیحت نہیں پکڑتے۔

(۲۲۵) یدبر الامر من السمآء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقدارہ الف سنة مما تعدون○: (۱/۳۲)

(۲۲۵) وہ (حاکم اعلیٰ) آسمانوں سے لے کر زمین تک ایک قانون کی تدبیر کرتا ہے پھر وہ (قانون) اس خدا کی طرف ایک ایسے یوم (یعنی مدّت) میں (آہستہ آہستہ) ارتقا کرتا ہے (یعنی پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے) جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار برس کی ہوتی ہے۔

(۲۲۶) ذالک علم الغیب والشھادة العزیز الرحیم○لا: (۱/۳۲)

(۲۲۶) یہ ہے وہ آئندہ احوال کو جاننے والا اور موجودہ حالات کو پرکھنے والا خدا جو (قوموں کو) بڑا ہی عزت دینے والا اور ان کی

(۱) ''گھڑے ہوئے ہونے'' کا الزام اسی صورت میں لگایا جاتا ہے کہ دستور العمل مشکل نظر آئے ورنہ اس الزام دینے کی ضرورت کیا ہے۔

سورۂ سجدہ کا مربوط اور ناقابلِ ردّ ترجمہ

خوشحالی کے بارے میں اُن پر) بڑی رحمتیں برسانے والا ہے۔

(۲۲۷) الذی احسن کل شیئ خلقه وبداخلق الانسان من طینOج: (۳۲/ ۱)

(۲۲۷) یہ وہی خدا ہے جس نے ہر شے کی خلقت کو بہتر سے بہتر کر دیا ہے اور جس نے انسان کی خلقت کو مٹی سے شروع کیا۔

(۲۲۸) ثم جعل نسله من سللة من مآء مهینO: (۳۲/ ۱)

(۲۲۸) پھر اس کی نسل کو گندے پانی کے ایک نچوڑ سے (قائم کیا)۔

(۲۲۹) ثم سوه ونفخ فیه من روحه وجعللکم السمع والابصار والافئدةط قلیلا ما تشکرونO (۳۲/ ۱)

(۲۲۹) پھر اس کے (اعضاء کو) درست کیا اور اس میں اپنی (ربّانی صفات والی) روح کا ایک حصّہ پھونک دیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور ذہن ارزانی کر دیا (لیکن افسوس ہے کہ) تم بہت ہی کم (ان اشیا کی) قدر کرتے ہو۔ **(گویا غور سے فطرت کا مطالعہ کرو)**

(۲۳۰) وقالو آء اذا ضللنا فی الارض ء انا لفی خلق جدید ۵ طبل هم بلقآی ربهم کفرونO: (۳۲/ ۱)

(۲۳۰) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم جب اس زمین میں (اس طرح پر) گمراہ ہو گئے (جس طرح کہ یہ پیغمبر ہم کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اور صحیفہ فطرت کی ہدایتوں پر عمل کر کے ترقی کے انتہائی مقامات پر چڑھتے گئے) تو کیا فی الواقع ہم (اس سے بھی بہتر) نئ پیدائش ہو جائینگے۔ (تا کہ خدا سے روبرو ملاقات کرنے کے قابل ہوسکیں)۔ (انہوں نے کیا کسی بہتر یا نئ پیدائش میں بدلنا ہے) بلکہ وہ تو (سرے سے) اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں۔(۱)

(۲۳۱) قل یتوفی کم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعونOط: (۳۲/۲)

(۲۳۱) انہیں کہہ دو کہ تم کو تو وہی موت کا فرشتہ ختم کر دیگا جو تمہارے سپرد کیا گیا پھر تم اپنے پروردگا کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے (تا کہ اپنے کئے کی سزائیں پاؤ)۔

(۲۳۲) ولو تری اذالمجرمون ناکسوا رء وسهم عند ربهم ط ربنا ابصرنا وسمعنا☆ فارجعنا نعمل صالحاً ☆☆انا موقنونO: (۳۲/ ۲)

(۲۳۲) اور کاش کہ تو اس وقت ان مجرموں کو دیکھے کہ وہ سر لٹکائے ہوئے اپنے رب کے پاس (پکار رہے ہوں گے کہ) اے ہمارے پروردگار ہم نے (حقیقت کو) دیکھ لیا اور (اصلیّت کو) سمجھ لیا تو اب ہمیں (زمین کی طرف) واپس کر دے تا کہ ہم (وہی)

(۱) اس ترجمہ کے سوا جو میں نے کیا ہے اس آیت کا کوئی مربوط ترجمہ نہیں ہوسکتا اور نہ آیہ (۲۲۹) کی دلیل کا سلسلہ قائم رہ سکتا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۹۹)

☆ دیکھو آیہ (۲۲۹) میں سمع اور بصر کے الفاظ اور انکی ناقدردانی ☆☆ مقابلہ کرو اس نعمل صالحا کا (۱۹۸) صفحہ ۱۳۳) کے عمل صالحا سے اور اس کا تحت المتن (۱)

سورۂ سجدہ کا مربوط اور نا قابل ردّ ترجمہ

مناسب ترین اعمال کریں (جن کا تُو نے حکم دیا تھا) اب ہم کو در حقیقت یقین ہو چکا ہے۔

(۲۳۳) ولو شئنا لاتینا کل نفس ھداھا (۱) ولکن حق القول منی لا ملئن جھنم من الجنة والناس اجمعینo: ☆ (۲/۳۲)

(۲۳۳) اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو ضرور ہر متنفّس کو اس کی راہ ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ قول پورا ہو کر رہے گا کہ میں ضرور جنّ و انس سب سے جہنّم کو بھر کر رہوں گا (کیونکہ مجھے یقین ہے کہ انسان اپنی خودسری، خودرائی اور کبر کے باعث حقیقتِ حال اور اس کائنات جہاں کی پیدائش کے آخری منشا کو سمجھنے والا ہی نہیں)۔

(۲۳۴) فذوقوا بما نسیتم لقآء یومکم ھذاج انا نسینا کم وذوقوا عذاب الخلد بما کنتم تعملونo: (۲/۳۲)

(۲۳۴) پھر (ہم ان لوگوں کو کہیں گے کہ اس عذاب جہنّم کو) چکھو اس (گناہ) کی پاداش میں کہ تم آج اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے بے شک ہم نے تم کو بھلا دیا اور یہ ہمیشگی کا عذاب چکھو اس کی پاداش میں جو تم کرتے تھے۔

(۲۳۵) انما نؤمن بایتنا الذین اذا ذکروا بھاخروا سجدا وسبحوا بحمد ربھم وھم لا یتسکبرونo: (۲/۳۲)

(۲۳۵) (یاد رکھو) صرف وہی لوگ ہماری (صحیفہ فطرت کی آیات کی) ہدایات کو (نفع مند) یقین کرتے ہیں جو جس وقت یہ آیات (ان کے سامنے حقیقت کے طور پر آ کر ان کو بیدار کر دیتی ہیں یعنی) متنبہ کر دیتی ہیں تو وہ لڑکھڑا کر سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کے (کمال قدرت کو دیکھ کر) ترانہ حمد گاتے ہیں اور وہ (صحیفہ فطرت کو محض لاشے یا نا قابل توجہ سمجھ کر) اکڑ نہیں کرتے۔

(۲۳۶) تتجا فی جنوبھم عن المضاجع (۲) یدعون ربھم خوفاً وطمعا ز ومما رزقنا ھم ینفقونo: (۲/۳۲)

(۲۳۶) (بلکہ) ان کے پہلو (اس اضطراب میں کہ وہ اس صحیفۂ فطرت کی ماہیّت کو سمجھ کر ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچیں)، بستروں سے آشنا نہیں ہوتے، وہ اپنے پروردگار کو (سزا کے) خوف (سے) اور (دنیا میں بہترین چیزوں کے حاصل کرنے کی) طمع سے (ملاقات کی) دعوت دیتے رہتے ہیں اور (پھر) جو کچھ انعامات (نئی

☆ دیکھو آیہ (۲۶)۔ لے صفحہ ۱۹ جہاں یہی الفاظ ان غافل قوموں کے بارے میں استعمال ہوئے ہیں جو اپنے سمع، بصر اور افئدۃ کا صحیح استعمال نہیں کرتیں۔ گویا صحیفہ فطرت کا علم حاصل کر کے قوت کے مراحل تک نہ پہنچنا ھدیٰ کے خلاف ہونا اور جہنمی بننا ہے۔

(۱) اس ھدیٰ کے لفظ کا مقابلہ کرو آیہ (۱۹۴) صفحہ ۱۳۱ کے ھدیٰ سے۔ (۲) یہی الفاظ آیہ (۱۳۲) ج صفحہ ۱۰۷ پر صحیفہ فطرت میں تفکّر کے بارے میں ہیں۔ فتدبّر۔

سورۂ سجدہ کا مربوط اور ناقابل ردّ ترجمہ

نئی ایجادات کی صورت میں) ہم ان کو عطا کرتے رہتے ہیں ان میں سے (بہت سے) وہ (خلقِ خدا کی بہبودی کے لئے) عوام الناس کو عطا کرتے رہتے ہیں۔ (گویا ایجادات کرنا ہی مطالعہ صحیفہ فطرت کا مقصد ہے)۔

(۲۳۷) ولا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین☆ جزآء بما کانوا یعملون٥: (۲/۳۲)

(۲۳۷) تو کوئی متنفّس بھی نہیں جانتا کہ ایسے (صاحب علم وعمل) لوگوں کے لئے کیا آنکھوں کی ٹھنڈکیں (اور لازوال انعامات) چھپے پڑے رکھے ہیں جو اُن کے عمل کے بدلے میں بطور جزا دیئے جائیں گے۔

(۲۳۸) افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقاً☆ لا یستون٥☆: (۲/۳۲)

(۲۳۸) تو کیا وہ قوم جو (صحیفہ فطرت پر) ایمان لے آئی اس کے برابر ہوسکتی ہے جو (منکر اور) بدکار رہو۔ ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔

(۲۳۹) اما الذین امنوا وعملوا الصلحت فلھم جنت الماوی ز نزلاً بما کانوا یعملون٥: (۲/۳۲)

(۲۳۹) تو وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اعمال صالحہ کئے ان کے لئے (بادشاہت زمین کے) جنّات بطور پناہ کے ہوں گے اور یہ ان کے اعمال کی جزا میں اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی مہمانی ہوگی۔

(۲۴۰) واما الذین فسقوا فما وھم النار ط کلما ارادوآ ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا وقیل لھم ذوقوا عذاب النار الذی کنتم بہ تکذبون٥: (۲/۳۲)

(۲۴۰) اور جو منکر اور بدکار ہو گئے، تو ان کی جائے پناہ جہنّم ہوگی، وہ اس (ذِلّت، غلامی، دُکھ اور تنگی کی) زندگی میں جب بھی ارادہ کریں گے کہ اس سے نجات پائیں تو بار بار اس میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان کو کہا جائیگا کہ اس جہنّم کا مزا چکھو جس کو تم (مخول سمجھ کر) جھٹلا رہے تھے۔ (غور کرو کہ غلام قوموں کی حالت آج بعینہٖ یہی ہے)۔

(۲۴۱) ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون٥: (۲/۳۲)

(۲۴۱) اور ضرور ہے کہ ہم ان قوموں کو چھوٹے چھوٹے وقتی عذاب، ہلاکت کے بڑے عذاب کو چھوڑ کر (جو کہ ہماری انتہائی اور ناقابل معافی سزا ہے)، دیتے رہیں تاکہ شائد وہ (غفلت اور کاہلی کے گناہوں سے) باز آجائیں۔

(۲۴۲) ومن اظلم ممن ذکر بایت(ا) ربہ ثم اعرض عنھاط انا من المجرمین منتقمون٥: (۲/۳۲)

(۲۴۲) اور کون (قوم) اس سے زیادہ ظالم ہے کہ اس کو اُس کے پروردگار کی آیات کے متعلق تنبیہہ کردی گئی ہو اور پھر وہ اُن

(ا) اس آیت کے لفظ ایات اور آیہ (۲۳۵) کے لفظ ایات کا مقابلہ سورۂ جاثیہ کی تمام اُن آیات سے کرو جہاں لفظ ایات واقع ہوا ہے تو معانی زیادہ واضح ہوجائیں گے کہ ایات سے مراد صرف صحیفہ فطرت کے احکام ہیں اور کچھ نہیں۔

☆ غور کرو بعینہٖ یہی مقابلہ (۱۳۲)۔ (صفحہ ۷۰ پر ہے اور وہاں بھی امنوا وعملوا الصلحت ہے لیکن وہاں فاسق کی جگہ فجار کا لفظ ہے۔ اور صحیفہ فطرت کو باطل سمجھنے والے فاجر ہیں۔

سورۂ سجدہ کا مربوط اور نا قابل ردّ ترجمہ

سے روگردان ہو جائے ہم تو ضرور (ایسے) مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے۔

(۲۴۳) ولقد اتینا موسی الکتٰب فلا تکن فی مریة من لقآئه وجعلنه هدی لبنیٓ اسرآءیلO ج: (۳/۳۲)

(۲۴۳) اور بالتحقیق ہم نے موسیٰؑ کو (یہی قانون فطرت) الکتٰب (کی صورت میں) دے دیا تھا (اور اس کی قوم اسی کے ذریعے سے ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچ گئی تھی) تو (اے پیغمبرؐ!) تم بھی خدا سے ملاقات کے بارے میں شک میں نہ پڑنا اور ہم نے اس الکتٰب کو بنی اسرائیل کے لئے ایک (مجسّمہ) ہدایت بنا دیا تھا۔

(۲۴۴) وجعلنا منهم ائمة یهدون بامرنا لما صبرواط قف وکانوا بایتنا یوقنون:O

(۲۴۴) اور (وہ اس ہدایت کی طفیل تمدّن اور عُمران کی اُن انتہائی منزلوں تک پہنچ گئے کہ) ہم نے انہی میں سے (بڑے بڑے جیّد) رہنما اور امام پیدا کئے جو ہمارے قانون کو پیش نظر رکھ کر اس وقت تک رہنمائی کرتے رہے جب تک وہ (سعی و عمل میں) مستقل مزاج رہے اور وہ ہماری (صحیفۂ فطرت سے ملی ہوئی اور وحی کی) آیات پر (کامل) یقین رکھتے تھے۔

(۲۴۵) ان ربک هو یفصل بینهم یوم القیمة فیما کانوا فیه یختلفونO: (۳/۳۲)

(۲۴۵) (پھر اُن میں الکتٰب کے علم کے متعلق، نیز وحی کی الکتٰب کی آیتوں کے متعلق) اختلاف پیدا ہو گیا اور ان میں زوال شروع ہو گیا تو) بے شک تیرا پروردگار یوم حساب کو ان کے درمیان ان کے آپس کے اختلاف کا فیصلہ کریگا (کہ زوال کا مجرم کون تھا)۔

(۲۴۶) اولم یهد لهم کم اهلکنا من قبلهم من القرون یمشون فی مسکنهمط ان فی ذالک لایت افلا یسمعونO: (۳/۳۲)

(۲۴۶) کیا ان لوگوں کو یہ سوجھ نہیں آئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو (انہی جُرموں کے باعث) ہلاک کر دیا تھا جن کے گھروں میں وہ اب چل پھر رہے ہیں۔ اس میں بے شک (ان کے لئے) ایک اشارہ ہے تو کیا وہ اس کو نہیں سنیں گے)۔

(۲۴۷) اولم یروا انا نسوق المآء الی الارض

(۲۴۷) اور کیا انہوں نے اس حقیقت کی طرف نہیں دیکھا کہ

سورۂ سجدہ کا مربوط اور ناقابل ردّ ترجمہ

الجرز فنخرج به زرعاً تاكل منه انعامهم وانفسهمط افلا يبصرونo: (۳/۳۲)
ہم (اپنی رحمت کے) پانی کو (ہمیشہ اسی زمین کی طرف لے جاتے ہیں جو ہموار اور نیچی ہو (اور جس میں اونچ نیچ کی کجی نہ ہو)۔ (اسی طرح جو قوم ہموار اور اطاعت گذار ہو اس پر ہماری رحمت کے پانی برسا کرتے ہیں)۔ پھر اس پانی سے ہم کھیتیاں اور سر سبز درخت اُگاتے ہیں جن سے ان کے مویشی اور وہ خود بہرہ مند ہوتے ہیں۔ (اور اسی طرح ایسی قوموں کو ہم نعمتوں سے مالا مال کر دیتے ہیں) تو کیا یہ لوگ اس حقیقت کو بصیرت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

(۲۴۸) ويقولون متى هذا الفتح ان كنتم صدقينo: (۳/۳۲)
(۲۴۸) اور یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ یہ دن کب ہوگا جب (کائنات کی پیدائش کا آخری راز اور خدا سے دو بدو ملاقات کا عظیم الشان واقعہ یعنی) فتح نمودار ہوگی اگر تم جو کہہ رہے ہو فی الحقیقت سچ ہے۔

(۲۴۹) قل يوم الفتح لا ينفع الذين كفروا ايمانهم ولاهم ينظرونo: (۳/۳۲)
(۲۴۹) ان کو کہہ دو کہ اس فتح کے دن منکروں کو ان کا ایمان کوئی نفع نہ دے گا اور نہ ان کو کوئی مہلت دی جائے گی۔

(۲۵۰) فاعرض عنهم وانتظر انهم منتظرونo : (۳/۳۲)
(۲۵۰) پس ان سے علیحدہ ہو جاؤ اور انتظار کرو (کیوں کہ) وہ بھی (اپنی سزا ہی کا) انتظار کر رہے ہیں!۔

کیا سورۂ جاثیہ اور سورۂ سجدہ کے ان مربوط ترجموں کے بعد جن میں کئی نقاط نظر سے یکسائی مضمون ہے اور جن میں بنی اسرائیل کی ہلاکت کے اسباب بیان کئے گئے ہیں بلکہ لقائے ربّ پر دونوں جگہ زور دیا گیا ہے، کسی متنفّس پر گمان ہوسکتا ہے کہ ''اللہ کی ملاقات'' یا بالفاظ دیگر'' خدا کی طرف لوٹ جانے اور اپنے اعمال کا حساب دینے'' یا صحیفۂ فطرت کی تلاش و تفتیش میں دن رات بے قرار ہو کر خدا کو پہچاننے کی سعی کرنے اور پھر دنیاوی ترقی اور حصول طاقت کے ساتھ ساتھ خدا کے حضور میں جا کر انعام حاصل کرنے اور آنکھوں کو ٹھنڈک دینے والے باغات کی بادشاہت پر قادر ہونے'' کے سوا کوئی اور منتہا اسلام کا اس دنیا اور آخرت میں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''لقائے ربّ'' کی منزل تو اس قدر دُور ہے کہ اس کا گمان بھی انسان کو اِس وقت بھی نہیں ہوسکتا جب کہ دنیا بنی اسرائیل کے زمانے سے کروڑوں قدم آگے چل چکی ہے۔ تو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں کیا ہوسکتا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ''لقائے ربّ'' کی منزل کے مرحلے بھی اسی طرح کئی ہیں جس طرح کہ ترقی اور تمدّن کے ہزاروں مرحلے ہیں اور ہر قوم کو اس کی ترقی کے مطابق لقائے ربّ حاصل ہوسکتا ہے۔ خوش قسمت وہ قوم ہوگی جو اس کا آخری مرحلہ طے کرے!

۹۔زندہ قوم کا ابتدائی اور اجتماعی دستورالعمل

ان امور کے طے ہونے کے بعد کہ قوم کا علمی اور ذہنی دستورالعمل ازروئے قران کیا ہے، دوسرا سوال جو ذہن میں آتا ہے کہ اس کا روزمرّہ دستورالعمل کیا ہے اور آخری شرائط ایمان اور اسلام کی کیا ہیں۔ یہ تمام بحث تذکرہ کی پہلی چھ جلدوں کی بحث ہے لیکن یہاں چند سطروں میں صرف وہ اعمال لکھے جاتے ہیں جن کے بغیر کسی مسلمان کا مسلمان رہنا ناممکن ہے اور وہ فوراً خدا کے نزدیک کافروں کی قطار میں ہے اور اس پر خدا کی انتہائی سزا واجب ہے۔

اوّل۔سب ''گناہوں'' کی بخشش ہے لیکن ''شرک'' کی بخشش نہیں

(۲۵۱) ا۔ ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذالک لمن یشآء ج ومن یشرک بالله فقد افتری اثماً عظیماًo: (۴/۷)

(۲۵۱)ا۔ بے شک اللہ اس کو معاف ہرگز نہیں کرسکتا، (لفظی طور پر پردہ پوشی نہیں کرسکتا) کہ اس کے (حکم کے) ساتھ کسی (اور حاکموں) کو شریک (کر کے کئی خداؤں کا ملازم بنا) جائے۔اور اس کے سوا جو (گناہ) ہوں جس کو مناسب سمجھے معاف کردیتا ہے۔اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کریگا تو اس نے بڑا بھاری گناہ (اپنے پلّے) باندھا۔

(۲)ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذالک لمن یشآء ط ومن یشرک بالله فقد ضل ضللا بعیداo: (۱۸/۴)

(۲) بے شک اللہ اس کو معاف ہرگز نہیں کرسکتا کہ اس کے (حکم کے) ساتھ کسی اور (حاکموں یعنی نفس یا کوئی اور بُت) کو شریک کیا جائے۔اور اس کے سوا جو (گناہ) ہوں جس کو مناسب سمجھے معاف کردیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک (پیدا) کیا تو وہ بہت دور تک گمراہ ہوگیا۔

دوئم: خواہشات نفسانی کی پرستش بھی شرک ہے اور اس کی بخشش نہیں۔

(۲۵۲) ا۔افرءیت من اتخذ الٰهه هواه واضله الله علی علم وختم علی سمعه وقلبه وجعل

(۲۵۲)ا۔تو کیا تُو نے اُس شخص پر غور کیا جس نے اپنی خواہش (نفسانی) کو اپنے خدا کے طور پر پکڑ لیا (یعنی اس پر لٹو ہو

علی بصرہ غشوۃط فمن یھدیہ من بعد اللہ ط افلا تذکرونo: (۳/۴۵)

گیا جیسا کہ خدا پر لٹّو ہو جانا چاہئے تھا) اور خدا نے باوجود علم ہونے کے اس کو گمراہ کر دیا۔ گویا کہ اس کے کانوں اور ذہن پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ تو (ایسی حالت میں) اللہ سے گذر کر کون اس کو راہ راست پر لائے گا کیا تم اس سے عبرت نہیں پکڑتے۔

(۲) اریت من اتخذ الھہ ھوئہ ط افانت تکون علیہ وکیلا o لا ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون ط ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلاo☆☆: (۴/۲۵)

(۲) تو کیا تُو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا تو کیا ایسے شخص کی تو حمایت کریگا۔ کیا تُو سمجھتا ہے کہ ان میں سے اکثر کانوں سے سنتے ہیں یا (انسانوں کی طرح) بات کو سمجھتے ہیں۔ یہ تو نہیں ہیں مگر مویشیوں کی طرح (کہ اپنے نفسوں کے تابع رہ کر اور عیش وعشرت میں گذار کر رذیلوں اور غلاموں کی) زندگی بسر کرتے ہیں۔ بلکہ راستہ کے نقطہ نظر سے مویشیوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ (لیکن یاد رکھو خدا نے دوسری جگہ تمام چوپاؤں کو پورے فرمانبردار کہا ہے☆

گویا از روئے قران جس شخص یا قوم نے آنکھ، کان اور ذہن ہوتے ہوئے اپنی خواہشات کو خدا بنالیا وہ مشرک ہوگئی اور اس کی ہلاکت آخرت کو قطعی ہے۔

سوئم: جس نے دین کے اندر فرقہ بندی یا پارٹی بازی کی وہ مشرک ہے اور اس کی بخشش نہیں:

(۲۵۳) ا۔ ولا تکونوا من المشرکینo لا من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاط کل حزب بمالدیھم فرحونo: (۴/۳۰)

(۲۵۳) ا۔ اور (دیکھو ہرگز) مشرکوں میں سے نہ ہو جانا (اور یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور الگ الگ گروہ بن گئے۔ (اب) ہر گروہ اس (نصب العین) سے خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔

(۲) ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ ز صلے و انا ربکم فاعبدون o وتقطعوا امرھم بینھمط کل الینا راجعونo ع: (۶/۲۱)

(۲) خبردار رہو کہ یہ تمہاری اُمّت ایک اُمّت واحدہ ہے اور میں تمہارا حاکم اعلیٰ ہوں تو میرے ہی ملازم بنے رہو۔ لیکن اُن لوگوں نے (خدا کی ملازمت اختیار نہ کی اور) اپنے معاملے کو آپس میں ٹکرے ٹکرے کر دیا اور سب کے سب (جواب دہی کے لئے) ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

☆اس آیت میں مقصود صرف مویشیوں کی غلامی کی زندگی جتلانا ہے کہ وہ رسوں سے بندھے رہتے ہیں اور بے بس ہیں۔

☆☆ان دونوں آیتوں کے خط کھینچے ہوئے الفاظ سمع، بصر، قلب اور علم سے ضمناً یہ بھی ثابت ہے کہ شرک یعنی خواہشات نفسانی کو خدا بھی وہی قوم بناتی ہے جو بے علم ہے اور صحیفہ فطرت کو نہیں دیکھتی۔

(۳) وان هذه امتکم امة واحدة وانا ربکم فاتقون ٥ فتقطعوا امرهم بینهم زبراط کل حزب بما لدیهم فرحون٥: (۲۳/۴)

(۳) اور دیکھو یہ تمہاری اُمّت ایک امتِ واحدہ ہے اور میں تمہارا حاکم اعلیٰ ہوں تو مجھی سے ڈرتے رہو لیکن ان لوگوں نے (خوف خدا کچھ نہ کیا اور) اپنے معاملے کو آپس میں ٹکرے ٹکرے کر کے کٹ گئے۔ اب ہر گروہ اُس (نصب العین) پر جو اُس کے پاس ہے خوش ہے (اور تفرقے کے مزے لے رہا ہے)۔

(۴) انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا الله لعلکم ترحمون٥ع: (۱/۴۹)

(۴) صرف وہی لوگ مومن (کہے جا سکتے) ہیں جو آپس میں بھائی چارہ (کے طور پر ہیں تو (اے لوگو!) اپنے بھائیوں کے درمیان مصالحت (پیدا کرو اور خدا (کے قانون) سے خوفزدہ رہو تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔ (گویا دنیا میں صرف بھائی بن کر رہنے والے صاحب ایمان ہیں)

ان آیتوں سے جو قطعی نتائج نکلے حسب ذیل ہیں:۔ اُمّت میں کسی قسم کی پارٹی بازی شرک ہے اور اس کی بخشش قطعاً نہیں، نفسانی خواہشات بھی بُت ہیں اور اُن کی پرستش بھی شرک ہے اور اُس کی بخشش کبھی نہ ہو گی۔ (۲۵۳)۔۴) کے اِنَّمَا سے صاف واضح ہے کہ **صرف** ایمان والے ہی دنیا میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ گویا جہاں بھائی چارہ گیا ایمان ختم ہو گیا۔ اسی طرح کی ایک آیت اِنَّمَا والی اسی سورت میں ہے۔

(۲۵۴) انما المؤمنون الذین امنوا بالله ورسوله ثم لم یرتابوا وجاهدوا باموالهم وانفسهم فی سبیل اللهط اولئک هم الصادقون٥: (۲/۴۹)

(۲۵۴) صرف وہی لوگ مومن (کہے جا سکتے ہیں) جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسول پر (یعنی جنہوں نے اللہ اور رسول کے احکام پورے طور پر مان لینے کی ٹھان لی) پھر اس کے بعد انہوں نے اپنے ایمان میں شک نہ کیا اور (پوری قوت سے) خدا کی راہ میں (یعنی اس کے مقصدِ غلبہ کو حاصل کرنے کیلئے) اپنے مالوں اور جانوں سے (تلوار کا) جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان کی تصدیق عمل سے کرنے والے ہیں۔

چہارم: گویا پورا اور مکمل ایمان خدا اور رسول پر رکھنا، جہاد اپنی جان اور اپنے مال سے کرنا صرف انہی لوگوں کا کام ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔ جہاد تلوار سے نہ کیا اور اپنے مال کی قربانی میدانِ جنگ میں نہ کی تو ایمان ختم ہے۔ قرآن حکیم میں مومنون کے ساتھ اِنَّمَا کا لفظ صرف چار جگہ آیا ہے جن میں سے دو (۲) اوپر کی آیات (۴۹/۱۱ اور ۲/۴۹) میں اور دو (۲) (۸/۱۱ اور ۲۴/۹) میں ہیں جو اطاعت امیر اور خوف خدا سے متعلق ہیں۔ گویا ایمان کی مکمل تصویر آپس میں اخوّت اور دشمن سے جہاد کرنا ہے۔

پنجم۔ جن لوگوں نے اپنی قوم کے مسلّمہ امیر کی اطاعت نہ کی وہ بھی ایمان سے خارج ہیں۔ یہ آیت سورۂ نساء میں اس طرح پر ہے:۔

(۲۵۵) یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ج فان تنازعتم فی شیی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ط ذلک خیر واحسن تاویلاO: ع (۸/۴)

(۲۵۵) اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے ہو اللہ کے حکموں کی (جو قران میں ہیں) تعمیل کرو اور رسول کے حکموں کی (جو وہ تمہیں زبانی دے) فرمانبرداری کرو اور اُن حکموں کی جو تم میں سے بنائے ہوئے صاحب اختیار بندے تمہیں دیں۔ پھر اگر (تم میں اور تمہارے قائدوں میں) کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو (ان سے بڑے حاکم یعنی) خدا اور رسول کی طرف لوٹا دو (تا کہ رسول خود فیصلہ کرے کہ کون درست ہے اور اگر رسول نہ ہو تو اس کی جگہ خلیفۃ المسلمین) اگر تم (صحیح معنوں میں) اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو (گویا مومن ہونے کی شرط اطاعت امیر ہے)۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے (ورنہ اگر نافرمانی کرو گے تو تمام قوم شکست کھا جائے گی) اور اس نقطۂ نظر سے بھی کہ اس کی بنیاد کیا ہے بہترین (راستہ) ہے۔

دین اسلام کے متعلق یہ پانچ سیدھی سادی باتیں اور انکی تائید میں قرانی آیتیں جو میں نے پیش کی ہیں (اور جن کی تاویل بھی نہیں ہو سکتی) ایسی ہیں کہ ان پر غور کرنے سے ہر زندہ قوم کا ابتدائی اور اجتماعی دستورالعمل تیار ہو سکتا ہے۔ شق اوّل (صفحہ ۱۴۵) کی آیات (۲۵۱)۔ ۱ و ۲ سے اگر آج کل کے مولویوں کے یہ معنی بھی لے لئے جائیں کہ ''شرک'' سے مراد ''بتوں کو پوجنا'' یعنی ''مٹی یا پتھر کے بُتوں کے آگے جھکنا'' ہے اور وہ ہم مسلمانوں کو اس گناہ سے آزاد بھی کرنا چاہیں تو شق دوئم (صفحہ ۱۴۵، ۱۴۶) کی آیات (۲۵۲) ۱ اور ۲ کی سزاؤں سے کس طرح چھٹکارا ہو سکتا ہے جن میں خواہشات نفسانی کے حُکموں کو خدا کے حکموں پر ترجیح دینے سے وہ گمراہی لازم آتی ہے جس میں آنکھ، کان، اور ذہن بیکار ہو گئے ہوں، جس کے متعلق صاف کہا ہے کہ وہ چوپاؤں اور مویشیوں سے زیادہ گمراہ ہیں۔ الغرض پہلی دو شقیں اس معاملے کو صاف کر دیتی ہیں کہ قران عظیم کا شرک قطعی طور پر یہ ہے کہ خدا کے احکام کو چھوڑ کر کسی دوسرے خدا کے احکام کی تعمیل کی جائے خواہ وہ خدا پتھر کا بُت ہو یا انسان کے اندر کا نفس۔ مثلاً اُدھر حکم خدا ہو کہ ''فلاں حالات میں دشمن سے تلوار کی لڑائی کرو'' اور بیوی یا بچے یا تن آسانی یا دولت کی کثرت اندر سے حکم دیں کہ ''چپ بیٹھے رہو اور ابھی انتظار کرو۔'' یا حکم خدا ہو کہ ملّت میں کوئی فرقہ نہ پیدا ہو اور مسلمان اپنے نفس کو مزا دینے کیلئے سُنّی اور شیعہ، حنفی اور شافعی، وہابی اور اہل حدیث یا اہل قران

بن جائیں اور آپس میں خوب گتھم گتھا ہوں۔اس بنا پر ہر زندہ قوم کا سچا دستور العمل یہ ہے کہ اُس قوم کا عملی طور پر خدا ایک ہو اور اس کے اکثر افراد کوئی ایسا عمل نہ کریں جس سے مجموعی طور پر قوم کمزور ہوتی ہو۔اس اصول کا نام میں نے **توحید فی العمل** (۱) رکھا ہے۔توحید کے قرانی معنی یہ نہیں کہ خدا کو مُنہ سے ایک کہا جائے بلکہ عملاً قوم کے اکثر افراد صرف اُسی خدا کا حکم مانتے ہوں جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔

شق سوئم میں فرقہ بندی کو اس لئے **شرک** کہا گیا ہے کہ یہ بھی نفس کے ''خدا'' کو ماننے سے پیدا ہوتی ہے اور آیہ (۲۵۳)۔ا (صفحہ ۱۴۶) شرک کے معنی اَور صاف کر دیتی ہے اور جس کی بخشش نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ قوم بدیر یا بہ زور کمزور ہو کر ہلاک ہو جائے گی۔اگلی آیتیں (۲۵۳)۔۲،۳،۴ (صفحہ ۱۴۶،۱۴۷)،اس **وحدۃ الامّۃ** (۲) کے اصول کو اور صاف کر دیتی ہیں اور آیہ ۲۵۳۔۴ (صفحہ ۱۴۷) سے تو صاف ظاہر ہے کہ جس قوم میں بھائی چارہ ہی نہیں وہ مومن ہی نہیں۔شق چہارم کی آیت (۲۵۴) (صفحہ ۱۴۷) سے صاف ظاہر ہے کہ مومن قوم صرف وہ ہے جس نے **جہاد بالسیف و بالانفس** (۳) (یعنی تلوار اور جان سے جہاد) اور **جہاد بالمال** (۴) (یعنی اپنی دولت کو قوم کی بہتری کیلئے خرچ کرنے کا عمل) کئے۔شق پنجم سے ثابت ہے کہ ایمان کی شرط یہ ہے کہ **اطاعت اولی الامر منکم** (۵) (یعنی اپنی قوم کے امیر کی بلا چون وچرا اطاعت) کی جائے۔

اسی طرح قران حکیم میں اسی سختی اور قطعیّت کے ساتھ **ھجرۃ** (٦) کا حکم وقت پر ہے (یعنی خطرے کے وقت تمام قوم وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلی جائے اور وہاں سے پھر اپنے وطن پر بزورِ شمشیر قبضہ کرے ورنہ وہ مومن قوم نہیں اور جلد از جلد ہلاک ہو جائیگی)۔پھر حکم ہے کہ جس قوم نے وقت پر کامل استقلال اور جان توڑ سعی وعمل **الاستقامۃ فی السعی** (۷) نہیں دکھلائی وہ ہلاک ہو جائیگی،جس کے اندر **مکارم اخلاق** (۸) نہ رہے جلد نابود ہو جائیگی،جس نے صحیفہ فطرت کا مطالعہ کر کے **علم** (۹) حاصل نہیں کیا وہ قوم جہنّمی ہے اور نیست ونابود کر دی جائیگی،جس نے صحیفہ فطرت کا مطالعہ کر کے **علم** (۹) حاصل نہیں کیا وہ قوم جہنّمی ہے اور نیست ونابود کر دی جائیگی،جس کو **ایمان بالاخرۃ** (۱۰) یعنی آخرت پر ایمان (یا دوسرے لفظوں میں اس امر پر ایمان کہ اگر ہم خدا کے قانون کے تابع رہے تو یقینی امر یہ ہے کہ ہم بالآخر اس دنیا میں کامیاب ہوں گے) نہیں رہا وہ قوم بالآخر فنا ہو جائیں گی۔

الغرض زندہ قوم کا ابتدائی اور اجتماعی دستور العمل یہ دس (۱۰) اصول ہیں جو قران میں قطعی طور پر اور واضح الفاظ میں ہیں۔ہر شخص جس میں معمولی ہوش بھی ہو دیکھ سکتا ہے کہ انہی دس اصولوں پر عمل کرنے سے دنیا کی ہر قوم دائمی عروج اور زمین کی دائمی وراثت حاصل کر رہی ہے اور یہی قران کا بتایا ہوا دین اسلام ہے۔**یہی دین فطرت ہے**۔ یہ وہ دستور العمل تھا جس پر مسلمان قرونِ اولیٰ میں عامل رہے۔ان اصولوں میں سے پہلے پانچ اصولوں کے متعلق قرانی شہادت قطعی طور پر یہاں دے دی ہے۔باقی کے متعلق دیکھو تذکرہ مجلد اوّل: افتتاحیہ عربی (صفحہ ۵٦ تا ۱۳۹)۔

۱۰۔امنوا وعملوا الصلحت کی مصداق کون اقوام ازروئے قرآن ہیں

اس تمام تصریح کے بعد جو قران حکیم کے مفہوم کے متعلق ہوئی، ایک ضروری تصریح امنوا وعملوا الصلحت کی قرانی اصطلاح کی ہے جس کے متعلق مسلمانوں میں بہت سی خوش فہمیاں موجود ہیں اور چونکہ اس اصطلاح کی قرانی اور یقینی تشریح ذہنوں میں موجود نہیں رہی مسلمان کے سامنے ایمان اور عمل صالح کے متعلق ایک علی الحساب ساملّائی تخیّل موجود ہے جس کی افادت مِلّت کے حق میں باقی نہیں رہی۔ قران حکیم میں کم وبیش پینتیس (۳۵) جگہوں پر امنوا وعملوا الصلحت کے الفاظ اجتماعی معنوں میں اور آٹھ جگہوں پر انفرادی نقطہ نظر سے آئے ہیں۔ ان موقعوں میں سے کئی ایسے ہیں جہاں اس اصطلاح کی خاص وضاحت اُسی آیت میں ہے۔ کئی ایسے ہیں جہاں وضاحت تمام رکوع کے مطالعے سے ہوتی ہے اور بعض وہ موقع ہیں جہاں تمام سورۃ کو غور سے پڑھنے کے بعد عمل صالح کا قرانی مفہوم کچھ کچھ واضح ہوتا ہے۔ قران حکیم کے اس اہم معاملہ کو (بلکہ دراصل انسانی مخلوق کے اس بنیادی مسئلے کو) نہایت مختصر الفاظ میں یہاں پر بیان کر دیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے تذکرہ کی چھٹی جلد میں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے کیونکہ اس سے پہلے ہو نہیں سکتا تھا۔ یہاں پر چونکہ ازروئے قران فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ صحیفہ فطرت کے سوا اس کائنات میں کوئی دوسری حقیقت نہیں اس لئے ان تمام آیات کو مختلف حصّوں میں تقسیم کر کے یکجا کر دیا جاتا ہے:۔

(۲۵۶) وما خلقنا السمآء والارض وما بینھما باطلاط ذلک ظن الذین کفروا ج فویل للذین کفروا من النار o ط ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض ز ام نجعل المتقین کالفجار o: (۳/۳۸)

(۲۵۶) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے باطل اور جھوٹ پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں۔ پس حیف ہے ان لوگوں پر جو آخرت کے جہنّم سے (جو ایسے لوگوں کی سزا ہو گی) منکر ہو گئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم ایمان اور عمل صالح والی قوموں کو (اس دنیا کو بے حقیقت سمجھ کر) زمین کو برباد کر دینے والوں کے برابر کر دیں یا خدا سے ڈرنے والی قوموں کو فاجر قوموں کے برابر سمجھ لیں۔

ان آیات سے قطعی طور پر واضح ہے کہ آسمان اور زمین کے اس کارخانہ کو باطل سمجھنے والے کافر، جہنّمی، زمین میں فساد مچانے والے اور فاجر ہیں اور اس کو حقیقت سمجھ کر اس زمین میں امن پیدا کرنے والے ایماندار، عمل صالح

کرنے والے اور متقی (یعنی خدا سے ڈرنے والے) ہیں اور یہ الفاظ اجتماعی حیثیت میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ عصر میں ہے:۔

(۲۵۷) والعصر oلا ان الانسان لفی خسر oلا الا الذین امنوا وعملوا الصلحت و تواصوا بالحق☆ وتواصوا بالصبر o: (۱۰۳/۱)

(۲۵۷) یہ تمام زمانہ (جو تمہارے سامنے گذرا ہے یا گذر رہا ہے) اس امر کا گواہ ہے کہ درحقیقت انسان ضرور گھاٹے میں رہا مگر وہ قومیں جو ایمان لے آئیں اور جنہوں نے عمل صالح کئے اور (اس کارخانۂ دنیا کی واحد) حقیقت کو پکڑ کر ایک دوسرے کی مدد کی اور انتہائی استقلال سے اس پر جمے رہے۔

یہاں گھاٹے کے لفظ سے ظاہر ہے کہ تمام انسانی بہبودی اور مرفہ الحالی کا دارومدار اس پر ہے کہ **حقیقت** کو پکڑ کر اجتماعی عمل اس پر ہو اور پھر پورا استقلال دکھایا جائے۔ مقام فطرت کے عنوان کے تحت قطعی طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ صحیفہ فطرت کے سوا از روئے قران کوئی دوسری حقیقت نہیں اور صبر یعنی استقلال سے ظاہر ہے کہ صحیفہ فطرت کی مستقل حقیقت کو پکڑ کر اور پھر جم کر اس سے فائدہ اٹھانا ہی ایمان اور عمل صالح ہے۔

(۲۵۸) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم o ز ثم رددنه اسفل سافلین oلا الا الذین امنوا وعملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون oط فما یکذبک بعد بالدین oط الیس اللہ باحکم الحکمین o ع: (۹۵/۱)

(۲۵۸) بے شک ہم نے انسان کو بہترین اعضا کے ساز و سامان کے ساتھ پیدا کیا پھر اُن کو اِن اعضا کے غلط ترین استعمال کی وجہ سے ذلّت اور ادبار کے آخری گڑھے میں دھکیل دیا مگر وہ قومیں جو ایمان دار ہیں اور عمل صالح کی مرتکب ہیں ان کو بے کم کاست اپنے عمل کی اجرت (اس کارخانۂ فطرت سے) ملے گی۔ تو تم مجھے بتاؤ کہ (ایسے کھرے سودے کے بعد) کوئی اس دین کو کیا جھٹلائے گا۔ کیا خدا سب حاکموں کا حاکم نہیں (کہ وہ پورا اجر دے سکے)۔

یہی مربوط ترجمہ اس عظیم الشان سورۃ کو انسان کا دائمی اور حوصلہ افزا دستور العمل بنا سکتا ہے۔ انسان کے اعضاء کی بہترین تقویم کا کوئی فائدہ انسان کو پہنچنا چاہیے ورنہ وہ تقویم بے معنی اور بے نتیجہ ہے اور وہی دین انسان کے لئے قابل قبول ہوسکتا ہے جس میں دنیاوی فائدہ ہو اور عمل کی اجرت نقد انقد اور پوری ملے۔ یہاں منطقی طور پر کہہ دیا کہ اگر ''احسن تقویم'' سے فائدہ اٹھاؤ گے تو اجر بے کم و کاست ملے گا ورنہ نہیں۔ سورۂ محمدؐ میں ہے۔

(۲۵۹) ا۔ والذین امنوا وعملوا الصلحت و امنوا بما نزل علی محمد وھو الحق ☆من ربھم لا

(۲۵۹) ا۔ اور جو محمدؐ ایمان لے آئے اور عمل صالح کرتے رہے اور (بالخصوص) اس شے پر ایمان لائے جو محمدؐ پر اتاری گئی اور

☆ دیکھو آیہ (۲۵۶)، صفحہ ۱۵۰

کفرعنهم سیاتهم واصلح بالهم o ذلک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل ☆ وان الذین امنوا اتبعوا الحق☆ من ربهم ط :(۴۷/ ۱)
وہی شے ان کے رب کی طرف سے حقیقت ہے تو ایسے لوگوں کی دنیاوی بدحالی ان سے یقیناً ہٹ جائے گی اوران کی دنیاوی حالت یقینی طور پر درست ہو جائیگی۔ یہ اس لئے کہ کافرلوگ تو باطل کی پیروی کرتے ہیں اورایمان والے اپنے پروردگار کی طرف سے جوسچائی آئے اس کی متابعت کرتے ہیں۔

(۲) ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملوا الصلحت جنت تجری من تحتها الانهار ط **والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تاکل الانعام والنار مثوی لهم**o: (۴۷/ ۲)
(۲) بے شک خداایمان اورعمل صالح والی قوم کوان سرسبز ملکوں میں داخل کردیتا ہے جن میں دریا بہ رہے ہوں اور جو کافرقومیں ہیں وہ (اس کارخانہ فطرت سے) اتنا ہی فائدہ اٹھاتے اوراسی طرح ہی کھاتے پیتے ہیں جیسا کہ مویشی اور چارپائے (ان کی دنیاوی زندگی حیوانوں کی سی ہے)اورآگے چل کران کاٹھکانا جہنّم ہے۔

۴۷/۲والی آیت میں جنّات کوآخرت کاجنّت قرار دینا ناممکن ہے کیونکہ مقابلہ کافروں کی ذلیل اور حیوانوں جیسی زندگی سے ہورہا ہے۔ان تمام آیتوں کوجواوپر گذریں بغورد یکھنے سے ایک ہی نتیجہ واضح ہے کہ قران حکیم کے پیش نظر''حق'' سے ایک ہی شے ہے وہ صحیفہ فطرت اوراس سے دنیاوی فائدہ اٹھانا ہے۔ (۲۵۶) میں کفراورجہنّم ان کو دیا ہے جوفطرت کو باطل قرار دے۔(۲۵۷) میں کہا کہ جب تک اس دنیا کو مضبوط نہ پکڑوگے گھاٹے میں رہوگے۔(۲۵۸) میں کہا کہ تمہارے اعضا ہی اسی واسطے بہترین بنائے گئے کہ اس فطرت سے مکمل فائدہ اٹھاؤاورگھاٹے میں نہ رہو۔دین وہی ہے جودنیاوی فائدہ دے۔

(۲۵۹) میں صاف طور پرکہا کہ حقیقت کی طرف لگنے سے ہی دنیاوی حالت درست ہوسکتی ہےاور یہ صرف محمدؐ کےدین کی خصوصیّت ہے۔**اصلح بالهم** اور **کماتاکل الانعام** سےسوائے دنیاوی حالت کے درست یابُرے ہونے کےکوئی دوسرانتیجہ نہیں نکل سکتا(۲۵۹)۔ا۔میں **کفر عنهم سیاتهم**(یعنی ان کی دنیاوی بدحالی دورہوگئی)اور((۲۵۹)۔۲)میں **جنت تجری** (یعنی بادشاہت زمین)ہے۔ان دونوں دنیاوی بہتری کی باتوں کواَورجگہ بھی عیاں کیاہےاگرچہ یہاں خطاب انفرادی ہےاورفردکوآمادۂ کارکرنے کیلئے ہے:۔

(۲۶۰) ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحاً یکفر عنه سیاته ویدخله جنت تجری
(۲۶۰) اور جوشخص (بحیثیت فرد جماعت) خدا (کے احکام) پر ایمان رکھتا ہے اور (جماعت کےاستحکام کوپیش نظر

☆دیکھوآیہ(۲۵۶)صفحہ۱۵۰ اور(۲۵۷)صفحہ۱۵۱۔

من تحتها الانهر خلدین فیهآ ابداo ط ذلک الفوز العظیمo: (۱/۶۴)
رکھ کر) مناسب اعمال کرتا ہے، تو (خدا) اس سے اس کی بدحالیاں دور کر دے گا اور اس کو ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے ''نہریں'' بہ رہی ہونگی۔ پھر وہ (تمام قوم کی قوم) ان باغات میں (جب تک وہ قانونِ خدا پر عمل کرتے رہیں گے) ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تو (دیکھ لو) یہ (کتنی) بڑی کامیابی ہے۔ (آیت کے پہلے حصّے میں ایک فرد واحد کا ذکر اور آخری حصّے میں جماعتی پیرائے میں اس کے عمل کا اجر صاف دلالت کرتے ہیں کہ اس کی انفرادی حیثیت بھی بطور فرد جماعت کے ہی ہے اور افراد کا من حیث الجماعت عمل ہی جماعت کو کامیابی تک پہنچاتا ہے)

اس طرح کے انفرادی خطاب سات آٹھ جگہ اَور ہیں جو سہولت کے لئے یہاں پر لکھ دیئے جاتے ہیں:۔ تا کہ ان کا آپس میں مقابلہ کرنے سے قران حکیم کا حیرت انگیز تطابق واضح ہو:

(۲۶۱) ا۔ ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحاً یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا ابداط قد احسن اللہ لہ رزقاًo: (۶۵/۲)

(۲۶۱) ا۔ اور جو شخص (بہ حیثّیت فرد جماعت) خدا (کے احکام) پر ایمان رکھتا ہے اور (جماعت کے استحکام کو پیش نظر رکھ کر) مناسب عمل کرتا ہے تو (خدا) اس کو (زمینی بادشاہت کے) باغوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے۔ پھر وہ (تمام قوم کی قوم) ان باغات میں (جب تک وہ قانون خدا پر عامل رہینگے) ہمیشہ ہمیشہ رہینگے اور اس فرد کیلئے (جس نے یہ جماعتی عمل کیا) بے شک اللہ نے مال ونعمت تو خوب کر دی۔ (یہاں بھی آخری حصّے میں اجر تمام جماعت کو ہے)۔

(۲) ومن یعمل من الصلحت وھو مومن فلا یخاف ظلمًا ولاھضماًo: (۲۰/۶)

(۲) اور جو شخص (بھی بہ حیثّیت فرد جماعت) مناسب اعمال میں سے کرتا جائے گا اس حالت میں کہ وہ (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے کا) پورا قائل ہے تو اس کو نہ کسی ظلم اور نہ کسی شکست کا خوف ہے۔

(۳) فمن یعمل من الصلحت وھو

(۳) اور جو متنفّس (بھی بہ حیثّیت فرد جماعت) مناسب اعمال میں

مومن فلا کفران لسعیه ج وانا له کاتبونo: (۷/۲۱)

سے (حسب موقع) کرتا جائیگا درانحالیکہ اس کو (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے کا پورا) یقین ہے تو اس کی (انفرادی) کوشش کی کوئی بے قدری نہ ہوگی اور ہم خود اس کے سعی و عمل کو لکھ لیں گے۔

(۴) ومن یاته مؤمنا قد عمل الصلحت فاولئک لهم الدرجات العلیo لا: (۳/۲۰)

(۴) اور جو متنفّس بھی (خدا کے احکام کے پورے طور پر نفع مند ہونے کا) یقین کر کے (اس کی درگاہ میں مطیع ہو کر) آ جائیگا درانحالیکہ اس نے (جماعت کے استحکام کو مدّنظر رکھ کر) مناسب اعمال بے شک کئے ہوں، تو وہ (تمام قوم کی قوم) ہی ایسے لوگ ہیں جن کو بلند درجے (اس دنیا میں) نصیب ہوں گے۔ (یہاں بھی آیت کے آخری حصّے میں اجر تمام جماعت کو ہے)۔

(۵) وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحاً ثم اهتدیo: (۴/۲۰)

(۵) اور بے شک میں (کمزوروں پر) پردہ ڈالنے والا ہوں اس شخص کے لئے جو (بُرے کاموں سے) روگردان ہو گیا اور جس نے (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان پیدا کر لیا اور مناسب اعمال کئے اور پھر وہ راہ راست پر لگ گیا۔

(۶) فاما من تاب وامن وعمل صالحاً فعسی ان یکون من المفلحینo: (۷/۲۸)

(۶) پھر جو شخص (بہ حیثیت فرد جماعت کسی بُرے کام سے) روگرداں ہو گیا اور اس نے (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان پیدا کر لیا اور مناسب اعمال (پھر شروع) کر دیئے تو عنقریب ایسے لوگوں کی تمام قوم کی قوم کامیاب ہونے والی قوموں میں سے ہوگی۔

(۷) من عمل صالحاً من ذکر او انثی وهو مؤمن فلنحیینه حیوة طیبة ج و لنجزینهم اجرهم باحسن ما کانوا یعملونo: (۱۳/۱۶)

(۷) جس شخص نے بھی خواہ وہ مَردوں سے ہو یا عورتوں سے، مناسب عمل (استحکام جماعت کی خاطر) کیا اس حالت میں کہ وہ (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) پورا یقین رکھتا ہے تو ہم اس کو (نہایت) پاکیزہ اور خوشگوار زندگی پر متمکّن کر دیں گے اور اس (تمام کی تمام) قوم کو ان کے اعمال کے بدلے میں بہترین اجر دیں گے۔ (یہاں بھی پہلے فرد کا ذکر ہے اور بعد میں تمام جماعت کا کیونکہ دین اسلام میں فرد کا تخیّل بغیر جماعت محال ہے)۔

(۸) ان الـذيـن امنوا والذين هادوا والنصرىٰ والصابئين من امن بالله واليوم الاخر وعمل صالحاً فلهم اجرهم عند ربهم ج ص ولا خوف عليهم ولا هم يحزنونo: (۸/۲)

(۸) جولوگ (محمدؐ کے پیروؤں میں سے) ایمان لے آئے اور جو یہودی اور نصاریٰ اور صائبین ہیں، ان میں سے جو بھی عملی طور پر) اللہ پر ایمان لے آیا اور روز آخرت کو اس نے برحق یقین کیا اور (ساتھ ہی) مناسب عمل کرتا رہا تو خدا کے پاس ان کی (پوری) مزدوری موجود ہے اور ان کو کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔ (یہاں مسلمان اور غیر مسلمان کی خصوصیّت بالکل اڑادی)

(۲۶۰) اور (۲۶۱)۔ا دونوں کا مضمون قریباً ایک ہے اور **خٰلدين فيها ابداً** کے الفاظ دونوں جگہ ہیں۔ ان الفاظ کے لانے سے مقصد صرف بڑی مدّت تک ان نعمتوں کے برقرار رہنے کا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور مؤخر الذکر کے رزق کے لفظ سے یہی دنیاوی فائدہ ہونے کی تائید ہوتی ہے نہ اُخروی کی، ماسوا (۲۶۱) ۵ یا ۶ کے جس میں کچھ اُخروی رنگ کا گمان ہوسکتا ہے۔ (۲۶۱) کی پہلی سات آیتیں انفرادی طور پر صالح العمل مومن کیلئے حوصلہ افزا ہیں، جو از روئے (۲۵۶) وہی شخص ہے جو صحیفہ فطرت کو واحد حقیقت سمجھ کر اس سے جلب منفعت اور اس کی تسخیر کے لئے لگا ہے اور اس کی سعی سے انسان کو (از روئے (۲۵۷) کوئی گھاٹا نہیں، اور اس کی جماعت (از روئے (۲۵۹) **اصلح بالهم** کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ لیکن ((۲۶۱) ۸) کی آیت ان سب سے انوکھی ہے جس میں ہر مذہب کی تخصیص کر کے صاف کہہ دیا ہے کہ جس شخص نے بھی عمل صالح کیا اس کو پوری اجرت ملے گی اور وہ قوم ساری کی ساری بے خوف و خطر ہوگی! اجتماعی طور پر جو آیتیں قریباً اسی مضمون کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۲۶۲) ان الـذيـن امـنـوا وعـمـلـوا الـصـلـحـت لهم جنت تجری من تحتها الانهرہط ذالک الفوز الكبيرoط: (۸۵/۱)

(۲۶۲)ا۔ بے شک وہ لوگ (جن کی تمام قوم کی قوم خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئے اور انہوں نے (استحکام قوم کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے تو ان کو (بطور اجر زمینی بادشاہت کے) باغ دیئے جائیں گے جن کے نیچے دریا☆ بہہ رہے ہوں گے اور

☆ نہروں کا ترجمہ ہم نے یہاں اور (۲۶۱)۔امیں دریا کیا ہے اور یہی درست ترجمہ ہے۔ نهـر کے معنی عربی میں دریا کے ہیں مثلاً ماوراء النہر کا علاقہ جو دریائے جیحوں کے اس طرف ہے۔ انهــــار کا ترجمہ پنجابی یا اردو زبان کا لفظ ''نہریں'' کر دینا (جو ایک چھوٹی سی ندی ہوتی ہے) جنّت کے تخیّل کو قطعاً بدل دیتا ہے اور بد دیانتی ہے۔ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ جنّت ایک عیش و عشرت کی جگہ ہے جس میں پانی کی نہریں انفرادی طور پر بہہ رہی ہونگی تا کہ ''نیک'' لوگ اُن کے کنارے بیٹھ کر ''حوروں'' سے صحبت کریں۔ یہ سب تخیّل لغو اور لچر ہے۔ جـنّـــت سے مراد ہزاروں اور لاکھوں مربع میل کے سر سبز قطعے ہیں جن میں بڑے بڑے دریا بہہ رہے ہوں اور یہی بادشاہت زمین ہے۔ فتدبّر۔

(دیکھ لو)۔ یہ (کتنی) بڑی کامیابی ہے۔

(۲) فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیدخلھم ربھم فی رحمتہط ذالک ھو الفوز المبینo: (۴/۴۵)

(۲) تو جو لوگ (من حیث القوم) ایمان لے آئے اور انہوں نے مناسب اعمال (استحکام قوم کیلئے) کئے تو ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیگا اور یہ ایک (بہت ہی) نمایاں کامیابی ہے۔

(۳) ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملوا الصلحت جنت تجری من تحتھا الانھرط ان اللہ یفعل ما یریدo: (۲/۲۲)

(۳) بے شک خدا ان لوگوں کو جو (ایک قوم اور ایک جماعت ہونے کی حیثیت میں احکام خدا کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئے اور جنہوں نے (استحکام جماعت کو پیش نظر رکھ کر) مناسب عمل کئے، ان (نہایت وسیع زرخیز اور سرسبز زمینوں کی بادشاہت کے) باغوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے (عظیم الشان) دریا بہہ رہے ہوں گے۔ بے شک اللہ وہی کر دیتا ہے جس کا ارادہ کر لیتا ہے۔

(۴) ان الذین امنوا وعملوا الصلحت یھدیھم ربھم بایمانھم ج تجری من تحتھم الانھر فی جنت النعیمo: (۱۰/۱)

(۴) بے شک وہ لوگ جن کی (تمام قوم کی) قوم احکام خدا کے نفع مند ہونے پر ایمان لے آئی اور انہوں نے (استحکام قوم کو مدِّ نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے، تو ان کا پروردگار ان کے (اُس) ایمان (یقین کی وجہ) سے (جو اُن کو مسلسل عمل پر مستعد کرتا رہتا ہے) ان کو نعمتہائے خداوندی کے ان سرسبز باغوں (کی بادشاہت) کی طرف لے جائیگا جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے۔

(۵) وادخل الذین امنوا وعملوا الصلحت جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا باذن ربھم ط تحیتھم فیھا سلمo: (۴/۱۴)

(۵) اور وہ لوگ جو (بہ حیثیّت قوم خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئے تھے اور جن نے (استحکام قوم کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے تھے (سرسبز باغوں میں داخل کر دیئے گئے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں۔ وہ (اب اپنے پروردگار کے حکم سے (جب تک قانونِ خدا پر عمل کرتے رہیں گے) ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) ان باغوں میں ان کی دُعا (یعنی پکار) یہ ہوگی کہ اَمن سے رہو!

یہ آیت اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ جنّت سے مراد قرآن میں جنّات زمین ہی ہیں کیونکہ یہاں اُن میں داخل کر دیئے جانے کا ذکر ہے، یہ نہیں کہ وہ کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح خٰلدین فیھا کے متعلق قرآن میں خٰلدین فیھا ما دامت السموات والارض: (۱۱/ ۹) ہے یعنی وہ ان میں جب تک زمین وآسمان قائم ہیں، رہیں گے گویا یہ اَور ثبوت ہے کہ ذکر دنیا ہی کا ہے روز قیامت کا نہیں۔ اسی طرح اور جگہوں میں ہے:

(٦) الذین امنوا وعملوا الصلحت طوبیٰ لھم وحسن ماب٥: (۱۳/ ۴)

(٦) جو قوم باایمان اور عمل صالح والی قوم ہوگئی تو ان کے لئے سب اچھا ہی اچھا ہے اور ان کی بازگشت بھی عمدہ ہے۔

(۷) ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم ویبشر المؤمنین الذین یعملون الصلحت ان لھم اجرا(۱) کبیرا٥لا: (۱۷/ ۱)

(۷) بے شک یہ قرآن اُس راہ کی طرف لے جاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور اس قوم کو جو (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) یقین رکھتی ہے اور (ساتھ ہی قوم کے استحکام کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کرتی ہے اس امر کی بشارت دیتا ہے کہ بے شک ان کو (اپنے کئے کا) بڑا (ہی) اجر (بادشاہت زمین کی صورت میں) ملے گا۔

(۸) فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیوفیھم اجورھم (۱) ویزیدھم من فضلہ ج(۱) واما الذین استنکفوا واستکبروا فیعذبھم عذاباً الیما٥لا: (۴/ ۲۴)

(۸) تو باایمان اور عمل صالح والی قوم جو ہوگی اس کو تو خدا ان کی اُجرتیں (اور مزدوریاں) پوری کردیگا اور ان کو اپنی رحمت کے انعاموں سے زِدفزد کرتا جائیگا۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے (اُس کے قانون سے) کنارہ کشی کی اور (اُس کو لاشے سمجھ کر) اکڑ گئے تو ان کو دردناک سزا کا عذاب دے گا۔

(۹) فالذین امنوا وعملوا الصلحت لھم مغفرۃ ورزق (۱) کریم ٥ والذین سعوا فی ایتنا معجزین اولئک اصحب الجحیم٥: (۲۲/ ۷)

(۹) تو (احکام خدا کو نفع مند یقین کرنے والی) وہ باایمان قوم جنہوں نے (استحکام قوم کو بہ نظر رکھ کر) مناسب عمل کئے، وہ لوگ ہوں گے جن کے لئے (ان کی چھوٹی موٹی درماندگیوں) پر پردہ پوشی ہوگی اور ان کو باعزّت روزی نصیب ہوگی۔ اور جن قوموں نے ہمارے احکام کے بارے میں اس طرح کی دوڑ دھوپ کی کہ وہ (بددلی سے عمل کر کے ناکامی حاصل کرتے ہیں اور اس طرح پر

---

(۱) ان تینوں آیتوں کے موقعوں پر اجر اور اجورھم اور فضل اور رزق یعنی ''مزدوری''، ''خوشحالی'' اور ''روٹی'' کے الفاظ کی فضا ہی ایسی ہے کہ اجر دنیاوی اور نقد انقد اجر معلوم دیتا ہے۔ مزدوری قیامت کو ملی تو کیا مزدوری ہوئی! لیکن اس مطلب کے لئے دیکھو صفحہ ۱۵۹ کا شروع اور ۱۶۲ کا نوٹ۔

اُن حکموں کو بے فائدہ ثابت کر کے ہم کو) ہرانا چاہتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو دوزخ والے ہیں۔

(۱۰) والذین امنوا وعملوا الصلحت فی روضت الجنت ج لھم ما یشآؤن عند ربھم ط ذلک ھو الفضل الکبیرo: (۴۲/۳)

(۱۰) اور جو قوم (احکام خدا کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئی اور انہوں نے (استحکام قوم کو مدّنظر رکھ کر) مناسب اعمال کیئے تو وہ بادشاہت زمین کے باغات میں (بڑے لطف اٹھا رہے) ہوں گے۔ ان کو اپنے پروردگار کے پاس جو چاہیں گے ملے گا اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

ان پہلی آٹھ آیتوں میں صرف دنیاوی فائدوں کا ذکر ہے اور اس کا مزید ثبوت پانچویں آیت ہے جس میں صاف طور پر اقرار ہے کہ صالح العمل قوم جنّات میں داخل کر دی گئی۔ آخری آیت میں **سعوا فی ایتنا معجزین** کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش کا کام تمام بنی نوع انسان کے تعامل اور اتحاد سے ہو تا کہ دنیا میں رزق کریم کا وعدہ پورا ہو جو اس آیت میں ہے۔ اِن پندرہ متفرق آیتوں یعنی (۲۶۰) تا (۲۶۲) ا تا ۱۰ سے جو قریباً ایک ہی مضمون کی ہیں صرف ایک ہی چیز یعنی دنیاوی مرفّہ الحالی اخذ ہوتی ہے لیکن یہ آیتیں عمل صالح کی تعریف کرنے میں چنداں مدد نہیں دیتیں۔ حسب ذیل اَور موقعے اسی مضمون کے حامل ہیں جن سے دنیاوی نعمتیں اَور بھی واضح ہو جاتی ہیں۔

(۲۶۳) ۱. ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملوا الصلحت جنت تجری من تحتھا الانھر یحلون فیھا من اساور من ذھب ولولؤا ط ولباسھم فیھا حریرo وھدوآ الی الطیب من القول صلے ج وھدوا الی صراط الحمیدo :(۲۲/۳)

(۲۶۳) ۱۔ بے شک خدا ایماندار اور عمل صالح والی قوم کو (جو استحکام قوم کی خاطر احکام خدا نفع مند یقین کر کے ان پر ایمانداری سے عمل کرتے ہیں) زمین کے انتہائی سرسبز خطوں میں حکمرانی کیلئے داخل کر دیتا ہے جن کو سیراب کرنے کے لئے (بڑے بڑے پُرشوکت) دریا بہہ رہے ہونگے وہ ان باغوں میں سونے کے کڑے اور بیش بہا موتی پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کا لباس ریشمی ہوگا اور (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے) خدا کے بہترین قول کی راہ پکڑی اور خدا کے بنائے ہوئے راستے کی طرف رہنمائی کیئے گئے۔

(۲) ان الذین امنوا وعملوا الصلحت انا

(۲) بے شک جو قوم ایماندار ہوگی اور انہوں نے مناسب اعمال

لا نضیع اجر من احسن عملا ٥ج اولئک لھم جنت عدن تجری من تحتھم الانھر یحلون فیھا من اساور من ذھب ویلبسون ثیاباً خضرا من سندس واستبرق متکئین فیھا علی الارآئکط نعم الثوابط وحسنت مرتفقاً٥ع: (۱۸/۴)

کئے تو (یادرکھو کہ) بے شک ہم جس قوم نے حسنِ عمل کیا اس کی مزدوری کو روک نہیں رکھتے۔ یہی وہ ہیں جن کو ہمیشگی کے باغات ہوں گے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے۔ وہاں اُن کو سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے اور سندس اور استبرق کے سبز کپڑے پہن کر (آرام کرسیوں کے) تخت پوشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ ان کے کئے کا بہترین اجر اور عمدہ آرام گاہ ہے۔☆

(۳) والذین امنوا وعملوا الصلحت سندخلھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابداط وعد اللہ حقاًط ومن اصدق من اللہ قیلاً٥: (۱۸/۴)

(۳) اور جو قوم ایماندار ہوگئی اور جس نے ساتھ ہی مناسب اعمال کئے تو اُن کو عنقریب ہم اُن عظیم الشان باغات کی حکومت عطا کریں گے جن کے نیچے عظیم الشان دریا بہہ رہے ہوں گے۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ تک رہیں گے۔ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے اور اپنے قول میں خدا سے زیادہ سچا کون ہے؟ (یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ بادشاہت زمین کے متعلق نہایت دھڑلے سے کہا ہے کہ یہ اُن قوموں کو دی جائیگی جو ایماندار اور صالح العمل ہیں اور یہ بات دھڑلے سے ہماری آنکھوں کے سامنے روزانہ ہو رہی ہے۔ ایک قوم آتی

☆ اِن دونوں آیتوں: (۲۶۳) ۲،۱ سے ثابت ہے کہ جنّت کا یہ منظر دنیاوی ہے اور بعینہٖ وہی ہے جو ہر بادشاہ قوموں کے حاکم آئے دن کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے فتح عراق کے موقع پر الدجلۃ والفرات نھران من انھار الجنت کے لفظ کہے یعنی ''دجلہ اور فرات کے دریا جنّت کے دو دریاؤں میں سے ہیں'' اور ان کے مقرر کردہ حاکموں نے اس موقع پر شہنشاہِ ایران کے سونے کے کنگن پہن کر کہا کہ خدائے عظیم کا قرانی وعدہ پورا ہوا۔ ان واقعات سے جو تاریخی ہیں اور جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، ثابت ہے کہ بعد میں اسلام کو دین کے مولویوں نے کس قدر تنگ کر دیا اور ریشم اور لباس فاخرہ کا پہننا حرام قرار دیا۔ قران حکیم جہاں خدا کی بنائی ہوئی کسی دنیاوی زینت کو ممنوع قرار نہیں دیتا وہاں یہ بھی تنبیہہ کرتا ہے کہ لذّات دینوی میں پڑنے والی قوم بالآخر ان نعمتوں کو کھو بیٹھے گی اس لئے یہ اشیا اُسی حد تک جائز ہیں کہ میانہ روی سے چلا جائے۔ رہا یہ سوال کہ پاکستان کے موجودہ حاکموں کو یہ نعمتیں کس ''حُسنِ عمل'' کے سلسلے میں ملیں اور یہ نعمتیں کب تک برقرار رہیں گی تو اس کا جواب خدا کا وہ اٹل قانون ہے جس کی رُو سے خدا بلا لحاظ ہر بُرے اور اچھے کو اس کے عمل کی پاداش میں اس کا حق دے دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ آج کل کے حاکموں کو یہ جنّت انگریز سے وفاداری کے صلے میں ملا ہو اور ساتھ ہی مقصد مسلمان قوم کو ان کے گناہوں کی پاداش میں دردناک سزا دینا ہو۔ فتدبّر۔ رہا یہ امر کہ کیا اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ مسلمان حاکم تو ''سونے کے کنگن'' اور ''ریشمی کپڑے'' پہنے ہوئے ہوں اور رعیّت چیتھڑوں میں چیخیں مار رہی (دیکھو صفحہ نمبر ۱۶۰ پر)

ہے، دوسری چلی جاتی ہے۔ جب تک یہ باتیں ہماری آنکھوں کے سامنے نہ ہوں، ایسی باتوں کو ''اللہ کا سچا وعدہ'' کہنا دل کو یقین نہیں دلاتا۔ اُدھر عنقریب کا لفظ پھر اس امر کو یاد دلاتا ہے کہ یہ بات دنیا میں ہی ہو کر رہتی ہے، اس کا تعلق ''آخرت'' سے نہیں)۔

(۴) والذین امنوا وعملوا الصلحت سند خلھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابداط لھم فیھا ازواج مطھرة ز وندخلھم ظلاً ظلیلاo: (۸/۴)

(۴) اور باایمان اور صالح العمل قوم کو عنقریب ہم ان باغات میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے دریا پڑے بہ رہے ہوں گے۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے۔ اُن کے (آرام کے) لئے پاکیزہ (صورت وسیرت) بیویاں ہوں گی اور ہم اُن کو گھنے سایوں میں رکھیں گے (یہ منظر بھی خالصۃً دنیاوی ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ آخرت میں بھی مردانہ شہوت ہوگی اور وہاں بھی دنیا کا یہی لُچ پنا ہوگا!)

(۵) وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت ان لھم جنت تجری من تحتھا الانھرط کلما رزقوا منھا من ثمرة رزقاً قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل لا واتوا بہ متشابھاط ولھم فیھا ازواج مطھرة ق لا وھم فیا خلدونo: (۲/۳)

(۵) اور باایمان اور صالح العمل قوم کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے وہ باغات ہوں گے جن کے گرداگرد دریا پڑے بہہ رہے ہوں گے۔ وہ جب جب (اپنی محنتوں کا) کوئی پھل (کسی نئے ملک کی بادشاہت کی صورت میں) چکھنے کو دیئے جائیں گے تو پکار اٹھینگے کہ ہاں یہی پھل تھا جو ہمیں (پچھلے سعی عمل پر) اس سے پہلے بھی دیا گیا تھا اور (جب تک وہ اس سعی وعمل میں مکمّل طور پر مشغول رہیں گے) اُن کو اُسی طرح کے ایک ہی شکل کے پھل دیئے جائیں گے حتیٰ کہ تمام روئے زمین کے سرسبز باغات ان کی تحویل میں ہوں گے) اور پاک (صورت وسیرت) بیویاں ان (کو آرام دینے کے) لئے ہونگی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آیات ۳، ۴ میں **جنّٰت تجری من تحتھا الانھار** کے ساتھ **سند خلھم** (ہم عنقریب داخل کر دیں گے) کے الفاظ سے مزید ثابت ہے کہ جنّات کے معنی دنیاوی بادشاہت ہی ہے، اُخروی اجر کے

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۵۹) ہو تو اس کا جواب یورپ کی زندہ قوموں کی عام خوشحالی ہے جہاں ہر شخص عام طور پر ''ریشم'' پہنتا ہے صرف چند اوپر کے حاکم نہیں۔ فتدبّر۔

لئے قرآن کریم میں الجنۃ کا لفظ مخصوص ہے اور وہاں پر جہاں الجنۃ کا ذکر ہوا یا اس کی تفصیل ہے نہ کسی حور کا ذکر ہے نہ قصور کا بلکہ زوجکم یعنی اپنی بیویوں کا ذکر ہے۔ بہرنوع یہ ایک علیحدہ بحث ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ ان چاروں آیات سے امنوا وعملوا الصلحت والی قوم کا دنیاوی اجر اور واضح ہے اور حضرت عمرؓ کے عہد میں دجلہ اور فرات کے دو دریاؤں کو جنّت کی نہروں سے موسوم کر کے سپہ سالارانِ فوج کا ایران کے بادشاہ کو مغلوب کرنے کے بعد اس کے سونے کے کنگن خود پہننے کا واقع تاریخ میں مشہور ہے۔ الغرض ان چار، اور (۲۵۹) سے (۲۶۳) تک کے تمام موقعوں سے جو یکجا کر دیئے گئے ہیں یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ مومن اور صالح العمل قوم کے لئے اس دنیا کے اندر دائمی آسودہ حالی لازم و ملزوم ہے اور قرآن حکیم میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک حیرت انگیز تطابق ہے جو ایک ایسے وقت میں جبکہ کاغذ قلم دوات موجود نہ تھے اور قرآن حکیم جستہ جستہ تیئس سال میں نازل ہوا تھا، بلکہ جن پر وحی نازل ہوئی وہ اُمي تھے، قرآن حکیم کے منجانب اللہ ہونے اور محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوئے نبوّت کے صحیح ہونے کی قطعی اور مسکت دلیل ہے۔ ان آیات کے یکجا کرنے کے بعد بھی امنوا وعملوا الصلحت کے مفہوم کی پوری تشریح نہیں ہوئی۔ اِلاّ وہ کچھ جو (۲۵۶) سے (۲۵۹) تک کی آیتوں سے اخذ ہوا۔ اس لحاظ سے معاملہ کو واضح طور پر حل کرنے کے لئے میں سب سے پہلے قرآن حکیم کے اُن تین موقعوں کو یکجا کرتا ہوں جن تین کو پیش نظر رکھ کر ایمان اور عمل صالح کے معنی لوگوں نے مولویانہ اور مذہبی رنگ کے لے لئے ہیں اور باقی بیسیوں آیتوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ تین موقعے حسب ذیل ہیں:

(۲۶۴) وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين ٥لا حنفآء ويقيموا الصلوٰة ويؤتوا الزكوٰة وذلک دين القيمة ٥ط ان الذين كفروا من اهل الكتاب والمشركين فى نار جهنم خلدين فيها ط اولئک هم شر البرية ٥ط ان الذين امنوا وعملوا الصلحت اولئک هم خير البرية ٥ط: (۹۸/ ۱)

(۲۶۴) اور ان کو کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا سوائے اس کے کہ وہ خدا کی ملازمت اختیار کریں اور اس کے حکموں پر، اپنے تمام یقین کو خدا کے لئے مخصوص کر کے، عمل کریں۔ خالص اسی طرف جھک جائیں اور (اپنی جماعت کے استحکام کیلئے) نماز کے نظام کو اور (مالی حالت پختہ کرنے کیلئے) زکوٰۃ کے نظام کو قائم کریں اور یہی دین قیّم ہے۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ قانون خدا پر عمل کرنے سے منکر ہو گئے اور مشرک لوگ جہنّم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی وہ لوگ ہیں جو بدترین خلائق ہیں۔ (لیکن) وہ قومیں جو ایماندار ہو کر

صالح العمل بن گئیں تو وہ وہ ہیں جو دنیا کے بہترین افراد ہیں (یہاں مولوی کے نزدیک ''عبادت'' (یعنی رات دن تسبیح پھیرنے) اور نماز اور زکوٰۃ کے تین ہی ''عمل صالح'' ہیں اور بس

(۲۶۵) وویل للمشرکینo لا الذین لا یؤتون الزکوٰۃ وھم بالاخرۃ ھم کافرون o ان الذین امنوا وعملوا الصلحت لھم اجر☆ غیر ممنونo ع: (۱/۴۱)

(۲۶۵) اور ہزار افسوس (یعنی حیف) ہے اُن مشرکوں پر جو (اس لئے کہ وہ فاطر زمین و آسمان کے قانون کو چھوڑ کر نفسانی خداؤں کو پکڑے ہوئے ہیں اور قوم کی بہتری کیلئے مال کی قربانی کا جو حصّہ خدا نے) زکوٰۃ (کی صورت میں مقرر کیا ہے) نہیں دیتے اور وہ (اس طرح پر قوم کے بُرے انجام بلکہ اپنی) آخرت سے منکر ہیں (اور پرواہ نہیں کرتے کہ خدا ان کو بالآخر پکڑ کر رہے گا) بے شک وہ قوم جو (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئی اور انہوں نے استحکام قوم کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے تو ان کو (اُن کے عمل کی) مزدوری☆ بلاکم وکاست مل کر رہے گی۔ (یہاں بھی زکوٰۃ اور آخرۃ کے الفاظ سے مولوی صاحبان اخذ کر لیتے ہیں کہ صرف زکوٰۃ دینا ہی ''عمل صالح'' ہے)۔

(۲۶۶) یسوا سوآء من اھل الکتٰب امۃ قآئمۃ یتلون ایت اللہ انآء الیل وھم یسجدونo یؤمنون باللہ والیوم الاخر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر

(۲۶۶) سب لوگ ایک قطع کے نہیں۔ اہل کتاب میں سے (بھی) ایک گروہ ہے جو (خدا کے قانون پر) قائم ہے۔ وہ اللہ کے احکام کو (جو کتاب خدا میں ہوں یا صحیفہ فطرت سے اخذ ہوتے ہوں) رات (کی خاموشیوں) میں (نہایت غور سے) مطالعہ کرتے ہیں اور (پھر جب اُن کے برحق ہونے پر یقین آ جاتا ہے تو تسلیم

☆ان آیات اور اس سے پہلی آیات میں جہاں جہاں لفظ اجر آیا ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قران حکیم انسانوں کے اس دنیا میں ان عملوں کی جو قانون فطرت کے مطابق ہوتے ہیں، مزدوری اس قوم کی خوشحالی کی صورت (یعنی جنّات زمین) میں دیتا ہے۔ گویا یہ مزدوری نقد ہے، ادھر عمل کیا اور اُدھر اجر مل گیا۔ اس لفظ کے استعمال سے بھی یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مزدوری کوئی اخروی نہیں کہ عمل یہاں کرے اور اجرت لاکھوں اور کروڑوں برس بعد ''آخرت'' میں ملے جیسا کہ آج کل زوال شدہ مسلمانوں کا خیال ہے۔ یہی نقد اُجرت کا تخیّل تھا جو مسلمانوں کو صدہا برس تک آمادۂ عمل کرتا رہا۔ فتدبّر۔ (اس مطلب کیلئے نیز دیکھو صفحہ ۱۵۷ کی آیتیں اور نیچے کا حاشیہ)۔

ویسارعون فی الخیرات ط واولئک من الصالحینo: (۱۲/۳)

کرتے ہوئے) جُھک جاتے ہیں۔ وہ خدا (کے احکام کے برحق اور نفع مند ہونے پر) ایمان رکھتے ہیں اور (اُس) آخر کے دن پر (جب کہ احکامِ خدا کی تعمیل کا لازمی نتیجہ قوم کی خوشحالی پر مُنتج ہوگا)۔ اور وہ (قوم کو آپس میں اتفاق واتحاد کی خاص الخاص) نیکی کا حکم دیتے ہیں اور (تفریق واشتات کی خاص الخاص) برائی سے منع کرتے رہتے ہیں اور خود (اُمّت کی بہتری کے لئے خاص الخاص) نیکیوں کی طرف لپک لپک کر پہنچتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو صالح العمل لوگوں میں داخل ہیں۔ (یہاں بھی ''تلاوت'' اور ''نیکیوں'' اور ''مسجدوں''، ''برائیوں'' اور ''خیرات'' اور ''یوم آخر'' کے لفظوں سے مولوی صاحبان نماز روزہ کو ہی ''عمل صالح'' مراد لے لیتے ہیں)

ان تین موقعوں سے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی اعمال صالحہ میں داخل ہونے کی اہمیّت واضح ہے۔ لیکن **یعبدو الله مخلصین له الدین** (یعنی اپنا تمام طرزِ عمل خالصۃً خدا کے حکموں کی تعمیل میں وقف کر دینا) اس قدر وسیع اور دوررس فعل ہے کہ اس سے قران حکیم کے ہر گوشے میں جو حکم بھی لکھا ہے اس کی پوری پوری تعمیل ہر صالح العمل مومن پر لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر قران حکیم کے تمام احکام کی تعمیل (نہ صرف صلوٰۃ اور زکوٰۃ) اعمال صالحہ میں داخل ہے۔ اپنا تمام طرزِ عمل خالصۃً خدا کی عبادت (یعنی اس کے بندے بننے اور اس کی ملازمت میں گذارنے) کے لئے وقف کر دینا (۲۶۶) کی رُو سے **امنوا وعملوا الصلحت** کی تشریح ہے۔ یہ امر بجائے خود اس قدر دقّت طلب ہے کہ انسان کے لئے اس کی تعمیل خالہ کا گھر نہیں۔ اس بنا پر انسان کے طرزِ عمل کو مخصوص بلکہ محدود کرنے کیلئے تاکہ وہ کسی کمال تک پہنچ سکے قران حکیم کی اُن آیتوں کو سب سے پہلے یکجا کیا جاتا ہے جن میں صلاح عمل یا حسن عمل کی کوئی نہ کوئی تعریف لکھی ہے۔ یہ آیات حسب ذیل ہیں:۔

(۲۶۷) انا جعلنا ما علی الارض زینة لها لنبلوهم ایهم احسن عملا ط وانا لجعلون ما علیها صعیدا جرزاo: (۱۸/۱)

(۲۶۷) بے شک ہم نے جو شے بھی زمین پر ہے اس زمین کے لئے زیور اور زینت بنا دی ہے (تاکہ اس کی آرائش میں کام آئے اور بالآخر اِس زمین کو انتہائی طور پر خوبصورت اور لائق رہائش بنا دے اور یہ) اس لئے کہ ہم آزمائش کریں

کہ لوگوں میں سے کونسی قوم حُسنِ عمل کرتی ہے۔ اور (یہ یاد رکھو کہ اس آرائش زمین کے سلسلے میں جو سعی و عمل اور زہرہ گداز کوششیں ہمارے خلیفہ ارضی یعنی انسان کی طرف سے ہزاروں اور لاکھوں برس تک رُونما ہونگی وہ اس قدر انقلاب انگیز ہوں گی کہ وہ اس زمین کے چپہ چپّہ کو تہ و بالا کر دینگی اور) ہم یقینی طور پر جو کچھ اس زمین پر اونچا ہے اس کو چٹیل میدان کر کے رہیں گے۔ لنبلوھم (یعنی ہم امتحان لیں گے) کے الفاظ سے اس ترجمہ کی صحت ظاہر ہے۔

گویا زمین کے اوپر یا اس میں جو شے بھی ہے وہ زمین کی زینت ہے اس لئے اس زمین کو ہر طریقے سے آراستہ پیراستہ کرنا حسن عمل یا دوسرے لفظوں میں عمل صالح ہے۔ سورۂ سبا میں ہے:۔

(۲٦٨) ولقد اتینا داؤد منا فضلا ط یجبال اوبی معه والطیر ج والنا له الحدید ۝لا ان اعمل سبغت وقدر فی السرد واعملوا صالحا ط انی بما تعملون بصیر ۝ ولسلیمن الریح غدوها شهر ورواحها شهر ج واسلنا له عین القطر ط ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه ط ومن یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر ۝ یعملون له ما یشآء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور رسیت ط اعملوا ال داؤد شکرا ط وقلیل من عبادی الشکور ۝: (۲/۳۴)

(۲٦٨) اور بے شک ہم نے داوٗدؑ کو اپنی طرف سے (صحیفہ فطرت میں ماہر ہونے کی) فضیلت اور برتری عطا کی۔ (اس کو اس کائنات کی اشیا کا اتنا ماہر کر دیا کہ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ) اے پہاڑو اور پرندو داوٗدؑ کے ساتھ ساتھ (اس کے حکم کے مطابق) چلو اور (لوہے کی صنعت کا ماہر تو وہ اس قدر تھا اور ایسی باریک زرہیں اس کے کارخانوں میں بنتی تھیں کہ فی الحقیقت) ہم نے اس کے لئے لوہے کو (موم کی طرح) نرم کر دیا تھا۔ (پھر ہم نے داوٗدؑ کی حوصلہ افزائی کی اور اس کو کہا کہ) کشادہ کشادہ (زرہیں) بناتے جاوٗ اور (اُن کی کڑیوں کے جوڑنے کا) اندازہ لگا کر (صحیفہ فطرت کو تلاش کرنے کا یہی) نیک کام کرتے جاوٗ۔ میں بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو نہایت غور سے دیکھ رہا ہوں۔ اور ہم نے ہَوا کو سلیمان کے (تابع کر دیا) وہ ایک ماہ تک صبح کو چلا کرتی تھی اور ایک ماہ تک شام کو اور (تانبے کی صنعت کو اس کے عہد

میں اس قدر فروغ ہوا کہ) ہم نے اس کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہادیا اور (اس کے پاس) دیوصورت قوی ہیکل مزدور تھے جو اس کی نگرانی میں خدا کے حکم سے کام کرتے تھے اور جو ان میں سے (کام چوری کر کے) ہمارے حکم سے پھر جاتا تھا تو اس کو بھڑکتی آگ کا عذاب چکھاتے تھے۔ وہ مزدور سلیمان کیلئے جو کچھ وہ چاہتا تھا مثلاً محرابیں اور مورتیں (مکانات کی سجاوٹ کیلئے) اور لگن حوضوں جتنے بڑے بڑے (بادشاہی جلسوں کے لئے) اور جمی رہنے والی دیگیں (شاہی مہمانی کے لئے) بناتے رہتے تھے (اور سلیمان کے عہد میں تمدّن اور عمران اس درجہ تک پہنچا کہ وہ ضرب المثل ہوگیا تو ہم نے آلِ داؤد کو پکارا کہ) اے آل داؤد! (صحیفہ فطرت کی نعمتوں کی) قدردانی کرتے کرتے عمل کرتے جاؤ (جب تک **علم فطرت** میں ترقی کرتے جاؤ گے تمدّن اور خوشحالی میں فلک الافلاک تک چڑھتے جاؤ گے) لیکن بالآخر داؤد کی اولاد اس سعی وعمل میں ماند پڑگئی اور ان کو زوال ہوتا گیا تو افسوس ہے کہ) بہت ہی تھوڑے بندے ہیں جو (صحیح معنوں میں میرے) قدردان ہیں۔ (ان آیات میں تمام ذکر دنیاوی باتوں کا ہے)

گویا صحیفہ فطرت کے پہاڑوں کو، پرندوں کو، لوہے کو، ہوا کو، عین القطر کو، مسخّر کرنا، مختلف صنعتوں اور دستکاریوں کو فروغ دینا عمل صالح ہے اور شکر خدا ہے، اسی طرح پیغمبروں کے ان دنیاوی اعمال کا ذکر شدّ ومدّ سے کرتے کرتے قران حکیم نے ان کو جابجا صالح کہا ہے:۔

(۲۶۹)ا۔ ففھمنھا سلیمن ج وکلا اتینا حکماوعلما ز وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن

(۲۶۹) ا۔ پھر ہم نے سلیمانؑ کو (کھیتی باڑی کی تمام صورت حال سے جو سلیمان کی حکومت کو مضبوط کرسکتی تھی ، پورے طور پر) آگاہ کردیا اور اس کی قوم (تمام کی تمام) کو ہم نے حکومت (کو ترقی کے

والطیر ط وکنا فعلین ہ و☆علمنه صنعة لبوس لکم لتحصنکم من باسکم ج فهل انتم شاکرون ہ ولسلیمن الریح عاصفة تجری فامره الی الارض التی برکنا فیها ط وکنا بکل شیئ علمین ہ ومن الشیطین من یغوصون له ویعملون عملاً دون ذلک ج وکنالهم حفظین ہلا: (٢١/٦)

اعلیٰ مدارج تک پہنچانے کا سلیقہ) اور (صحیفہ فطرت کے قانون کا) علم دیئے اور داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑ اس کے فرمانبردار کر دیئے اور پرندے جو (اپنا اپنا فرض ادا کر کے گویا خدائے ذوالجلال کی) تسبیح کیا کرتے تھے اور ہم (ضرور) ایسا کرنے والے تھے (کیونکہ ہمارا فرض تھا کہ دیانتداری سے اس دنیا میں کام کرنے والوں کی ہم مدد کرتے) اور ہم نے ان کو زرہوں کے لباس کا بنانا سکھلا دیا جو تم کو لڑائی کے ضرر سے بچاتی تھیں تو کیا تم لوگ (اتنے احسانوں کے بعد بھی میرے صحیفہ فطرت کی) قدر کرنے والے بنو گے (یا نہیں)۔ اور ہوا کو ہم نے سلیمان کا (اتنا) فرمانبردار کر دیا (کہ وہ) اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلا کرتی تھی جس کو ہم نے (مادی ترقیوں سے مالا مال کر کے) برکت دی تھی اور ہم ہر شے کے متعلق (جو سلیمان کی قوم علم فطرت کو استعمال کر کے بنایا کرتی تھی براہ راست) علم رکھتے تھے (کیونکہ ہماری دلچسپی اس امر میں پوری تھی) اور سلیمان کے تابع ہم نے وہ گرانڈیل مزدور بھی کر دیئے جو اس کے واسطے غوطہ لگاتے تھے اور دوسرے کام بھی کرتے تھے اور ہم سب ان کی (پوری) حفاظت کرتے تھے (تا کہ یہ ترقیاں برقرار رہیں)۔ (٢٦٨) میں بھی شکر کا لفظ ہے اور یہاں بھی شاکرون کا لفظ ہے۔ گویا صحیفہ فطرت کو استعمال کرنا ہی شکر اور قدردانی ہے۔

(٢) ولقد اتینا داؤد سلیمن علما ط وقالا الحمد لله الذی فضلنا علی کثیر من عباده المؤمنین ہ: (٢٧/٢)

(٢) اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو (صحیح معنوں میں) علم (صحیفہ فطرت) دیا (اور اس صحیفہ فطرت کے علم کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ان کی سلطنت مادی ترقی کے اوج کمال تک پہنچ گئی)۔ تو (بالآخر) یہ دونوں (آیاتِ خدا کو اس انتہائی حد تک نفع مند سمجھ کر بہ زبان حال) پکار اٹھے کہ شکر ہے اس پروردگار عالم کا جس نے ہم کو (اسی

☆صنعة لبوس یعنی زرہوں کے بنانے کی صنعت کو علم قرار دینا جیسا کہ علمنٰه کے لفظ سے ظاہر ہے۔ اس امر کا ثبوت ہے کہ خدا تمام قسموں کی ایجادوں اور صنعتوں کو علم کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

علم کے باعث) دنیا کی اکثر ایمان والی اور اطاعت گذار قوموں پر بھی (نمایاں) فضیلت اور برتری دی۔

وورث سلیمن داؤد وقال یایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیئ ط ان ھذا لھو الفضل المبین٥: (۲/۲۷)

پھر داؤدؑ کا جانشین سلیمان ہوا (اور اس نے بھی ان ترقیّات کو برقرار رکھا) وہ پکار اٹھا کہ اے لوگو! (اب ہم مادی ترقی کے عظیم الشان منازل تک پہنچ چکے ہیں) کہ ہم نے پرندوں کی بولی (تک) سیکھ لی ہے اور تمام دنیا کی نعمتیں ہمیں (خدا کے ہاں سے) ارزانی ہیں (تو دیکھو کہ خدا کی فطرت کی اشیا کو تسخیر کرنے سے خدا کیسے کیسے انعامات فاخرہ انسان کو مرحمت کرتا ہے اور جان لو کہ) درحقیقت ہماری یہ (قابل فخر) حالت بغیر کسی شک وشبہ کے ایک بیّن اور روشن برتری ہے (جس سے ہر متنفّس کو پروردگار عالم کے احکام کے نفع مند ہونے کا یقین ہو جاتا ہے)۔ (یہاں ثابت ہو گیا کہ بنی اسرائیل کی دوسری قوموں پر ''فضیلت'' انہی دنیاوی ترقیوں کی وجہ سے تھی)۔

(۳) ولوطا اتینه حکما وعلما ونجینه من القریة التی کانت تعمل الخبئث ط انھم کانوا قوم سوء فسقین٥ لا وادخلنه فی رحمتناط انه من الصلحین٥: (۵/۲۱)

(۳) اور ہم نے لوط کو حکم اور علم دیا (اور جب وہ اس حکم اور علم کے ذریعے ایک قوم کو جو طرح طرح کی خلاف فطرت بدکاریوں میں پھنسی تھی اور زوال کے آخری گڑھے تک پہنچ چکی تھی، راہ راست پر نہ لا سکے اور وہ اندھا دھند بدکرداری میں مبتلا رہی) تو ہم نے اس کو اس بستی سے علیحدہ کر دیا (تاکہ وہ خود بخود عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جائے اور لوطؑ اپنے حکم اور علم کو کسی زیادہ اہل بستی کے لئے استعمال کر سکے)۔ بے شک یہ تمام قوم کی قوم پرلے درجے کی بدکار اور بدکردار تھی۔ (پھر لوط نے اپنے حکم اور علم کو دوسری قوم پر استعمال کر کے اس کو ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچا دیا) اور ہم نے (بھی) اس کو اپنی مہربانیوں (کے سائے) میں لے کر (کامیابی کے عظیم الشان قصر میں) داخل کر دیا۔ لوط (کے اس بے مثال طرز عمل سے ثابت ہو چکا تھا کہ وہ) درحقیقت صالح العمل لوگوں میں سے تھا۔ (یہاں بظاہر کسی دنیاوی ترقی کی طرف اشارہ نہیں لیکن حکم کے ساتھ علم کا لفظ

دلالت کرتا ہے کہ رحمت کی وجہ علمی ترقی ہی ہوگی)۔

(۴) ووھبنا له اسحق ط ویعقوب نافلة ط و کلا جعلنا صلحین o: (۲۱/۵)

(۴) اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ (جیسے جلیل القدر شخص اور خدا کی کائنات کے بڑے علاّمے اس کے انتہائی عظیم الشان عمل کی پاداش میں جو ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے لئے مدة العمر کیا) بطور انعام اور شکر کرنے کے عطا کئے اور (یہ سب کے سب اس حیرت انگیز باخبری اور نبوت کے مالک شخص تھے کہ ہم نے ان کو صالح العمل لوگوں (کی فہرست) میں داخل کر دیا تھا۔ (قوموں کو خوشحال کرنے کے عمل سے ہی ان کو صالح کا خطاب مل سکتا ہے)

(۵) واسمعیل وادریس وذالکفل ط کل من الصبرین وادخلنهم فی رحمتنا بهم من الصلحین o: (۲۱/۶)

(۵) اور اسمعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ سب کے سب انتہائی طور پر مستقلِ مزاج (اور زہرہ گداز تکلیف اٹھا کر (قوم کو کامیاب کرنے والے) بندوں میں سے تھے (اور ان کے صبرو استقلال کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی قوموں کو مادی ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچا دیا یہاں تک کہ) ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر کے (لاانتہا برکتیں اُن کی قوموں کو دیں اور کامیاب بنا کر) چھوڑا۔ بے شک یہ لوگ صالح العمل لوگوں میں سے تھے۔ (استقلال سے قوموں کو ترقی دینے کی وجہ سے ان کو صالح کا خطاب ملا)۔

(٦) رب هب لی حکماً والحقنی بالصلحین: (۲٦/۵)

(٦) (اور جب ابراہیم اس کارخانہ فطرت کی ملکوت کا تمام علم حاصل کر چکا اور اس پر واضح ہوگیا کہ کائنات کا بھید کیا ہے اور اس دنیا میں انسان کے آنے کا کیا مقصد ہے تو اس نے گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی کہ) اے میرے پروردگار مجھے حکومت عطا کر (تاکہ میں اس حکومت کو مخلوق خدا کے فائدے کے لئے استعمال کر کے کائنات کا مقصد واضح کر سکوں اور اس قوم کو جس پر میں حکومت کروں ترقی اور تمدّن کے فلک الافلاک تک پہنچا سکوں اس بنا پر اے میرے رب مجھے حکومت

دے) اور مجھے صالح العمل لوگوں کے ساتھ ملا دے (کیونکہ زبور میں بار بار تُو نے کئی تاکیدوں کے ساتھ اس امر کا ذکر کیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح العمل بندے ہی ہیں)۔ (آگے چل کر اسی صفحہ میں صالحین کی تعریف یہی کی ہے کہ وہی وارث زمین ہوتے ہیں)۔

(۷) قال رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدیo ج: (۳/۳۸)

(۷) (تو جب حضرت سلیمان پر مشکلات اور صعوبتوں کا پہاڑ آ پڑا اور وہ ان کو دور کرنے کا پختہ ارادہ کرنے کو تھا کہ) وہ پکار اٹھا کہ اے میرے پروردگار! (میری داماندگیوں پر) اپنی رحمت کا پردہ ڈال اور مجھ کو (میرے سعی وعمل کو دیکھ کر) وہ (لازوال) سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے شایاں نہ ہوں۔ (انبیا کو سلطنت کی خواہش اسی لئے تھی کہ وہ قوم کو مادی عروج دیں)۔

(۸) ام یحسدون الناس علی ما اتھم اللہ من فضلہ ج فقد ایتنا ال ابراھیم الکتٰب و الحکمۃ واتینھم ملکا عظیما: (۸/۴)

(۸) کیا یہ لوگ ساکنان زمین سے اس بارے میں حسد کر رہے ہیں جو خدا نے ان کو اپنے فضل میں سے عطا کیا ہے تو (ان کا یہ بغض وحسد ہم پر کوئی اثر نہیں رکھتا کیونکہ) درحقیقت ہم نے ابراہیم کی اولاد کو (نہ صرف دنیاوی فضیلت دی بلکہ) (صحیفہ فطرت کے علم پر مشتمل) الکتٰب اور (خدا کے عظیم الشان علم کی حامل) حکومت دی اور (انہی دونوں موہبتوں کی برکت سے) ان کو ایک بہت بڑی سلطنت بھی دی۔ (یہاں پھر "فضل" کا لفظ ہے جس کے معنی دنیاوی ترقی ہی ہوسکتی ہے)۔

(۹) ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصلحونo ان فی ھذا لبلغا لقوم عبدینo ط: (۷/۲۱)

(۹) اور بے شک اور بالتحقیق ہم نے ضروری تفصیل کے بعد اس امر کا فیصلہ زبور میں ہی لکھ کر کر دیا تھا کہ درحقیقت اس زمین کے وارث ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں اس

(اعلان) میں بے شک اور بالضرور ملازم خدا قوم کے لئے ایک بہت ہی بڑا پیغام☆ ہے۔(جب انبیا بھی حکومت مانگتے تھے تو یہاں مولوی کا ارض کا ترجمہ ''ارض جنت'' کرنا نہایت لغو ہے)

اس میں شک نہیں کہ انسان ان پیغمبروں کے زمانے میں صحیفہ فطرت کے علم کے متعلق نہایت ابتدائی واقفیّت رکھتا تھا لیکن انسان کی ان ابتدائی ایجادات کو اس شدومدّ سے بیان کرنے، اُن کو وراثتِ زمین سے مشرف اور صحیفہ فطرت سے روشناس کر کے یہ کہنا کہ ہم نے ان کو حکم اور علم دیا اور انہوں نے فلاں فلاں اشیائے فطرت مسخّر کیں اور فلاں ایجادات کیں، وغیرہ وغیرہ، یہ تمام بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قران حکیم کے نزدیک صلاح عمل صحیفہ فطرت کی تلاش وتفتیش بدرجہ اُولیٰ ہے اور یہ علم صرف وہی قومیں حاصل کرسکتی ہیں جو حُکم بھی رکھتی ہوں گو یا زمین کی وارث ہوں۔ چنانچہ (۲۶۰)۔۶ میں (۱) لَ یعنی ضرور (۲) قَـد یعنی بالتحقیق (۳) کتبـنـا یعنی قطعی فیصلہ کردیا (۴) اَنَّ یعنی بے شک کی چار تاکیدوں کے بعد اس امر کا اعلان کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے اور پھر اس کے بعد اِنَّ اور لَ کی دو مزید تاکیدیں کر کے یہ کہنا کہ خدا کے قانون کو ماننے والی قوم (قوم عابدین) کے لئے یہ انکشاف حقیقت میں ضرور ایک بہت بڑا پیغام ہے، اس امر کی ناقابل انکار تائید ہے کہ خدا کے نزدیک (جس کو اپنی بنائی ہوئی فطرت پر بے حد ناز ہے (دیکھو عنوان مقام فطرت صفحہ ۲۱) بنی نوع انسان کی بہترین صلاحیّت صحیفہ فطرت کی تلاش وتفتیش، تسخیر اشیائے فطرت اور وراثت زمین بھی ہے تاکہ یہ انسان بالآخر اپنی فطری استعداد سے اس قدر سمیع وبصیر ہو جائے کہ خدا سے ملاقات کرنے کا اہل ہو۔ (دیکھو عنوان لقائے ربّ صفحہ ۸۸)۔ اسی نقطۂ نظر سے خدائے عظیم نے صاف اعلان کردیا کہ لقائے ربّ کے لئے ضروری ہے کہ اعمال صالحہ ہوں اور قانون فطرت کی مکمّل تلاش ہو:۔

(۲۷۰) فمن كان يرجوا لقآء ربه فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرك بعبادة ☆☆ربه احداO: (۱۸/ ۱۲)

(۲۷۰) تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید ☆☆ رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ (صحیفہ فطرت سے علم حاصل کر کے اس

☆ غور طلب بات یہ ہے کہ ان دو آیتوں میں ل، قد کتبنا، اَنَّ، اِنَّ، ل کی پے در پے چھ تاکیدیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ ان دو آیات میں خدائے عظیم نے جو کچھ کہا ہے وہ دنیا کی ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کے متعلق انسان کو ادنیٰ سا شک نہ ہونا چاہیے اور ہر قوم کو عبادی الصٰلحون اور قوم عابدین کا سچا مصداق ہونا چاہیے۔ فتدبّر۔

☆☆ آیات (۲۶۹)۔۹ میں صالحون، عبادی اور عابدین اور یہاں عبادۃ اور عملاً صالحاً کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

باقی اگلے صفحہ پر دیکھو

زمین کو پر زینت اور پُر رونق کرنے کے) مناسب اعمال کرتا جائے اور اپنے پروردگار (کے قانون پر عمل کرنے) کی ملازمت میں کسی دوسرے (حاکم کے احکام کی متابعت کر کے اس) کو (خدا کے ساتھ) شریک نہ کرے۔ (انبیا کو صالحین اگر ان کے دنیاوی عمل کے باعث کہا تو یہاں بھی حسن عمل زمین کو پُر رونق کرنا ہے)

اسی نقطہ نظر سے بنی نوع انسان کو صالحیّت کی فضا میں پرورش کرنے اور زمین کی اُس وقت کی آبادی کو علمی رنگ میں رنگنے کے لئے حسب ذیل تعلیم دی:۔

(۲۷۱) حتی اذآ اتوا علی وادالنمل لا قالت نملة یایها النمل ادخلوا مسکنکم ج لا یحطمنکم سلیمن وجنوده وهم لا یشعرون o فتبسم ضاحکاً من قولها وقال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی

(۲۷۱) تو جب (سلیمان کا جرّی اور ٹڈی دل) لشکر (جو بڑے بڑے گرانڈیل اور قدآور دیو صورت سپاہیوں پر مشتمل تھا اور جس کو فتح مند کرنے کیلئے خبر رسانی اور پیغامبری کی غرض سے سدھائے ہوئے پرندوں کے لشکر بھی ساتھ تھے) وادیٔ نمل میں پہنچا تو (مخالف لشکر کے سرکردہ) ایک نملو نے کہا کہ اے غلو! (تم اس لشکر کا مقابلہ آسانی سے نہیں کرسکو گے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰) پہلی آیات میں عبادت اور صالحیّت کا نتیجہ وراثت زمین اور یہاں نتیجہ لقائے ربّ ہے۔ گویا (۱) جن زمینی قوموں کے پاس وراثت زمین ہی نہیں وہ صحیفہ فطرت سے علم حاصل کر کے آرائش زمین کیا کرسکیں گی اور ان کا عمل کیا عمل صالح ہو سکے گا۔ (۲) عبادت کے معنی نماز روزہ وغیرہ نہیں جیسا کہ آج کل کے مولویوں نے سمجھا ہے بلکہ خدا کی نوکری (یعنی اس کے قانون فطرت کی پابندی) اختیار کرنا ہے۔ (۳) صالحیّت بھی علی ہذا القیاس کوئی لمبی ڈاڑھیاں رکھ کر ''متقیانہ'' چہرے بنا لینا نہیں بلکہ وہ یہ ہے کہ صحیفہ فطرت کے علم کے ذریعے سے اس زمین کو انتہائی طور پر آباد اور پر رونق کر دیا جائے اور تمام خطۂ زمین عظیم الشان ایجادات اور اختر عات سے بھرپور ہو جائے! (۴) اس آیت یعنی آیہ (۲۷۰) میں ملاقات ربّ کے بارے میں **یرجوا** (امید) کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ملاقات سزا کھانے کے لئے نہ ہوگی جیسا کہ مولویوں نے سمجھا رکھا ہے کہ روز قیامت کو ہوگی بلکہ یہ انعام لینے اور خدا سے برابری کا مصافحہ کرنے والی ملاقات ہوگی۔ دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ملاقات کوئی معمولی سی شے نہیں جو معمولی سے عمل سے ہو جائے بلکہ مسلسل سعی و عمل اور جانکاہ جدّ و جہد کے بعد ہوگی۔ فتدبّر۔

''عبادت'' کا لفظ قران حکیم میں کئی جگہ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کے فعل سے الگ کر کے دکھایا ہے۔ دیکھو تذکرہ اصل کتاب صفحہ ۱۰۵ تا ۱۱۳ جہاں عبادت کے لفظ پر مکمّل بحث کر کے اس قرانی اصطلاح کا صحیح مفہوم خدا کی ملازمت اختیار کرنا ثابت کیا گیا ہے۔

وان اعمل صالحاً ترضه وادخلنی برحمتک فی عبادک الصلحین O: (۲/۲۷)
اس لئے) اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر تم کو (اپنے آلات تخریب سے) بے خبری میں ہی تہس نہس کر دے☆۔ اس (بلا مقابلہ سپر اندازی کی) گفتگو پر سلیمان کی باچھیں کھل گئیں اور وہ (بزبان حال) پکارا اٹھا کہ اے میرے پروردگار مجھے اس بات کی توفیق دے کہ میں (صحیح معنوں میں) تیرے اس احسان کی قدر کروں جو تُو نے (مجھے اس امر کا قابل بنا کر) مجھ پر کیا ہے (کہ میں ایسا جرارّ لشکر تیار کر سکوں جس کے مقابلے کی کوئی دوسرا لشکر تاب نہ لا سکے) بلکہ میرے

☆ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وادی نمل جس میں سے حضرت سلیمان کا بے شمار لشکر تمام دنیاوی ساز وسامان سے لیس ہوکر ملکہ سبا کے ملک پر حملہ کرنے کی غرض سے گذرا تھا، سلطنت کی سرحد پر ایک ایسا قطعہ زمین تھا جو ملک کو حملہ آور فوجوں سے بچانے کیلئے خاص طور پر دفاعی ساز وسامان سے لیس کیا گیا تھا۔ اس خاص علاقے میں ملکی دفاع کی تجویز غالباً یہ تھی کہ زہریلے حشرات الارض کی بڑے پیمانے پر آبادیوں کو قائم کیا جائے تا کہ دشمن اس علاقے میں داخل ہی نہ ہو سکے۔ چین والوں کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ انہوں نے اپنے ملک کی سرحد پر ایک عظیم الشان دیوار اسی مقصد کے لئے کھڑی کی تھی جو اب تک موجود ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حشرات الارض ایسے خطرناک قسم کے زہریلے کیڑے تھے جو لاکھوں کی تعداد میں دشمن کے سپاہیوں کو کاٹ کر ہلاک کر دیتے ہونگے یا وہ کوئی جراثیم تھے جن سے ہولناک بیماریاں سپاہیوں میں پھیلتی ہوں گی۔ افریقہ میں کئی خطرناک حشرات اب بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے زرد بخار وغیرہ پھیلتے ہیں اور مچھروں سے ملیریا کا پھیلنا تو ہر شخص جانتا ہے لیکن یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ ملکہ سبا کی سلطنت کے متعلق جدید ترین انکشافات یہ ہیں کہ وہ جزیرہ مدغاسکر میں واقع تھی جو افریقہ کا ایک مشہور جزیرہ ہے۔ الغرض جب ملکہ سبا کی طرف سے اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے یہ ہتھیار تھے کہ ایک بڑے خطّے کو خطرناک کیڑوں اور جراثیم سے آباد کیا گیا تھا تو لامحالہ حضرت سلیمان کی طرف سے بھی پوری تیاریاں ضرور ہوئی ہونگی تا کہ اس خدائی آفت کا مقابلہ کیا جائے۔ میری نگاہ تو یہاں تک جاتی ہے کہ حضرت سلیمان نے تمام وہ علمی آلات اپنی فوج کے سپاہیوں کو ان حشرات کی زد سے بچانے کے لئے تیار کئے ہوں گے جو آج کل کی زندہ قومیں تیار کرتی ہیں اور یہی وجہ تھی کہ حضرت سلیمانؑ کامل طور پر فتح مند ہوئے اور حشرات کی مخالف فوج نے ہتھیار ڈال دیئے بلکہ اس بڑی مہم کو سر کرنے کے بعد حضرت سلیمان کا ہنسنا یعنی خوش ہو جانا اور ان کا بزبان حال خدائے عزّ وجل کی حمد وثنا میں عمل صالح کرنے کی توفیق مانگنا بلکہ عبادک الصالحین بننے کی آرزو کرنا جو وارث زمین بننے کی شرط ہے وغیرہ اس امر کی صاف دلالت کرتا ہے کہ قرآن حکیم کا عمل صالح، ایمان، عبادت، کفر، شرک **الغرض اسلام کا تمام کا تمام مذہب صرف یہ ہے کہ انسانی تقدم کی ہر شق میں انتہائی مادی ترقی کی جائے اور مسلمان کا عمل صرف یہ ہو کہ اس کا اٹھنا، بیٹھنا، لیٹنا، بھاگنا بلکہ سونا بھی اس دُھن میں ہو کہ وہ اپنی قوم کو ترقی اور تیاری کے فلک الافلاک تک پہنچا دے۔** اس قطعی فیصلے کے بعد سوچو کہ مسلمان کس قدر پیچھے رہ گیا ہے، دوسری قومیں کس قدر آگے بڑھ گئی ہیں اور دین اسلام کو عہد زوال کے مفسّروں اور فلسفیوں نے کیا سے کیا بنا دیا ہے! اس آیہ شریفہ میں عبادک الصلحین کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں کیونکہ وارثین زمین کی تعریف آیہ: (۲۶۹)۔۹) میں انہی الفاظ میں ہوئی ہے۔

والد پر بھی (کیونکہ میرے والد کے انتہائی سعی وعمل کی وجہ سے ہی میں قوّت وشوکت کے اس درجے پر پہنچا ہوں) تو مجھے توفیق دے کہ میں (قوّت اور شوکت حاصل کرنے کے یہی) مناسب اعمال کرتا جاؤں جن کو تُو پسند کرتا ہے اور مجھ کو اپنی رحمت کی وجہ سے اپنے صالح العمل بندوں (کی فہرست) میں داخل کر دے (تاکہ منشائے کائنات جو اس دنیا میں مادی قوّت حاصل کر کے صحیفہ فطرت کی ماہیّت کو پالینا ہے، حاصل ہو جائے)۔(اس تشریح کے سوا جو مَیں نے کی ہے کوئی دوسری تشریح ان دو مشکل آیات کی ہرگز نہیں ہوسکتی)

الغرض انسان کو خدا سے علمی طور پر روشناس کرنے کے لئے قران حکیم کی ایک ایسے وقت میں تعلیم جب کہ روئے زمین پر علم کے ابتدائی نشانات بھی کسی بڑے پیمانے پر موجود نہ تھے، اسلام کے منجانب اللہ ہونے کی وہ دلیل ہے جو ہر طالب العلم کو حیران کر دیتی ہے۔اس علم اور مادی ترقی کے زمانے میں پہلے انبیاء کے زمانوں یا پہلی قوموں عاد اور ثمود اور ایکہ کے وقتوں کی ترقیّات اور ان کے تمدّنوں کا ذکر بلاشبہ موجودہ انسانوں پر اثر نہیں رکھتا لیکن جو بات قابل توجہ ہے یہ ہے کہ اُس وقت کہ قران حکیم دنیا میں آیا ماسوا اُن واقعات کے جو ہو چکے تھے اَور واقعات موجود نہ تھے کہ قران اُن کی مثالیں دیتا، نہ سوائے اُن انبیا کے جن کا ذکر ہوا کوئی بڑے ماہرین علم موجود تھے کہ اُن کو بطور نمونہ پیش کرتا۔قران نے عام محاکمہ دے دیا کہ علم فطرت کے حاصل کرنے کے بدون خدا کے بارے میں آپس میں تنازعات پیدا کرنا اور اٹکل پچو باتیں کرنا بنی نوع انسان کو غلط راہ پر چلا کر اس کو ہلاک کرنا ہے۔سورۂ حج میں ہے۔

(۲۷۲) ا ۔ ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ویتبع کل شیطان مرید ٥لا کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ ویھدیہ الی عذاب السعیر ٥:(۲۲/ ۱)

(۲۷۲)ا۔اور لوگوں میں سے (کئی) ایسے ہیں جو خدا کے (متعلق اس بات کی ٹوہ کے لگانے کے) بارے میں (کہ وہ انسان سے کیا چاہتا ہے یا اس کا قانون کیا ہے اور وہ کن اصول کے ماتحت سزا و جزا دیتا ہے، خدا کی خدائی کا) علم حاصل کئے بغیر بحث وجدال کرتے رہتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں (حالانکہ) شیطان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ جس نے اس سے دوستی کی تو وہ ضرور اس کو گمراہ کرتا ہے اور جہنم کے

عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔(اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کی مرضی کا علم صحیفہ فطرت سے علم حاصل کرنے کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ گویا جو قومیں کسی خاص موضوع کے متعلق کتاب وحی سے ہدایت نہیں لیتیں یا نہیں لے سکتیں یا ان کی کتاب وحی معنوں کے بدلنے کے باعث تحریف شدہ ہو چکی ہے، ان کے لئے واحد رہنما علم (صحیفہ فطرت) ہے جیسا کہ آج کل کی مغربی اقوام عملاً کر رہی ہیں)۔(اگلی آیت میں علم کے لفظ کے ساتھ اور الفاظ لگا دیئے ہیں جن سے یہ ترجمہ واضح ہو جاتا ہے)۔

(۲) ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ☆ ولا ھدی ولا کتاب منیر ٥لا ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللہط لہ فی الدنیا خزی و نذیقہ یوم القیامۃ عذاب الحریق٥: (۱/۲۲)

(۲) اور لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے جو خدا (کی مرضی) کے بارے میں (صحیفہ فطرت سے) علم حاصل کئے بغیر یا (کتاب وحی سے) ہدایت لئے بغیر، یا (خدا کی) روشن کتاب کا مطالعہ کئے بغیر، بحث کرتا رہتا ہے وہ ان تمام مصادر علم سے پہلو موڑ لیتا ہے تا کہ خدا کے رستے سے بھٹک جائے۔تو ایسے شخص کو دنیا میں ذلّت اور رسوائی ہے اور روز قیامت کو ہم اس کو جلا دینے والا عذاب چکھوائیں گے۔(فطرت کو ''کتاب مبین'' بھی بعض جگہ کہا گیا ہے، یہاں ''کتٰب منیر'' کہا ہے۔فتدبّر۔)

اسی سلسلے میں امنوا وعملوا الصلحت کے مفہوم کی ایک قطعی اور فیصلہ کن تشریح کے لئے حسب ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں جن سے یقین ہو جاتا ہے کہ قران حکیم کی اس معنی خیز اصطلاح کا حقیقی مقصد تلاش وتفتیش صحیفہ فطرت کے سوا کچھ نہیں۔ جو شے قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ دونوں موقعوں پر یہ آیات سیاق اور سباق کے لحاظ سے صحیفہ فطرت کی مخلوق کی طرف توجہ دلانے والی آیات میں گھری ہیں۔

(۲۷۳) ۱۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السموت والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامرط مامن شفیع الا من

(۲۷۳) ۱۔ (لوگو! غور کرو) بے شک تمہارا پالنے والا (اور دنیا میں تمہیں ترقی کی تمام فضیلتوں پر پہچانے والا) وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین (کے اس عظیم الشان کارخانے) کو چھ (بڑے بڑے

☆ ۱۶۵ سے لیکر اس صفحے تک برابر کئی آیتیں آئی ہیں جن میں علم کا لفظ آیا ہے اور آیہ (۲۷۲)۔۱و۲ میں کہا ہے کہ خدا بھی علم کے بغیر پہچانا نہیں جاتا۔ مسلمان اور مولوی سوچے کہ کیا صحیفہ فطرت کے علم کے بغیر علم کے کوئی اور معنی ممکن ہیں۔

بعد اذنه ط ذلکم الله ربکم فاعبدوه ط افلا تذکرون ○ الیه مرجعکم جمیعا ط وعد الله حقا ط انه یبدؤا الخلق ثم یعیده لیجزی الذین امنوا وعملوا الصلحت بالقسط ط والذین کفروا لهم شراب من حمیم و عذاب الیم بما کانوا یکفرون○: (۱۰/۱)

طویل المیعاد) دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ تختِ حکومت پر جم کر بیٹھ گیا (اور وہیں پر سے) قانون کی تدبیر کرتا ہے۔ (تو خدا کی حکومت اور اس کے قانون کے جاری وساری ہونے کے بعد تمہارا) کوئی سفارشی نہیں (ہوسکتا) مگر اس کی اجازت کے بعد تو (جب) تمہارے پروردگار اللہ (کا) یہ (مقام) ہے (تو لازم ہے کہ تم) اُسی کی ملازمت اختیار کرو۔ پھر کیا تم (ان واقعات کے ہوتے ہوئے) نصیحت نہیں پکڑتے؟ تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ بے شک وہی ہے جو خلقت کی ابتدا کرتا ہے اور **پھر اُس کو بار بار پیدا ہی اس غرض سے** کرتا ہے کہ صاحب ایمان و عمل صالح قوم کو عدل وانصاف سے (ان کے عملوں کی جو وہ صحیفہ فطرت کی تلاش کے متعلق کریں) جزا دے اور جو لوگ (اس کی پیدا کی ہوئی خلقت کے منتہا سے) منکر ہیں (اور اس تمام کارخانہ قدرت کو لاطائل اور باطل سمجھتے ہیں) ان کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کے لئے اور ان کے کفر کے بدلے میں دردناک عذاب ہے۔ (اس آیت میں صاف اقرار اس امر کا ہے کہ کائنات پیدا ہی اس واحد غرض و مطلب کے لئے کی گئی کہ ایمان اور عمل صالح والی قوموں کو تلاش صحیفہ فطرت کی پاداش ہر قوم کو اس کے مقدار عمل کے مطابق عدل وانصاف سے جزا دی جائے جو آج ان آنکھوں کے سامنے ہر قوم کے ساتھ عملاً ہو رہا ہے۔ **ان آیات کا اگر یہ ترجمہ درست نہیں تو معاذ اللہ یہ آیات بے معنی ہیں**)۔

(۲) الله یبدؤ ا الخلق ثم یعیده ثم الیه ترجعون○ ویوم تقوم الساعة یبلس

(۲) خدا خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر اس کو بار بار پیدا کرتا ہے۔ پھر تم لوگ (اس حقیقتِ خدا کو اپنے فائدے کیلئے استعمال

المجرمون o ولم یکن لھم من شرکآئھم شفعوا و کانوا بشرکآئھم کافرین o ویوم تقوم الساعة یومئذ یتفرقون o فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فھم فی روضة یحبرون o و اما الذین کفروا و کذبوا بایتنا ولقآئ الاخرة فاولئک فی العذاب محضرون o: (۳۰/ ۲)

کرنے کے بارے میں پُرسش کے لئے) خدا کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور جس دن وہ (امتحان کا) وقت آ پہنچا (اور اسی دنیا کے اندر غافل قوموں کو ان کے کئے کی سزا ملنے لگی) تو مجرم لوگ مایوس ہو جائیں گے اور ان لوگوں میں سے (جن کو یہ خدا کا ساتھی سمجھ کر ان کے بنائے ہوئے ٹیڑھے قانونوں پر عمل کرتے تھے) کوئی (بھی خدا کے سامنے) ان کا سفارشی نہ ہو سکے گا اور یہ اپنے شریک (آقاؤں) کے منکر ہوں گے اور جب وہ پُرسش کی گھڑی آ چکی تو اسی وقت قومیں (مختلف ٹولیوں میں) الگ کر دی جائیں گی۔ پھر وہ قومیں جو صاحب ایمان ہو کر مناسب اعمال کیا کرتی تھیں۔ تو وہ وہی ہونگے جو ایک (سجے سجائے) باغ میں باعزت داخل ہوں گے اور جن قوموں نے ہماری صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی آیات کو مخول سمجھ کر ان سے بے پرواہی اختیار کی تھی اور جنہوں نے (خلقتِ خدا اور صحیفہ فطرت کی تلاش وتجسس کو بے معنی سمجھ کر) خدا سے انسان کی بالآخر ملاقات کو مخول سمجھا تھا تو وہی ہونگے جن کو عذاب کے سامنے لا کر حاضر کر دیا جائے گا۔ (ان آیات کے شروع کے الفاظ کا ربط اسی ترجمہ سے ہوسکتا ہے جو میں نے کیا)

(۲۷۳)۔ اس سے مقصد صاف واضح ہو جاتا ہے وہ یہ کہ صحیفہ فطرت کی تخلیق ہی اس غرض سے کی گئی کہ ایماندار اور صالح العمل انسانی اقوام کو ان کے حسنِ عمل کی جزا دینے کا موقع ملے اور جو لوگ اس فطرت کو باطل سمجھ کر اس کی حقیقتوں کی طرف توجّہ کرنے سے منکر ہیں ان کو سخت ترین سزائیں دی جائیں۔ عبادت غیر سے مقصد لذّات دنیوی میں منہمک ہو کر خدا کے قانون سے غافل ہو جانا ہی ہے اور جس غفلت کا نتیجہ اقوام کے حق میں مہلک ہوتا ہے گویا تمام قوم فطرت سے متمتّع نہ ہو کر اپنی دنیاوی حالت کو درست کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ صحیفہ فطرت کی تخلیق ہی اِسی غرض سے ہوئی کہ انسان اس کی طرف پیہم توجہ کر کے اس سے فائدہ اٹھائے اور اپنی دنیاوی حالت درست کرے۔ اسی نقطہ نظر سے خلاّق عظیم تعالیٰ نے کہا کہ ''تم جن خداؤں اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر اپنی دنیاوی حالت کو خراب کر رہے ہو، مجھے بتاؤ کہ ان

تمہارے خداؤں نے کونسی زمین پیدا کی ہے جو تمہارے نفع کے لئے ہو۔'' (دیکھو: (۲۹) صفحہ ۲۱)۔ خدائے عظیم معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر پیہم چاہتا ہے کہ انسان ایک لحظہ کے لئے اس صحیفہ فطرت کے مطالعہ، بلکہ اس کی تسخیر اور اس سے فائدہ اٹھانے سے غافل نہ ہو، بنی نوع انسان کے ایمان کا تمام دار و مدار **حق** (یعنی صحیفہ فطرت) پر ہو، وہ اسی صحیفہ فطرت میں خدا کی آیات اور احکام کی پیہم تلاش میں رہے اور اسی خدا کی صنعت عظمیٰ میں اپنی نجات کی راہ ڈھونڈے۔ اسی حقیقت کو اشارۃً یا بداہتہً ان تمام آیات الٰہی میں واضح کیا ہے جن میں فطرت کے مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے اور باطل پر ایمان رکھنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔ (دیکھو (۲۵)، صفحہ ۱۹، (۲۵۶)، صفحہ ۱۴۸ نیز (۲۷۵)۔ ا صفحہ ۱۷۸):۔

(۲۷۴) ا ۔ فاقم وجهک للدین القیم من قبل ان یاتی یوم لا مرد له من الله یومئذ یصدعون ○ من کفر فعلیه کفره ج ومن عمل صالحا فلانفسهم یمهدون ○لا ليجزی الذین امنوا وعملوا الصلحت من فضله☆ ط انه لا یحب الکفرین ○: (۳۰/۵)

(۲۷۴) ا۔ تو (اے پیغمبرؐ!) تُو اپنی توجہ اسی مضبوط دین (اور لازوال راہ عمل) کی طرف کر دے (جس پر چل کر ہر قوم کو قوت اور طاقت حاصل ہو سکتی ہے) پیشتر اس کے کہ (تیری قوم پر) وہ سخت گھڑی (عذاب اور پرسش کی) آجائے جس کی کوئی روک نہ ہو گی اور اُس دن یہ لوگ الگ الگ ٹولیوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے تو جس نے (صحیفۂ فطرت کے مفید ہونے سے) انکار کیا تھا تو اس کے کفر کی ذمہ داری اس پر ہو گی اور جنہوں نے مناسب اعمال کئے ہوں گے (اور اپنے آپ کو ترقی اور تمدّن کے فلک الافلاک تک پہنچایا ہو گا تو) اُن کو عیاں ہو جائے گا کہ وہ یہ سب کچھ اپنے ہی ذاتی فائدوں کے لئے تیاری کرتے ہیں۔ (اور یہ سب کچھ جو ان کو صحیفہ فطرت سے احکام اخذ کرنے کے لئے کہا گیا) **اس واحد غرض کے لئے تھا کہ** خدائے عظیم صاحب ایمان قوم کو جو مناسب اعمال کرتی ہے اپنی دنیاوی **نعمتیں بطور جزا** کے دے کیونکہ وہ خدائے عظیم فی الحقیقت ان لوگوں کو جو اس کے (صحیفہ فطرت کے) منکر ہیں پسند ہی نہیں کرتا۔ (۱۰۹) ا۔ میں بھی یہی مضمون زیادہ وضاحت سے ہے، نیز (۲۷۳)۔ ا میں جو صفحہ ۱۷۶ پر ہے اور تینوں جگہ **لیجزی** کا لفظ موجود ہے)۔

☆ 'فضل' کے لفظ سے واضح ہے کہ دین قیّم کا نتیجہ دنیاوی خوشحالی ہے۔

(۲) قل کفی باللہ بینی وبینکم شھیدا ج یعلم ما فی السموت والارض ط والذین امنوا بالباطل☆ وکفروا باللہ لا اولئک ھم الخسرون٥☆ ویستعجلونک بالعذاب ط ولو لآ اجل مسمی لجآء ھم العذاب ط ولیاتینھم بغتۃ وھم لا یشعرون ٥ یستعجلونک بالعذاب ط وان جھنم لمحیطۃ بالکفرین٥لا یوم یغشھم العذاب من فوقھم ومن تحت ارجلھم ویقول ذوقوا ما کنتم تعملون ٥ یعبادی الذین امنوآ ان ارضی واسعۃ فایای فاعبدون ٥ کل نفس ذآئقۃ الموت قف ثم الینا ترجعون ٥ والذین امنوا وعملوا الصلحت لنبوئنھم من الجنۃ غرفاً تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ط نعم اجر العملین٥ ق صلے الذین صبروا وعلے ربھم یتوکلون٥: (۶/۲۹)

(۲) (اے پیغمبرؐ!) کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان وہ خدا کافی گواہ (اس لئے) ہے (کہ) وہی جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اس کا علم رکھتا ہے (اور سمجھتا ہے کہ تمہارے صحیفہ فطرت کی طرف متوجہ ہو کر اس سے احکامِ خدا اور آیات الٰہی اخذ کرنے سے بنی نوع انسان کو کیا کیا عظیم الشان فوائد حاصل ہو سکتے ہیں)۔ (وہی خدا سمجھ سکتا ہے کہ) وہ لوگ جو (صحیفہ فطرت کی واحد حقیقت کو چھوڑ کر) باطل (اور بے معنی چیزوں) پر ایمان لے آئے اور انہوں نے خدا (کے بنائے ہوئے قانون) سے انکار کیا تو یہی لوگ ہوں گے جو (بالاخر) گھاٹے میں رہیں گے۔ اور (اے پیغمبرؐ!) یہ لوگ (اپنی غفلت کی مستی میں اکڑ اکڑ کر) تم سے عذاب الٰہی کا جلد آنا طلب کرتے ہیں (تو ان کو کہہ دو کہ) اگر عذاب کے لئے اس وقت تک نہ آنے کا جب تک کہ گناہوں کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے) وقت مقرر نہ ہوتا تو ضرور عذاب آ جاتا اور (ان غفلت زدوں کو جو اپنی مستی میں لمبی تان کر پڑے ہیں) یقیناً وہ ناگہاں ہی آئیگا اور ان کو اس کی خبر تک نہ ہوگی۔ (ہاں ہاں!) وہ عذاب کیلئے جلدی کر رہے ہیں اور یہ بات تو لازم ہے کہ خدا (کے قانون) کے منکروں کو جہنّم نے گھیرا کر رکھا ہے۔ جب عذاب ان کو (سر کے) اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے لپیٹ لے گا (تو تب ان کو پتہ لگے گا کہ عذاب کیا تھا جس کی جلدی مچا رہے تھے) اور خدا اُن کو کہے گا کہ (آ ؤ اب) چکھو اس کے عوض میں جو کچھ تم کر رہے تھے۔ (اور یہ سب کچھ جو تمہیں باطل اور بے حقیقت چیزوں پر ایمان نہ لانے کے لئے کہا جا رہا ہے اور صرف اس امر کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ صحیفہ فطرت پر ایمان رکھو اس لئے ہے کہ)

☆باطل اور خٰسرون کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اشارہ صحیفہ فطرت کی طرف ہے۔ (دیکھو ۱۳۲) صفحہ ۷۰ و (۱۳۲) ب صفحہ ۱۷)

اے میرے بندو! جو مجھ پر ایمان لے آئے ہو یہ میری بنائی ہوزمین بڑی ہی وسیع ہے، (اس زمین کے اندر تمہاری بہبودی اور بنی نوع انسان کی بہتری کے لاانتہا خزانے موجود ہیں بشرطیکہ تم میں ان کو تلاش کر کے ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچنے کا عزم اور استقلال موجود ہو) تو صرف میری ہی ملازمت اختیار کرو۔ (یاد رکھو کہ) ہر متنفّس (ایک نہ ایک دن) موت کا لقمہ بننے والا ہے (اس لئے بہتر ہے کہ وہ اپنا زادراہ اس دنیا میں بنا لے کیونکہ) پھر تم سب ہماری طرف ہی لوٹا دیئے جاؤ گے اور وہ لوگ جو ہم پر ایمان لے آئے اور انہوں نے مناسب اعمال کئے تو ہم ضرور ان کو دنیاوی بہشت کے اُن سبزہ زار میدانوں میں پناہ دیں گے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے سو دیکھو کہ سعی وعمل کرنے والوں کو کیا ہی اجر ہے اور یہ وہ قومیں ہیں جنہوں نے نہایت صبر واستقلال سے (میری وسیع زمین کی) تلاش وتحقیق کی اور پھر اپنے پروردگار (کی بنائی ہوئی ہر چیز کے نفع مند ہونے) پر پورا اعتماد کیا۔ (یہ چھ آیتیں ایک دوسرے سے الگ معلوم ہوتی ہیں لیکن سوائے اس ترجمہ کے اور کسی طرح ان کا جوڑ نہیں بیٹھتا۔

قران حکیم جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا ہے آیات قرانی پر ایمان کا مقصد اسی صحیفہ فطرت کی صداقت پر مکمّل ایمان، اس کی پوری قدر دانی کے لئے مکمّل تڑپ اور اسی سے خوفزدہ ہو کر اس کے قانون پر عمل کرنے اور اسی سے طمع کی امید رکھ کر اپنی دنیاوی حالت کے درست کرنے کو قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس کی کئی مثالیں اس سے پہلے واضح طور پر دے دی گئی ہیں (دیکھو مقام فطرت صفحہ ۱۷ تا ۴۴) لیکن یہاں پر ایک اَور موقع تلاش وتفتیش کی ترغیب وتحریص کا پیش کیا جاتا ہے جس میں صاف طور پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ کسی متنفّس کو معلوم نہیں کہ اس صحیفہ فطرت کے اندر انسانی طمع اور مرفّہ الحالی کے کیا بیش قیمت خزانے خفیہ طور پر دبے ہیں اور یہ دفینے ان کو ان کے عمل ہی کی جزا کے طور پر مل سکتے ہیں:۔

(۲۸۵) انما یومن <u>بایتنا</u> الذین اذا ذکروا بھا **خروا سجدا** وسبحوا بحمد ربھم وھم لا یستکبرونo تتجا فی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم **خوفا وطمعاً** ز ومما رزقنھم ینفقون o فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرة اعین ج جزآء بما کانوا یعملونo افمن کان مومنا کمن کا فاسقا ط لا یستونo اما الذین امنوا وعملوا **الصلحت** فلھم جنت الماوی ز **نزلا** بما کانوا یعملونo: (۲/۳۲)

(۲۷۵) صرف وُہی قومیں ہماری (صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی ایجادوں اور احکام یعنی) آیات پر صدق دل سے ایمان و یقین کرتی ہیں جو جب اُن آیتوں سے ان کو عبرت حاصل کروائی جاتی ہے (اور وہ ان کے نفع مند ہونے کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں) تو وہ لڑکھڑا کر سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کے شکرانے میں بہ زبان حال ترانہ حمد گاتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں (جو صحیفہ فطرت کو باطل نہ سمجھ کر بے پرواہی اور غفلت کی) اکڑ نہیں کرتے۔ ان کے پہلو (صحیفہ فطرت کی تلاش کی دُھن میں) بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور وہ اپنے ربّ کو (ملاقات کی) دعوت خوفِ سزائے غفلت اور انعامات کی امید اور طمع کی وجہ سے دیتے رہتے ہیں اور جو کچھ (عطیہ جات الٰہی ایجادات کی صورت میں) ہم ان کو دیتے رہتے ہیں وہ ان کو (بہبودی خلق کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔ تو کوئی متنفّس نہیں جانتا کہ (اس صحیفہ فطرت کے لامتناہی خزانوں کے اندر) آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈکیں (ایجادات اور اختراعات کی صورت میں) چھپی پڑی ہیں جو ان کو ان کے سعی و عمل کی پاداش میں بطور جزا کے ملیں گی۔ تو (یہ بتلاؤ کہ) کیا جو شخص ایمان لے آئے اس کے برابر ہوسکتا ہے جو منکر اور بدکار ہو۔ ہرگز برابر نہیں ہو سکتا۔ تو جو قومیں ایمان لے آئیں اور انہوں نے (صحیفہ فطرت کی تلاش میں) مناسب اعمال کئے تو یہ وہ ہیں جن کو نہایت سرسبز باغ بطور پناہ کے ملیں گے اور یہ ان کی مہمانی (پروردگار کی طرف سے) ان کے حسن عمل کے بدلے میں ہوگی (یہاں کے لفظ **ایات** کے معنی سوائے صحیفہ فطرت کی آیات کے نہیں ہوسکتے۔ مقابلہ کرو اس کا آیہ (۳۷) صفحہ ۲۷ سے)۔

اسی طرح کی ترغیب و تحریص ایک دوسری جگہ ہے جس میں صاف کہا ہے کہ اگر قرانِ حکیم کے احکام کو پکڑ لو گے تو درجہ بدرجہ آسمان تک ترقی کرتے جاؤ گے اور تمہیں وہ اجرت ملے گی جو کسی طرح کم نہ ہوگی۔

(۲۷۶)☆ فمالهم لا یؤمنون ٥لا واذا قرئ علیهم القرآن لا یسجدون ٥ط بل الـذین کفروا یکذبون ٥ زصلے والـله اعلم بما یوعون ٥ زصلے فبشرهم بعذاب الیم٥لا الا الذین امنوا وعملوا الصلحت لهم اجر غیر ممنون٥: (۱/۸۴)

(۲۶۷) تو ان لوگوں کو (جوغفلت اور سکون کے مارے ہوئے ہیں) کیا ہوگیا ہے کہ وہ صحیفہ فطرت کی تلاش وتجسّس کے سلسلے میں انسان کے ایک پیدائش سے بلند تر پیدائش میں☆ بدلنے اور خدا سے زیادہ قریب تر ہونے کے واقع الامر پر) ایمان نہیں لاتے اور جب اُن پر قران (کے وہ روشن حقائق جن کی سچائی چڑھتے ہوئے سورج کی طرح روشن ہے) پڑھے جاتے ہیں تو وہ اس کی آیتوں کو سُن کر سجدہ نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ جو منکر ہیں تو وہ ان آیتوں کو جھٹلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ ان آیتوں کو کون سچ مان کر اپنی جان ہمیشہ کے عذاب میں ڈالے اور ایک پیدائش سے بلند تر پیدائش میں بدلنے کے لازمات پیدا کرے) اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو چوران کے دلوں میں بیٹھا ہے تو (اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے۔ (ہاں البتہ) وہ قومیں جو صحیفہ فطرت پر ایمان لا کر مناسب عمل کرتی رہیں تو ان کو ان کے اعمال کی مزدوری بلاکم وکاست مل کر رہے گی۔ **طبقـا عـن طبـق** یعنی ایک درجے سے دوسرے درجے پر چڑھنا صاف انسان کا خدا تک ارتقا ظاہر کرتا ہے۔ فتدّبر۔

(۲۷۷) رسـولا یتـلـوا عـلیکم ایت الله مبینت لیخرج الذین امـنوا وعملوا الصلحت من الظلمت الی النورط ومن یومن بالله ویعمل صالحا یدخله جنت تجری من تحتها الانهر خلدین فیها ابداط قد احسن الله رزقاً٥: (۲/۶۵)

(۲۷۷) (لوگو!) یہ وہ رسولؐ ہے جو تم لوگوں پر خدا کی (وہ روشن) آیات پڑھ (کر خبر دار کر) رہا ہے جو (قانونِ خدا کو) واضح اور اظہر من الشّمس کرنے والی ہیں اور ان کی **غرض و غایت یہ** ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کرنے والی قوم کو (جہالت اور غفلت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ترقی اور تمدّن کے) نور کی طرف لے جائے (جس سے قوم کی مادی اور روحانی حالت کا ہر شعبہ روزِ روشن کی طرح منوّر ہو جاتا ہے) اور جس متنفّس یا فرد نے (جماعت کے فرد ہونے کی حیثیت میں) خدا (کی بنائی ہوئی)

☆ان آیتوں سے پہلے والقمر اذااتسق٥ لترکبن طبقاً عن طبق٥: (۱/۸۴) ہے۔ یعنی پورے چاند کی قسم تم اونچے چڑھتے جاؤ گے (دیکھو صفحہ ۱۸۶)

فطرت کو برحق سمجھ کر اس) پر یقین و ایمان پیدا کرلیا اور اس نے (اس کے اصلی غرض ومنشا کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کیئے تو اس کو خدا ایسے سرسبز باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ تک رہیں گے (اور یاد رکھو کہ) خدا نے اس کے لئے بہتر سے بہتر رزق مہیّا کر دیا (اندھیرے سے روشنی میں نکالتے وقت رزق کا ذکر کرنا گویا دنیاوی حالت کو درست کرنے کا نور ہی ہے)۔

الغرض قران حکیم کے نقطہ نظر سے اس تمام سعی وعمل، رکوع وسجود، اضطراب اور ایمان کا نتیجہ مومن کے حق میں ایک ایسی نا قابل شکست اور مخالف جماعت کا قیام روئے زمین پر ہے جو اپنے ایمان اور عمل صالح کے زور سے روز بروز سطح زمین پر پھیلتی جائے اور جس کی بنیاد **ایمان** اور **اعمال صالح** پر ہو:۔

(۲۷۸) ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ و دین الحق ☆ لیظھره علی الدین کله ط و کفی بالله شھیدا o محمد رسول الله ط والذین معه اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم ترھم رکعا سجدا قف یبتغون فضلا من الله ورضوانا ز سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ط ذلک مثلھم فی التورٰة ج صلے و مثلھم فی الانجیل ج کزرع اخرج شطاه فازره فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ لھم الکفار ط وعد الله الذین امنوا وعملوا الصلحت منھم مغفرة و اجرا عظیما o ع: (۴۸/۴)

(۲۷۸) (لوگو! تمہارا پروردگار) وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو (خالص اپنی طرف سے) خاص الخاص ہدایت اور (صحیفہ فطرت کا) برحق دین دے کر **صرف اس غرض و غایت کے لئے** بھیجا کہ وہ دین باقی سب دینوں پر (اسی طرح) غالب آجائے (جس طرح کہ ہر باطل پر سچائی غالب آجاتی ہے) اور اس امر کے لئے (کہ یہ خدا کا دین کیونکر باطل پر غالب آجائیگا) خدا کا گواہ ہونا کافی ہے۔ (لوگو! یاد رکھو کہ) **محمدؐ** خدائے عالمیان کی طرف سے بھیجا ہوا شخص ہے اور جو لوگ (اس کے دین کو صحیح معنوں میں ترقی کے فلک الافلاک تک لے جانے والا دین سمجھ کر) اس کے ساتھ ہو چکے ہیں (وہ اس عظیم الشان عزم اور استقلال کے مالک ہیں کہ) ان لوگوں پر جو خدا کے (قانون اور صحیفہ فطرت کے) منکر ہیں انتہائی طور پر سخت ہیں (اور ان کو مٹا کر رہیں گے) (اور سی طرح) وہ آپس میں انتہائی طور پر رحم دل

☆ جب حق صرف صحیفہ فطرت ہے تو دین الحق بھی دین صحیفہ فطرت یا دین فطرت ہوا۔ ھدیٰ اور دین الحق کے متعلق دیکھو حریم غیب صفحہ ۹۴ تا ۹۹ اور حدیث القران کا خلاصہ صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۷)

ہیں (کیونکہ ان سب کا منتہائے نظر ایک ہے)۔تُو اُن کو دیکھ رہا ہے کہ وہ (خدا کے ہر حکم پر)
تن بہ تسلیم اور سر بسجود ہیں۔ وہ (خدا سے ایک ہی چیز کی) تجسّس اور تلاش میں ہیں اور وہ اللہ
کی طرف سے (قوم پر) دنیاوی انعامات کی بارش اور (بطور فضلِ خدا کی وجہ کے) اللہ کی
خوشنودی ہے۔ان کی علامت یہ ہے کہ ان کے چہروں سے ہی تسلیم کے آثار عیاں ہیں۔یہی
ان کی وہ تصویر تھی جو تورات میں بیان کردی گئی تھی اور یہی ان کی نشانی انجیل میں واضح ہے۔
یہ وہ عظیم الشان لوگ ہیں جو) مثل ایک کھیتی کے ہیں جس نے (پہلے) اپنی (چھوٹی سی)
کونپل نکالی پھر اس کو طاقتور کردیا، پھر وہ موٹی ہوتی گئی، پھر اپنی ڈنڈی پر خوب قائم ہوگئی اور
کسانوں کو (جنہوں نے بیج بویا تھا) خوش کرنے لگی تاکہ منکر لوگ ان کو دیکھ کر (سخت ترین)
غصّے میں آجائیں۔ (یاد رکھو کہ) اللہ ان میں سے ایمان والی قوم سے جنہوں نے (خدا کے
منتہا کو سامنے رکھ کر) مناسب اعمال کئے ان کی داماندگیوں پر پردہ پوشی کا وعدہ کر رکھا ہے)
اور (اس کے علاوہ) ایک بہت بڑے عظیم الشان اجر کا وعدہ (جو بادشاہت زمین کی صورت
میں ہوگا)۔ (تورات اور انجیل کے ذکر سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں
بھی ایمان اور عمل صالح کے یہی اوصاف تھے)۔

(۲۷۲) سے لیکر (۲۷۸) تک کی آیتوں کو جو اس جگہ درجہ بہ درجہ پیش کی گئی ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں ایک حیرت انگیز وحدتِ مقصد نظر آئے گا جو ہر صاحب نظر کو قرانِ حکیم کے انتہائی طور پر عمیق اور بلیغ ہونے کا یقین دلا دے گا۔ (۲۷۲) میں صاف طور پر عیاں کر دیا ہے کہ خدا کے بارے میں علم کے بغیر ٹامک ٹوئیے مارنا کہ خدا یوں ہے، ایسا ہے ویسا ہے، یہ چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے، یہ اس کی مرضی ہے، فلاں شے اس کی مرضی کے خلاف ہے، وغیرہ وغیرہ سب عبث ہے، گمراہی ہے، قوم کو جہنّم میں پھینکنا ہے۔ خدا کو سمجھنا چاہتے ہو تو آنکھ اور کان اور ذہن کے ذریعے سے علم حاصل کرو اور اس کی بنائی ہوئی فطرت کو دیکھو۔

اُس روشن کتاب (کتٰب منیر) کا مطالعہ بہ چشم خود کرو جو تمہارے سامنے ہے یا اُس کتاب وحی سے ''ھدیٰ'' حاصل کرو جو پیغمبروں کے ذریعے سے بھیجی گئی۔ (۲۷۳) کی دونوں آیتوں میں زمین اور آسمانوں کی لا انتہا اور حیران کن مخلوق کی پیدائش، خدا کی لازوال حکومت اور اٹل قانون کے رائج ہونے کا ذکر کر کے دونوں جگہ صاف کہہ دیا ہے کہ یہ صحیفہ فطرت میں بار بار مخلوق کا پیدا ہونا ہی اس واحد غرض کے لئے ہے کہ ایمان اور عمل صالح والی قوم کو اس کے حسنِ عمل کا انعام پورے طور پر دیا جائے، اُس فطرت کی ''آیات'' کو سچ جاننے والی قوم کو بادشاہت اور غلبہ دے کر باعزّت کر دیا جائے۔ (فی روضۃ یحبرون) بلکہ ''آخرت'' میں خدا سے ملاقات کی امید پیدا کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ (۲۷۴) کی پہلی آیت میں پھر وہی یــجــزی کے الفاظ ہیں جو (۲۷۳) کی پہلی آیت میں آئے ہیں لیکن یہاں مـن فضلہ کا ذکر ہے جس کا یقینی مفہوم دنیاوی خوشحالی ہے۔ (۲۷۴) کی دوسری آیت میں امنوا بالباطل و کفروا باللہ کے الفاظ سے صاف ثابت ہے کہ یہ اشارہ صرف صحیفہ فطرت کو باطل سمجھنے کا ہے: (دیکھو ۱۳۲۔ اوب صفحہ ۷۰، ۷۱) اور خســرون کے الفاظ سے ثابت ہے کہ یہ گھاٹا بھی صرف دنیاوی گھاٹا ہے۔ آگے چل کر عذاب بھی جو گمراہ قوم کو ملے گا خالص دنیاوی ہے۔ پھر اس عذاب کی تصویر کھینچنے کے بعد ایمان والی قوم سے جو ''اپیل'' کی گئی ہے یہ ہے کہ ''یہ میری زمین بڑی ہی وسیع ہے'' گویا اس میں بے شمار انعامات ہیں جو میرے قانون کی پابندی اور میری ہی ''عبادت'' یعنی ملازمت اختیار کرنے سے مل سکتے ہیں: (فایای فاعبدون)۔ پھر کہا کہ ایمان اور عمل صالح والی قوم کو ہی ان باغوں کی بادشاہت ملے گی جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہونگے اور صاف کہہ دیا کہ سعی و عمل کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے (فنعم اجر العاملین) اس سعی و عمل کی مزید تشریح کر دی ہے کہ اس قوم میں تلاش فطرت کے بارے میں پورا استقلال ہو: (الذین صبروا). (اس صبروا کا مقابلہ (۲۵۷) کے تواصوا بالصبر ☆ سے کرو) اور پھر خدا پر پورا بھروسہ ہو کہ جو کچھ ملے گا اسی فطرت کی جانچ پڑتال اور اسی وسیع زمین کی تلاش و تفتیش کے بعد ملے گا۔ یہ تمام باتیں آج حرف بحرف دنیا کی ہر زندہ قوم کر رہی ہے اور اس کا اجر اپنے پروردگار سے نقدا نقد پا رہی ہے۔ اُدھر عمل صالح کو تسبیحوں کی ہیر پھیر اور نمازوں کے سجدے سمجھنا اور اُدھر جزا و اجر کو ''آخرت'' کا نسیہ سمجھ کر خوش رہنا وہ آشوب ذہن ہے جو مسلمانوں میں زوال کے بعد پیدا ہوا۔ قران کے مولویانہ معنی کر کے خدا کی ایات بینات کو بے معنی اور مضحکہ انگیز کر دینا وہ عظیم الشان گناہ ہے جس کی پھٹکار آج مسلمانوں کی تمام قوم پر پڑ رہی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان بیہودہ معنوں کی وجہ سے تمام دین اسلام سکون اور زوال کا

☆ وتواصوا بالحق وتواصوبالصبر کے الفاظ سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حقیقت پر جم جاؤ اور پھر پورا استقلال ہو۔

مذہب بن چکا ہے۔ فتدبّر۔

(۵ ۲۷) کی آیات بار بار سورۂ سجدہ کی تشریح کے ضمن میں حدیث القران میں آ چکی ہیں (مثلاً دیکھو (۱۳۰) صفحہ ۳۲۴/ ۶۸)۔ یہاں پھر ان آیات کے دھرانے کا موقع اس لئے ہے کہ (۲۷۳)۔۲ کے اخیر میں کذبوا بایٰتنا اور (۵ ۲۷) کے شروع میں یومن بایٰتنا کے الفاظ ہیں اور ساتھ ہی اِنَّمَا (یعنی صرف) کا لفظ ہے جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا میں وہ واحد قوم کون ہے جو خدا کی (صحیفہ فطرت کی) ''آیتوں'' پر صحیح معنوں میں ایمان لاتی ہے۔ (۵ ۲۷) کی پہلی آیت میں اگر انتہائی غور سے دیکھا جائے تو قریباً وہی مضمون ہے جو آیہ (۳۷) (صفحہ ۲۸۳/ ۲۷) میں ہے۔ وہاں یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلے جنوبھم ہے یعنی صاحب دانش و بینش وہ لوگ ہیں جو صحیفہ فطرت پر کھڑے بیٹھے اور لیٹے غور کر کے گویا ''اللہ کو یاد'' کر رہے ہیں اور فطرت کی حیران کن اشیا کی تلاش و تفتیش کرتے کرتے بزبان حال پکار اٹھتے ہیں کہ اے پروردگار عالم! تُو نے اس کارخانہ فطرت کو باطل ہرگز نہیں بنایا (ربنا ماخلقت ھذا باطلاً) یہاں یعنی (۵ ۲۷) کی پہلی دو آیتوں میں بھی جنوبھم اور ذکر کے الفاظ ہیں لیکن کہا ہے کہ وہ خدا کی ''آیتوں'' کو ''یاد'' کر کے بزبان حال سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ گویا جب وہ صحیفہ فطرت کی تلاش کے دوران میں عجیب و غریب ایجادوں سے دوچار ہوتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں کہ خدا نے اس فطرت کے اندر کیا کیا ممکنات رکھی ہیں☆ اسی لئے خدائے عظیم نے (۵ ۲۷) کی اگلی آیتوں میں صاف کھول دیا کہ

☆ اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب واقعہ جو کیمبرج یونیورسٹی میں میرے ساتھ ۱۹۰۹ء میں ہوا یہاں پر بیان کرنے کے لائق ہے۔ میں ۱۹۰۷ء میں کیمبرج میں داخل ہوا اور ایک سال ہی میں میں یونیورسٹی کے تمام کالجوں کے ریاضی کے آزمائشی امتحان میں اوّل رہا۔ میری عمر بھی اس وقت ۱۹ سال تھی اور میں نمایاں ہونے کی وجہ سے شوخ ترین طالب علموں میں سے تھا۔ کیمبرج میں دستور ہے کہ وہاں کے کسی پروفیسر سے طالب علم بالعموم کلام نہیں کرتے کیونکہ یہ لوگ اپنی ایجادات میں محو رہتے ہیں اور اُن کی دنیا ہی کچھ اور ہے۔ ایک روز میں نے اتوار کے دن ایک بہت بڑے نامور پروفیسر کو بازار میں دیکھا کہ معمولی سے کپڑوں میں انجیل اور چھتری دونوں بغلوں میں دبائے آ رہا ہے حالانکہ اُس وقت سخت بارش ہو رہی تھی۔ اپنی شوخی کی وجہ سے جھٹ اس کو سلام کیا۔ پروفیسر نے مسکرا کر جواب دیا تو شیر ہو گیا اور اس سے انتہائی گستاخی کر کے پوچھا کہ ''جناب! آپ تو دنیا کے مشہور ترین عالم ہیں آپ انجیل پر کیسے یقین کرتے ہیں'' پروفیسر یہ کہہ کر چل دیا کہ ''جمعرات کے دن میرے مکان پر آؤ۔'' میں نے اپنے تمام ہم جماعتوں میں ہنگامہ مچا دیا کہ دیکھو پروفیسر نے مجھے مکان پر بلایا ہے۔ وہ یقین نہ کرتے تھے۔ جمعرات کے دن ایک شریر جماعتی (جو انگریز تھا) میرے ساتھ ہو گیا کہ چلو تمہارے جھوٹ کو آزمائیں۔ ٹھیک چار بجے ہم پروفیسر کے مکان پر پہنچے تو عین اس وقت اس کے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک عورت میرا نام پوچھ کر مجھے اندر لے گئی۔ میرا ساتھی یہ منظر دیکھ کر بھاگ گیا۔ پروفیسر نے نہایت محبّت آمیز لہجے میں مجھے چائے پیش کی۔ پھر کہا تمہارے سوال کا جواب دینے کیلئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔ میں اس تمام واقعے سے پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ میں نے معذرت کی اور کہا کہ بڑا گستاخانہ سوال تھا جو میں نے کیا۔ الغرض ایک گھنٹہ تک اس نے مجھے سمجھایا کہ یہ صحیفہ فطرت کیا ہے۔ ہم اس کی تلاش میں کس قدر محو ہیں، ہم اس کے اندر کیا کیا عظیم الشان باتیں دیکھ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں اس نے یہ الفاظ بعینہ کہے کہ ''میں تم کو اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب سے میں صحیفہ فطرت کی تلاش میں لگا ہوں میرے بدن کے رونگٹے خدا کے خوف سے ہر دم کھڑے رہتے ہیں''ا۔ میں حیران رہ گیا کیونکہ ہمارے ہندوستان کے سائنس پڑھے ہوئے ''نیم حکیم'' پروفیسر تو اکثر خدا کے منکر ہوتے ہیں الغرض ان الفاظ کو جب دو سال بعد ۱۹۱۱ء میں اسی کیمبرج کی یونیورسٹی میں عربی کا امتحان دیتے ہوئے قران حکیم میں پڑھا اور انما یخشی اللہ من عبادہ العلموء اور تقشعر منہ جلودھم کے لفظوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ عُلما مولوی لوگ نہیں بلکہ یہ عالم ہیں جنھوں نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا رکھا ہے۔ اس وقت سے قران کی عظمت میرے دل میں بیٹھتی گئی اور یہ واقعہ قران حکیم کے متعلق روشنی کی پہلی کھڑکی تھی جو مجھ پر اتفاقاً کھلی ورنہ میں سائنس پڑھ کر قران سے بالکل محروم رہتا۔

کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس صحیفہ فطرت کے اندر کیا کیا ''آنکھوں کی ٹھنڈکیں'' یعنی ایجادیں موجود ہیں اس سے اگلی آیت میں **مومن** اور **فاسق** کا بعینہٖ اُسی طرح مقابلہ کیا ہے جس طرح کہ آیہ (۱۳۲)(ل)(صفحہ ۳۲۶/۰۷) میں **متّقین** اور **فجّار** کا کیا ہے اور **امنوا وعملوا الصلحت** کے الفاظ بھی دونوں جگہ موجود ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ یہاں سب بات صحیفہ فطرت کی ''آیات'' کے متعلق ہی ہو رہی ہے وہ مولویانہ بات ہرگز نہیں کہ جب قران کی کوئی آیت تلاوت کرو تو سجدے میں جُھک جاؤ اور مولویانہ چہرے بنا کر الحمدللہ پڑھ دیا کرو!

(۲۷۶) میں حیرت انگیز طور پر ان تمام باتوں کی تائید مزید ہوتی ہے جو (۲۷۲) سے (۲۷۵) تک کی آیات کے متعلق اوپر کی گئیں ان آیات کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے:۔

فلا اقسم بالشفق ۝لا والیل وما وسق ۝ لاو القمر اذا اتسق ۝ لالترکبن طبقا عن طبق۝ط فمالھم لا یومنون۝ لاواذا قرئ علیھم القران لا یسجدون۝: (۸۴/۱)

ترجمہ: تو (خبردار ہوجاؤ کہ) میں (اس سرخی کی) شہادت دے کر کہتا ہوں (جو دن کے اختتام پر) شفق کی (صورت میں نمودار ہوتی ہے) اور (پھر اس سرخی شفق کے بعد اُس) رات کی شہادت دیتا ہوں اور (ان سب اشیا کو) جن پر وہ چھا جاتی ہے اور چاند کی شہادت دیتا ہوں جب وہ (آہستہ آہستہ باریک دھاری سے بڑھ کر) پورا چاند بن جاتا ہے کہ تم (انسان) ضرور ایک درجہ (پیدائش) سے دوسرے درجہ (پیدائش) تک (اُسی طرح) چڑھتے جاؤ گے (جس طرح کہ زوالِ آفتاب کے بعد شفق، شفق کے بعد رات اور رات کے بعد چودھویں رات کا پورا چاند نمودار ہوتا ہے اور روشنی کمال کو پہنچ جاتی ہے!) تو کیا ہوگیا ہے ان لوگوں کو کہ وہ (انسان کے اس حیرت انگیز ارتقا پر) ایمان نہیں لاتے اور جب ان کو قران (عظیم کی یہ حوصلہ افزا حقیقتیں) پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں نہیں جاتے (یعنی ان کو تسلیم نہیں کرتے) وغیرہ وغیرہ۔

الغرض (۲۷۶) کی آیتوں میں واضح طور پر بتلا دیا کہ انسان کا ایک طبقے سے دوسرے طبقے پر ارتقا ہو کر رہے گا اور یہ ارتقا چاند کی طرح مکمل ہوگا۔ ایمان اور عمل صالح والی قومیں ہی اس ارتقا سے فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو بلا کم و کاست مزدوری ملے گی۔

ان تمام آیتوں سے جو (۲۷۲) سے لے کر (۲۷۶) تک دی گئی ہیں ایک غائر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ قران حکیم کا **امنوا وعملوا الصلحت** ایک طول وطویل اور جان کاہ عمل اُن قوموں کا ہے جو **تواصوا بالحق** اور **تواصوا بالصبر** (دیکھو (۲۵۷) کرتی رہیں گویا جنھوں نے اس دنیا کی واحد حقیقت (یعنی صحیفہ فطرت) کو جم کر پکڑ لیا اور پھر اس حقیقت تک پہنچنے کے لئے جم کر استقلال سے

عمل کیا۔ یہی شے (۲۵۹) ا۔ میں ہے جہاں **حق** کے لفظ کے ساتھ **باطل** کے لفظ کو بھی دہرایا ہے اُدھر **باطل** کے متعلق صاف طور پر کہہ دیا کہ جس نے کارخانہ زمین و آسمان کو **باطل** سمجھا وہ کافر ہے، **مفسد فی الارض** ہے، متقی نہیں ہوسکتا: (۲۵۶)۔ اسی وجہ سے سورۂ عصر میں صاف کہہ دیا کہ انسان گھاٹے میں رہیگا مگر وہ قومیں جو صاحب ایمان اور صاحب عمل صالح ہیں: (۲۵۷)۔ اسی وجہ سے زمین کے اوپر کی سب اشیا کو باعث زینت زمین کہہ کر اس زینت دینے کے عمل کو ''حسنِ عمل'' کہا: (۲۶۷)۔ اسی وجہ سے داؤد علیہ السلام کی زرہوں کی صنعت وغیرہ کو ''**عمل صالح**'' سے تعبیر کیا: (۲۶۸)۔ اسی صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش کے باعث سلیمان علیہ السلام کے متعلق کہا کہ ان کو **علم** اور **حکم** دیا گیا: (۲۶۹)۔ ا۔ داؤد علیہ السلام کے متعلق **علم** اور **فضل** کے الفاظ استعمال کئے: (۲۶۹) ۲۔ لوطؑ کے متعلق حکم، علم، رحمۃ، صالح کے لفظ استعمال کئے۔ (۲۶۹) ۳۔ اسحٰق، یعقوبؑ، اسمٰعیلؑ، ادریسؑ، ذالکفلؑ، سلیمانؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق صالحین کے لفظ استعمال کئے: (۲۶۹) ۴ تا ۷، نیز (۲۷۱) وغیرہ وغیرہ۔ الغرض ان تمام آیات پر ایک نظر دوڑا کر قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ قران حکیم میں صالحیّت کیا ہے اور **امنوا و عملوا الصلحت** والی قوموں کے کیا عمل ہونے چاہئیں۔ صرف (۲۶۴) تا (۲۶۶) والی آیتوں کو پکڑ کر اس سے مولویانہ نتیجے اخذ کر لینا کہ صالحیّت صرف نماز روزے اور زکوٰۃ اور تسبیح خوانی کا نام ہے قران حکیم کے ساتھ صریحاً بددیانتی کرنا ہے۔

قران حکیم کے متعلق ایک مشہور حدیث ہے: **لکل ایت منھا ظھر و بطن و لکل حد مطلع** یعنی قران کی ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ہر ایک کی ایک حد مخصوص ہے۔ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر جو حیرت انگیز تطابق اُن صدہا آیتوں میں جو حدیث القران میں درجہ بدرجہ اور مضمون وار پیش کی گئیں۔ اور جو قران حکیم میں دُور دُور مختلف جگہوں اور سورتوں میں بکھری پڑی ہیں اب تک بطناً ظاہر ہوا ہے اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قران حکیم کا ایک ایک لفظ جامع اور مانع ہے۔ ہر لفظ ہر اصطلاح، ہر بیان کے ایک مستقل اور معیّن معنی ہیں اور اسی لئے کہ ہر قرانی اصطلاح (مثلاً ایمان، کفر، فسق، عمل صالح، شرک، وغیرہ وغیرہ) ایک مستقل معنی رکھتی ہے اور وہ مستقل معنی قران کو ظاہرا طور پر پڑھتے وقت قاری کے ذہن میں پورے طور پر نہیں ہوتے، قران کو پڑھنے والا صرف اُس آیت کے ظاہری معنی لے لیتا ہے اور وہ جامع اور مانع معنی جو قران کو مکمّل طور پر پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ جن

کے باعث قران کے کسی محاکے کی دلیل روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے نظر انداز کر دیتا ہے۔اسی ظاہری معنی لے لینے کی وجہ سے قران حکیم کی اکثر آیتیں بے ربط دکھائی دیتی ہیں۔ایک آیت کا جوڑ اگلی آیت سے، بلکہ آیت کے ایک حصّے کا جوڑ اس کے دوسرے حصّے سے پورے طور پر نہیں ہوتا اور قران حکیم صرف پریشان خیالات کا مجموعہ نظر آتا ہے۔اس عنوان کے تحت میں شروع کی تمام آیتیں (۲۵۶) تا (۲۵۹) میرے اس دعوے کی روشن دلیل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کے وقت کے مفسّروں نے قران حکیم کی آیتوں کے صرف ظاہری معنی کر دیئے اور ان باطنی معنوں سے جو قران کے حقیقی مصنف عزّوجلّ کے ذہن میں قران حکیم کی تصنیف کے وقت تھے عوام کو قطعی طور پر بے خبر کر دیا۔

مذکورہ بالا تصریحات کو جو میں نے اس عنوان کے تحت میں **امنوا وعملوا الصلحت** کا قرانی اور الٰہی مفہوم پیش کرنے کے بارے میں کیں، اوپر کی حدیث کی روشنی میں دیکھ کر جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے یہ ہے کہ **امنوا** اور **عملوا الصلحت** کی مصداق وہی قومیں ہیں جو اس دنیا کی تمام باطل اور بے حقیقت باتوں کو یکسر چھوڑ کر صرف **حق** اور **حقیقت** کی طرف لگی ہیں، صبر اور استقلال ان کا خاصّہ ہے، فطرت پر کامل ایمان و یقین کرنا ان کی ذہنی خصوصیّت ہے، ''توکل'' ان کے یقین کا طغرائے امتیاز ہے، **خٰسـریـن** یعنی گھاٹا کھانے والوں میں سے نہ ہونا ان کا دائمی طریق عمل ہے، **جنّٰت** زمین کا بدرجہ اتّم مالک ہونا، **حُکم** اور **علم** رکھنا، فضل خدا کی تلاش میں لگے رہنا، آخرت میں خدا سے دوبدو ملاقات کی کامل توقع رکھنا، فطرت کی کتاب مُنیر کو سامنے رکھ کر خدا کی ماہیّت کو پیہم سمجھتے رہنا اور سب سے زیادہ یہ کہ چاند کی طرح آہستہ آہستہ بڑھ کر چودھویں رات کے چاند کی طرح مکمّل ہوتے جانا بلکہ بالآخر پیدائش کے ایک ادنیٰ درجے سے لے کر اعلیٰ درجہ کی طرف چڑھتے جانا اُن کا وہ دستور العمل ہے جس سے ایک لحہ ان کو فرصت نہیں ملتی۔یہی ہیجان ان کے دلوں کو ہر وقت گرمائے رکھتا ہے۔اسی ہیجان کے باعث ایسی صاحب ایمان اور صاحب اعمال صالح قوموں کے چہروں سے خدا کے قانون اور خدا کی بنائی ہوئی فطرت کو تسلیم کر لینے کی تڑپ صاف نظر آتی ہے، ان کی حیثیت تمام دنیا کی قوموں میں ایک ممتاز حیثیّت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جر ربّانی اصطلاح میں سرور کائنات اور ختم رسل **محمد**ؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیرو اور اُن کی اُمّت ہیں۔آج کل کے مسلمان کو سوچنا چاہیے کہ ختم رسل محمدؐ ان کو کب اپنی امت تسلیم کریگا!

اب اس تشریح کو پیش نظر رکھ کر (۲۷۸) کے مضمون پر غور کرو۔اس میں خدا نے اپنے رسولؐ

کوھدیٰ اور دین الحق (یعنی دین فطرت) دے کر بھیجنے کی واحد غرض یہ بیان کی ہے کہ وہ دین انسان کے تمام بنائے ہوئے دینوں پر **غالب** آ کر رہے۔ گویا یہ طریقہ جو **محمد** مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو دیا عالمگیر ہو جائے اور نسل انسانی کی کسی قوم کو اس کے بغیر چارہ نہ رہے۔ پھر کہا ہے کہ اس بات کی نگرانی کے لئے کہ خدا کا بھیجا ہوا دین کیونکر عالمگیر ہوگا خدا خود کافی ہے (دوسرے لفظوں میں یہ کہ اگر کوئی قوم اس دین کو اختیار نہ کرے گی تو خود سزا بھگتے گی) پھر دعویٰ کیا ہے کہ **محمد**ؐ خدا کا بھیجا ہوا پیغامبر نسل انسانی کی طرف ہے اور جو لوگ اس کے ہمنوا ہو گئے ہیں وہ خدا کے قانون اور اس کے بنائے ہوئے صحیفہ فطرت سے منکر لوگوں کے حق میں اس قدر سخت ہیں کہ وہ ان کو دنیا سے نیست و نابود کر دینے کا عزم کر چکے ہیں، وہ آپس میں کامل طور پر متحد ہیں کیونکہ ان کی غرض دشمن کو تہس نہس کر دینا اور صرف دین فطرت کو قائم کرنا ہے۔ (یہی شروع شروع کے مسلمانوں نے قرنوں تک کیا اور مُلک کے مُلک آنکھ کی جھپک میں فتح کرتے گئے) پھر کہا تُو ان کو دیکھے گا کہ وہ صحیفہ فطرت کی ''آیتوں'' کو دیکھ کر ''سجدے'' اور ''رکوع'' کرتے ہیں (اس کے لئے دیکھو (۲۷۵) کا اسی طرح کا خروا سجداً والا مضمون جس میں لکھا ہے کہ جب ان کے سامنے وہ آیات آ جاتی ہے تو لڑکھڑا کر گر پڑتے ہیں اور حمد رب کے ''ترانے'' گاتے ہیں اور ''تسبیحیں'' پڑھتے ہیں ☆ وہ صحیفہ فطرت کو لاشے سمجھ کر اکڑتے نہیں، ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور وہ اپنے پروردگار کو سزا کے خوف سے اور انعام کی طمع سے ''بلاتے'' ہیں وغیرہ وغیرہ۔ نیز دیکھو (۳۷) (صفحہ ۲۸۳/ ۲۷) کا مضمون جس میں پھر **یذکرون اللہ** یعنی ''ذکر خدا'' کی تشریح یہ کی ہے کہ وہ **یتفکرون فی خلق السموات والارض** یعنی صحیفہ فطرت پر غور و خوض اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے کرتے رہتے ہیں اور بہ زبان حال پکار اٹھتے ہیں کہ خدایا! تُو نے اس کارخانے کو باطل اور بے معنی نہیں بنایا، اس کے بنانے میں ضرور کوئی مقصد ہے، وغیرہ وغیرہ)۔ پھر خدا کہتا ہے کہ تُو ان **محمد**ؐ کے پیروؤں کو دیکھے گا کہ وہ صحیفہ فطرت کی آیتوں کو دیکھ کر سجدے میں لڑکھڑا کر گر پڑتے ہیں اور اُنکی ایک ہی دُھن ہے کہ وہ اللہ سے تمام قوموں پر **فضیلت** اور برتری چاہتے ہیں: (**یبتغون فضلاً من اللہ**) اور یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح خدا راضی ہو جائے کہ ہم **محمد**ؐ کے دین کو لے کر اُسی مقصد کی طرف جا رہے ہیں جو خدا کا مقصد ہے۔ پھر کہا ہے کہ ان لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہروں سے اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نقش ظاہر ہے۔ اس سے مولوی صاحبان کے پیشانیوں کے

☆ (حالانکہ رسول خدا صلعم نے تمام عمر کبھی تسبیح ہاتھ میں نہیں لی اور نہ ان کے کسی امّتی نے قرن اوّل میں۔ دانوں والی تسبیح کا رواج صرف زوال یافتہ یہودیوں میں اس وقت تھا)۔

گٹے مراد لے لینا قران عظیم کی توہین ہے اور وہی اوپر کی حدیث والی بات ہوئی کہ قران کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک اس کا باطن ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ محمدؐ کے پیروؤں کی ایک خصوصیّت یہ ہے کہ ان کے چہروں سے (فی وجوھھم) (نہ کہ ماتھوں سے جیسا کہ مولوی صاحبان اپنے ماتھوں پر سجدوں کے نشان رگڑ رگڑ کر ڈال لیتے ہیں اور ''مومن'' بننا چاہتے ہیں!) ہاں ہاں! ان کے چہروں سے (یعنی ان کے حُلیے سے بلکہ ان کے روز وشب کے عمل سے) ہی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس صحیفہ فطرت کے دین کو اپنا راہنما ہمیشہ کیلئے تسلیم کر چکے ہیں۔

رسول خدا کے پیروؤں کی یہ نشانیاں بیان کرنے کے بعد خدا نے معاملے کو اَور واضح کرنے کے لئے کہہ دیا کہ یہی ان لوگوں کی تصویر (ذالک مثلھم) تورات میں ہے اور یہی انجیل میں۔ اس تشریح سے مفسّروں اور مولوی صاحبان کے ''پیشانیوں کے گٹوں'' کا بھانڈا پھوٹ گیا کیونکہ تورات اور انجیل میں تو کہیں محمدیؐ نماز کے رکوع سجود کا ذکر تک نہیں اور نہ ان کی نمازیں مسلمانوں کی نمازوں سے کسی رُکن میں ملتی جُلتی تھیں۔ خدا کے اس کہنے سے کہ محمد صلعم کے پیروؤں کے یہی وصف تورات اور انجیل میں لکھے ہیں، مراد یہ تھی کہ خدا کے دین کے علمبردار ہمیشہ سے اسی قطع کے چلے آئے ہیں، ان کا طغرائے امتیاز قانونِ خدا کو تسلیم کرنا ہے۔ خدا کی عظمت صحیفہ فطرت کی عظمت، اللہ کے قانون کے اٹل ہونے کی عظمت ان کے ہر فعل سے نمایاں ہے، وہ رات دن اس دُھن میں ہیں کہ وہ عمل کئے جائیں جن سے ابتغائے فضل ہو یعنی قوم فضیلت کے ایک درجے سے دوسرے درجے پر بڑھتی جائے، ایک ملک کو فتح کیا تو دوسرے ملک کو فتح کرنے کی فکر ہو۔ اگر خدا کا قانون یہ ہے کہ جان دو تو جان دے دی جائے۔ اگر ضرورت اس کی پڑ رہی ہے کہ سب مال قوم کی بہتری کے لئے قربان کر دیا جائے تو اس میں مضائقہ نہ ہو، اگر اقتضائے وقت یہ ہے کے ہجرت کی جائے تو کر دی جائے، اگر قوم بلند اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ بڑی بڑی ایجادیں کی جائیں تو حضرت سلیمانؑ کی طرح ہَوا کو مسخّر کیا جائے، حضرت داؤدؑ کی طرح زرہیں بنائی جائیں، یا اگر تقاضائے وقت اس طرح پر ہو کہ ایٹم بم بنایا جائے، یا چاند کی سرزمین تک پہنچا جائے (یا کوہ ہمالیہ کی چوٹی ایورسٹ کو سر کیا جائے☆) تو یہ سب چیزیں کی جائیں کیونکہ یہ سب **دین الحق** ہے! دین محمدؐ ہے، دین خدا ہے! وغیرہ وغیرہ، مزا یہ ہے کہ دین محمدؐ اب تورات اور انجیل والوں نے بھی پھر اختیار کر لیا ہے اور محمدؐ کا نام لینے والے محمدیؐ اپنی پیشانیوں پر نماز کے رَرے گٹے ڈال کر خدا کے دردناک عذابوں سے دوچار ہو رہے ہیں۔ محمدؐ کے دین کو اصلی طور پر غالب کرنے والے مدینہ، دمشق، جبل الطارق اور بغداد چھوڑ کر لندن اور نیویارک

☆ یہ الفاظ بعد میں جولائی ۱۹۵۳ء میں بڑھا دیئے گئے۔

میں بیٹھے ہیں! آہ! یہ کیا دِلخراش منظر ہے! کیا منظر ہے کہ مسلمانوں کے پاس صرف قرآن کے ورق رہ گئے ہیں اَور وحی جو درحقیقت قوموں کے سینوں میں ہوا کرتی ہے انگریزوں اور امریکنوں کے ملک میں پہنچ چکی ہے۔ پھر آخر میں انہی دینِ محمدؐ کے علمبرداروں کے متعلق وہ حیرت انگیز تصویر پیش کر دی جو آج ہر زندہ قوم پر راست آتی ہے۔ کہا کہ محمدؐ کے پیرو ایک کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنی چھوٹی سی کونپل شروع شروع میں نکالی پھر وہ کونپل جھٹ پٹ مضبوط ہوتی گئی پھر موٹی ہوگئی، پھر یک لخت اپنی ڈنڈی پر جم کر کھڑی ہوگئی، پھر وہ اتنی تناور اور شاندار ہوئی کہ خود کھیتی باڑی کرنے والے حیران ہیں کہ اس قدر جلد سروقد کیونکر ہوئی اور تم محمدؐ کے آج کل کے رسمی پیرو اپنی انگلیاں منہ میں لے لیکر مارے غصّے کے کاٹ رہے ہو! پھر کہا کہ ایمان اور عمل صالح والی قوم کو خدا کا اس دنیا میں اجرِ عظیم کا وعدہ ہے اور یہ بھی وعدہ ہے کہ تھوڑی بہت غلطیاں جو ان سے ہوا کرینگی ان پر پردہ پوشی بھی کافی فیاضی سے ہوا کرے گی۔

الغرض رسمی مسلمان کے لیے زوال کے اس **آخری مرحلے** پر بھی سوچنے کا مقام ہے کہ قرآن کا ایمان اور عمل صالح کیا ہے۔ قرآن حکیم میں افتؤمنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعض ط :(۱۰/۲) کا عام محاکمہ ہے۔ یعنی کیا تم قرآن کے ایک حصّے پر ایمان لاؤ گے اور دوسرے حصّے کے منکر ہوگے اور ایسا کرنے والے کیلئے دنیا اور آخرت میں رسوائی لکھی ہے۔ اس لئے ایمان اور عمل صالح کے مفہوم کا فیصلہ جب تک تمام آیات پیش نظر نہ ہوں، ہرگز نہیں ہوسکتا۔ آج ۱۹ جون ۱۹۵۱ء کی تاریخ ہے، تیرھواں روزہ ہے اور میں نے ۳۰ مئی سے حدیث القرآن کو شروع کر کے ان بیس دنوں میں یہ تصنیف اس موضوع تک جو امنوا وعملوا الصلحت کا تھا ختم کی ہے۔ میرے پاس قید کی کوٹھری میں جس کی دیواریں بھی پرانی ہو جانے اور مسلسل دھوئیں سے سیاہ ہوگئی ہیں اور جس کے محراب اور دیواریں زلزلوں اور آندھیوں کی وجہ سے پھٹے ہوئے ہیں، سوائے ایک بلا ترجمہ نُسخہ قرآن کے کوئی شے موجود نہیں۔ ایک ناکارہ سی پنسل اور بازار کے سودے کی پُڑیوں کے جمع کردہ چیتھڑے ہیں جن پر یہ الفاظ نہایت باریک لکھ رہا ہوں۔ سخت نقاہت، انتہائی تپش اور ریت کے طوفانوں میں خدا کے قرآن کو بیان کرنے کی وہ آمد ہے کہ حیران ہوں۔ پچھلے تین ہفتوں سے سفید کاغذ ملنے کی تھوڑی سی آسانی ہوئی اور قلم کی آمد بھی تیز ہوگئی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ مختصر یہ کہ ایمان اور عمل صالح کی حقیقت مسلمان کو اب کئی سو سالوں کے انحطاط کے بعد پھر سمجھانی ''طومارِ قلم'' کا کام نہیں رہا۔ ۸ مئی کو ابھی چند دن ہوئے میں نے

قران حکیم کے متعلق اسی ''الہام'' کے جوش میں لکھا تھا:۔

طومارِ قلم سیفِ صف اہل زوال ست در دین عمرؓ رومؔی و رازؔی بچہ ارزند☆

لکھا تھا کہ وہ قلم کا طومار اور ہزار ہا صفحوں میں قرآن حکیم کی تفسیریں جو رومؔی اور رازؔی نے پیدا کیں وہ صرف زوال شدہ مسلمانوں کی صفوں کی تلواریں تھیں جو وہ اپنے اپنے زمانوں میں چلا کر ختم ہو گئے اور کچھ نتیجہ پیدا نہ ہوا۔لیکن اصل اسلام اور دین محمدؐ جس کا ذکر **امنوا و عملوا الصلحت** کے اس عنوان میں ہو رہا ہے وہ دین عمرؓ تھا جس نے صرف بارہ برس کی مدّت میں (یعنی فاروقؓ اعظم کے عہد خلافت کے اختتام، گویا ۲۳ھ یا ۶۴۴ء) تک انہی ایمان اور عمل صالح والے مسلمانوں کے ذریعے سے چھتیس ہزار شہر اور قلعے اپنے قبضے میں کر لئے تھے، ''چار ہزار بتخانوں اور ہیکلوں☆ کو اپنے تصرّف میں لا کر مسجدوں میں تبدیل کر دیا تھا'' صرف حضرت عمرؓ کے عہد کے مقبوضہ مما لک کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا، ہجرت کے ایک سو برس بعد تک مسلمان پرانی دنیا کے تینوں براعظموں میں پھیل گئے۔ایشیا میں دریائے اٹک کی حدود اُن کے ایک طرف اور یورپ میں فرانس کے جنوبی اور وسطی میدان دوسری طرف تھے، افریقہ کا تمام شمالی علاقہ بھی ان کے دست قدرت میں تھا۔گویا ماسوا رومۃ الکبریٰ کے جو اٹلی میں تھا مسلمانوں کا تسلّط قریب قریب سب مہذّب دینا پر ایک صدی کے اندر اندر ہو گیا۔

جو شے سمجھنے کے لائق ہے یہ ہے کہ دین عمرؓ میں رومؔی جیسے فلسفی اور رازؔی جیسے مفسّر قران کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے جن کے ''طومارِ قلم'' کے باوجود ایک مسلمان بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا بلکہ مسلمان تفسیروں اور فلسفیانہ مباحث کے عادی ہو کر دین خدا کی غرض وغایت سے قطعی طور پر بے حس ہو گئے۔حضرت امام رازی بالآخر اپنی تین سو جلدوں کی عظیم الشان تفسیر کبیر لکھ لینے کے بعد اس معاملے میں اس قدر حسّاس واقع ہوئے کہ انہوں نے حسب ذیل اشعار میں صاف طور پر اقرار کیا کہ قران کے متعلق میری ''تمام عقلی اور منطقی باتیں لنگڑی ثابت ہوئیں۔'' ''عالمان قران کی اکثر کوششیں گمراہی تھیں''، ''ہماری روحیں ہمارے جسموں کے باعث گندی ہو گئیں''، ''ہماری دنیا کا حاصل سوائے اذیّت اور وبال کے کچھ نہ ہوا''، ''ہم نے اپنی تمام عمران بحثوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ماسوائے اس کے کہ ہم نے بہت سا قیل وقال (بے مطلب اور بے مقصد) جمع کر لیا'' وغیرہ وغیرہ۔یہ اشعار حسب ذیل ہیں:۔

نھایت اقدام العقول عقال واکثر سعی العالمین ضلال

☆ یہ ایک عیسائی جرجی زیدان کا قول ہے جو یقین میں نہیں آتا

واروا حنا فی فحشة من جسومنا	وحاصل دنیا نا اذی و وبال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا	سویٰ ان جمعنا فیه قیل وقال
وکم قد راینا من رجال ودولة	فباد ولجمیعا مسرغین و زالوا
وکم من جبال قد علت شرفاتها	رجال فزالوا والجبال جبال

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان صدہا جلدوں والی تصنیفوں نے قران حکیم کو کیوں دو اور دو چار کی طرح واضح نہ کیا اور وہ کیا وضاحت تھی جو رسول خدا صلعم کے عہد میں صرف چند آدمیوں کے سینوں کے اندر بغیر کسی کتابی علم یا درس و تدریس کے شروع ہوئی اور کم از کم تین سو برس تک نسلاً بعد نسل اس حیرت انگیز تیزی کے ساتھ جاری رہی کہ دنیا کی پوری تاریخ میں اس سعی و عمل کی مثال ہرگز نہیں ملتی۔ غزوۂ بدر☆ ۲ھ ہجری میں ہوا۔ فتح مکّہ ۹ھ میں، فتح بیت المقدس ۱۵ھ میں، فتح مصر ۲۰ھ میں، فتح ایران ۲۱ھ میں، فتح افریقہ ۲۶ھ میں، محاصرہ قسطنطنیہ ۵۰ھ میں، حملہ اندلس ۹۱ھ میں، دوسرا محاصرہ قسطنطنیہ ۹۷ھ میں ہوئے۔ ۱۳۲ھ میں بنو عباس آئے، ہارون الرشید ۱۷۰ھ سے حکمران ہوئے اور ان کے بعد سے ہی قران حکیم پر بحثیں اور مناظرے شروع ہوئے۔ امین اور مامون ۱۹۳ھ اور ۱۹۷ھ میں تھے لیکن ۲۲۶ھ تک سلطنت عباسیہ اس قدر کمزور ہوگئی کہ خلفائے بغداد کے ترک محافظ پیدا ہو چکے تھے بلکہ دین اسلام کا اکثر فاتحانہ تقدّم ماند پڑ چکا تھا۔ ۲۴۷ھ سے ترک پورے عروج پر تھے اور خلفائے بغداد برائے نام رہ گئے تھے۔ ۳۰۸ھ میں مصر کے فاطمی خلفا نے فلسطین کو پھر فتح کیا، ۳۶۳ھ میں سلجوق خاندان کو قدرے استحکام ہوا اور وہ ایک سو برس میں ہی یعنی ۴۶۷ھ تک روما پہنچ گئے۔ اسی اثنا میں ۴۳۲ھ میں بنی امیّہ کا زوال اندلس میں ہوا۔ ۴۸۸ھ میں پہلی صلیبی لڑائی شروع اور ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پھر فتح ہوا۔ دوسری صلیبی لڑائی ۵۳۸ھ میں ہوئی اور ۵۶۷ھ میں صلاح الدین ایوّبی نے فاطمیوں کو شکست دی۔ ۵۴۷ھ میں حسن بن صباح نمودار ہوا اور ۵۸۳ھ میں صلاح الدین نے پھر تیسری بار بیت المقدس فتح کیا۔ ۶۰۲ھ میں چنگیز نمودار ہوا اور ۶۵۶ھ میں ہلاکو کے ہاتھ سے بغداد کی تباہی کا منظر پیش آیا اور اسلام کا اکثر ولولہ ختم ہوگیا۔

مذکورہ بالا مختصر تاریخ سے واضح ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اخیر تک مسلمان کم و بیش فاتح رہے۔ دوسری صدی کے وسط میں قران پر بحثیں اور مناظرے شروع ہو گئے تھے، اسلام میں باقاعدہ تعلیم اور تعلّم کا آغاز ۱۴۳ھ سے ہی شروع ہو گیا تھا اگرچہ ابھی رفتار بہت دھیمی تھی لیکن چونکہ فتح کی رفتار بھی

☆ یہ سب تاریخیں مجھے قید خانے میں ہی ایک کتاب سے حاصل ہوئی تھیں۔

دھیمی ہو رہی تھی دوسری صدی کے اخیر تک اگر زیادہ نہیں تو سینکڑوں مجتہد، فقیہ، فلاسفر، مورّخ بلکہ ادیب اور شاعر بھی پیدا ہوتے گئے جنہوں نے دین اسلام کی عملی روح کو ختم کرنے کی پہلی کوشش کی۔ تعجب یہ ہے کہ باوجود ان کتابی رہنماؤں کے جو قران کی تعلیم کے صریح خلاف اسلام میں پیدا ہو گئے تھے، چوتھی صدی ہجری کے اخیر تک بھی اسلام کی وسیع سلطنت میں کسی کالج یا اسکول کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ نظامیہ یونیورسٹی کی تعمیر نظام الملک طوسی وزیر الپ ارسلان خاندان سلجوق نے ۴۵۷ھ میں ڈالی۔ امام غزالیؒ اسی یونیورسٹی کے نائب پروفیسر اور شیخ سعدیؒ اس کے درس یافتہ تھے۔ نظام الملک اسی علمی بدامنی کے باعث ۴۸۵ھ میں رعیت کے ایک فرد کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ماورالنہر کے علما نے اس یونیورسٹی کے قیام پر ماتم کیا کہ ''اب علم قران علم نہیں رہا'' مگر کیا ہوسکتا تھا۔ دین اسلام کی رُوح اور قران کے معانی بگڑ چکے تھے اور نظامیّہ کے قیام کے بعد ہزارہا مدرسے تمام عالم اسلام میں پھیل گئے۔

حضرت امام رازی جنہوں نے تفسیر کبیر لکھی اس ''فتنہ کتابت'' کے پورے ایک سو سال بعد پیدا ہوئے۔ اُن کی ولادت ۵۴۴ھ میں اور وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی۔ انہوں نے تفسیر کبیر کے علاوہ علم کلام پر قریباً ایک درجن کتابیں، اصول فقہ پر ایک کتاب، حکمت پر تین کتابیں، طلسمات پر دو کتابیں نحو میں شرح مفصّل زمخشری کی ایک نہایت ضخیم کتاب، فقہ پر ایک بڑی شرح اور طبّ پر بوعلی سینا کی کتاب قانون کی ضخیم شرح باسٹھ برس کی مختصر عمر میں لکھیں۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے اخیر تک دین اسلام کیا کا کیا بن چکا تھا!

ان حالات میں ظاہر ہے کہ **امنوا وعملوا الصلحت** کا مفہوم مسلمانوں کے ذہنوں میں کیا باقی رہتا۔ وہ قران جو بار بار اور انتہائی تاکیدوں کے ساتھ صحیفہ فطرت کو برحق، اس کے منکروں کو کافر، باطل کے ماننے والوں کو جہنّمی، عملِ صالح کرنے والوں کو زمین کے واحد وارث پکار پکار کر کہتا تھا، بالآخر ان کتابوں کے طومار کے نیچے دب گیا، مدرسے کے طالب علموں نے اس قران کی درس وتدریس کو ایک مشغلہ سمجھ کر لیا اور چونکہ سعی وعمل کی روح اکثر مفقود ہو چکی تھی اور ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح مسلمان بنا کر رکھنا قومی فرض بن چکا تھا قران حکیم میں وہ معنوی تحریف پیدا ہوئی جو یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی کبھی نہ کی تھی!

اب صورت حال یہ ہے کہ قران کی ایک ایک اصلاح، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ کے معانی بگڑ چکے ہیں۔ ہر آیت اگلی آیت سے بے ربط ہو چکی ہے۔ رکوع جو قران میں قران کو جاننے والوں نے اس

لئے لگائے تھے کہ اس سورت کے مختلف موضوعوں کو علیحدہ رکھ کر سورت کا موضوع واضح کیا جا سکے، صرف ''تلاوت کے وقفے'' بن کر بے معنی ہو چکے ہیں، الذین جعلوا القران عضین: (۶/۱۵)(الحجر:۹۱) (یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے قران کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے) کا منظر پیدا ہو چکا ہے فو ربک لنسئلنهم اجمعین o (الحجر:۹۲) (یعنی تیرے رب کی قسم کہ ہم ان سب کو سزا دیں گے) کی سزا آ چکی ہے! اور قران حکیم صرف ملاّؤں کے پڑھنے یا مرگ پر تلاوت کرنے کی کتاب رہ گئی ہے۔ خدا کا تخیّل اس قدر ناکارہ بے معنی اور بے نتیجہ ہو چکا ہے کہ ۸ مئی ۱۹۵۱ء کو میں حسب ذیل شعر کہنے پر مجبور ہو گیا:۔

ہے میری نگہ کہ دین اب وہ خراب ہو چکا ہے کہ خدا تجھی ملے گا کہ رب حرم بدل دو☆!

یہ اس لئے کہ حَرم کا رب اب وہ ربّ نہیں رہا جو دین عمرؓ کا رب تھا۔ حَرم کا موجودہ ربّ اب صرف چند رسموں تک محدود ہے اس کے دیئے ہوئے اکثر احکام کی اہمیّت بلکہ صداقت ذہنوں میں باقی نہیں رہی۔ اس کا بھیجا ہوا قران کرنے کی شے نہیں رہی وہ صرف چومنے یا ''تلاوت'' یا درس وتدریس کی شے رہ گئی ہے۔ اس کی آیتیں ایک دوسرے سے جدا، بے ربط بے معنی اور بے مغز ہو کر رہ گئی ہیں جن کو ''مقدس'' ہونے کا درجہ بھی محض اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان کی ظاہرا آؤ بھگت کر لینے سے ان پر عمل کرنے کا فرض بہ زعم خود ختم ہو جاتا ہے۔ الغرض حدیث القران لکھنے سے میری غرض یہ ہے کہ قران حکیم کو صرف چند لفظوں میں بیان کر کے اُس اصلی تخیّل کو پھر پیدا کیا جائے جس کی وجہ سے قران کا ہر ماننے والا قرونِ اولیٰ میں پا بہ رکاب ہو گیا تھا اور چونکہ اُس تخیّل سے جو ذہنوں میں قرنِ اوّل کے ماحول نے پیدا کیا تھا، قران حکیم کے ایک ایک لفظ اور حکم کی تصدیق ہوتی تھی اور خدا کے وعدے قطعی طور پر سچے ثابت ہوتے جاتے تھے، اس لئے قران حکیم کا رب مسلمانوں کا سچا پروردگار بن چکا تھا، ان کو اپنے پروردگار کی مرضی کرنے میں کوئی عذر باقی نہ رہا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے عمل کا نتیجہ رضی الله عنهم و رضوا عنه کی صورت میں یقینی طور پر ظاہر ہو کر رہے گا۔ اگر آج دنیا کی ہر زندہ قوم کا ہر کس و ناکس فرد خدا کے بتائے ہوئے پروگرام پر ولولے سے لگا ہے تو اس کی وجہ وہ ذہنی یقین اور علمی ماحول ہے جو حقیقتوں کو اپنے سینوں میں سما لینے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ یہ بات مسلمان میں پھر پیدا ہو سکتی ہے اگر مسلمانوں کا کوئی صاحب علم مگر جابر اور حکمران فرد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح دُرّے کے زور سے مسلمانوں کو صحیح عمل کی طرف، مذہبی نہیں بلکہ سیاسی بن کر بلائے اور پھر اُس عمل کے نتیجے مسلمانوں کی آنکھوں

☆ دیکھو حریم غیب صفحہ ۲۱۸۔

کے سامنے دو اور دو چار کی طرح پیدا کر کے دکھلا دے کہ قران کیا ہے۔ قوتِ علم وحُکم کے بغیر کسی گری ہوئی قوم کو پھر اٹھا دینا اور ان کی ذہنیت کو اس طرح پر بدل دینا کہ وہ قوم صدیوں تک پھر ایک نیا دور ترقی کا شروع کرے محال ہے۔

خاکسار تحریک کو انگریزی حکومت کے بے مثال رعب وجلال میں انتہائی بے بسی اور عجز کے ماحول میں شروع کیا گیا تھا۔ اس سے مسلمانوں میں اخلاق اور کردار کا ایک ڈھانچہ سا ضرور بنا۔ لیکن چونکہ قوم کے اندر جہاد کی خصوصیتیں کالعدم تھیں اور سب کام رضا کارانہ طور پر تھا، طاقت اور حُکم کے نہ ہونے نے فتح یا مالِ غنیمت کا کوئی منظر نہ دکھلایا جس سے حوصلے بلند ہوں اور تحریک کو بالآخر مسلمان کی اسی خوفِ موت کے باعث بند کرنا پڑا جس کا مظاہرہ مشرقی پنجاب میں چند ماہ بعد لاکھوں کی تعداد میں ہوا۔ تاہم اس چھوٹے سے مظاہرے سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ قران حکیم کی تعلیم کا ایک ذرا سا شوشہ بھی عملاً کیا بڑے نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

حدیث القران کو اَور لمبا کرنا پیش نظر نہیں تاکہ مطلب خبط نہ ہو جائے۔ انہی سو ڈیڑھ سو صفحوں کے اندر قران کا پورا مطلب آ جانا چاہیے اس لئے بقایا چند باتوں کو جو کہنی ہیں بعد پر چھوڑتا ہوں تاکہ اطمینان سے کہہ سکوں کہ قران کی تعلیم کا خلاصہ کیا ہے۔ ۱۹ جون ۱۹۵۱ء

صحیفہ فطرت کی حقیقت اور اہمیّت پر آخری نظر

آخری چند الفاظ جو اس سلسلے میں ہر شخص کی معمولی سی سوچ کے لئے پیش کرنا چاہتا ہوں حسب ذیل ہیں۔ ان پر انتہائی غور وفکر کے بغیر قران کا ایمان اور عمل صالح پورے طور پر سمجھ نہیں آ سکتے:۔

(ا) زمین وآسمان کی کائنات کا سلسلہ ایک حیرت انگیز اور نتیجہ خیز سلسلہ **صرف انسان کے لئے** اس وجہ سے ہے کہ انسان کے پاس آنکھ، کان اور ذہن ہیں اور وہ ان کی وجہ سے ہی اس کائنات کو حیرت کی نظر سے دیکھ سکتا ہے یا اگر اور گہرا چلتا جائے تو کسی نتیجے تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ حیوانات یا دوسری ادنیٰ مخلوق کو پتہ بھی نہیں کہ یہ کائنات کیا ہے اس لئے اُن کے سامنے ''حیرت'' وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُن کو صرف ''عقل حیوانی'' یا ''میکانکی عمل کی ہدایت☆'' دے دی گئی ہے جس کے ذریعے سے وہ یفعلون ما یؤمرون o: (۶/۱۶) کے مصداق ہیں یعنی ''جو کچھ ان کو حکم دیا گیا کرتے ہیں''

☆قال ربنا الذی اعطیٰ کل شیئ خلقه ثم هدیٰo: (۲/۲۰) کی طرف اشارہ ہے یعنی کائنات کی ہر شے کو پیدا کر کے ہدایت دی گئی ہے۔

اور بس۔(۲) انسان کے سامنے کائنات موجود ہے لیکن اس کا بنانے والا نظر نہیں آتا جو دوسری حیرت انگیز بات ہے۔(۳) ادنیٰ مخلوق کو پوری راہ بتلادی گئی ہے لیکن انسان ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد **لا تعلمون شیئا ہ:** (۱۶/۱۱) کی حالت سے دوچار ہے یعنی اس کو کسی شے کا علم نہیں! (۴) انسان کے سامنے سوائے صحیفہ فطرت کے کوئی دوسری شے موجود نہیں جس سے وہ اپنے آنکھ، کان، ذہن کے ذریعے سے (یا کسی اور ذریعے سے اگر ایسا ممکن ہو) کوئی علم حاصل کرسکے یا اپنے لئے کوئی راہ دریافت کرسکے۔

(۱) ان چار امور کو ذہن نشین کرلینے کے بعد فطرتاً جو شے انسان کے سامنے آنی چاہیے یہ ہے کہ اس کائنات کے بنانے والے کو (۱) سمجھنے کے لئے کہ وہ کیا ہے، یا (۲) یہ سمجھنے کے لئے کہ وہ انسان سے کیا چاہتا ہے، یا (۳) یہ سمجھنے کے لئے کہ انسان کی راہ اس دنیا میں کیا ہے، یا (۴) یہ سمجھنے کے لئے کہ انسانی قومیں کیا عمل کرکے دوسری انسانی قوموں پر برتری حاصل کرلیتی ہیں اور ایک قوم شکست کھا جاتی ہے اور دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے، اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس صحیفہ فطرت کو ہی دیکھا جائے کیونکہ اور کوئی شے اس کے سوا انسان کے سامنے نہیں اور صحیفہ فطرت کا بنانے والا خود ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ الغرض انسان کی ہر **مشکل کا حلّ صحیفۂ فطرت میں ہے** دوسرا کوئی ذریعہ اس کے پاس موجود نہیں جس سے وہ ہدایت یا علم حاصل کرسکے۔(ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرا انسان دعویٰ کرے کہ میں خدا کے پاس سے ہوکر آیا ہوں اور وہاں سے ہدایت لایا ہوں، مجھے مانو اور میری پیروی کرو۔ لیکن یہ صرف عقیدہ کی بات ہے اور نسل انسانی کا حق ہے کہ جب تک وہ اپنے دعوے کو دو اور دو چار کی طرح ثابت نہ کردے اُس شخص کی بات کو تسلیم نہ کرے۔) پس جب انسان کے سامنے صحیفہ فطرت کے سوا کوئی دوسری شے نظر ہی نہیں آتی تو انسان کے واسطے چارہ ہی نہیں رہا کہ وہ اسی سے پورا لگاؤ ''اٹھتے بیٹھتے لیٹے'' پیدا کرکے معرفتِ خدا حاصل کرے یا ہدایت حاصل کرے یا جو کچھ بھی مل سکتا ہے اسی سے حاصل کرے۔ **پس انسان کے لئے اس دنیا میں خدا کا قائم مقام صحیفہ فطرت ہے۔**

(۲) راہ دریافت کرنے یا علم حاصل کرنے کے علاوہ صحیفہ کائنات میں ایک اور خصوصیّت ہے کہ اس میں تمام اشیا جو سامنے ہیں انسان کے استعمال کے لئے بنائی ہوئی معلوم دیتی ہیں یا کم از کم یہ کہ انسان ان کو استعمال کرتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے (اگرچہ اَور حیوانات بھی اُن سے)

فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن ان کا فائدہ اٹھانا انسان کے مقابلے میں بہت محدود ہے)۔الغرض یہ بھی ایک طبعی نتیجہ ہے کہ صحیفہ فطرت ہی انسانی ترقی کا واحد ذریعہ ہے اس کے سوا کوئی اور ذریعہ ترقی موجود نہیں۔

یہ وہ عظیم الشان حقیقتیں ہیں جو قران نے پیش کی ہیں۔انہی حقیقتوں کے باعث صحیفہ فطرت:۔

اوّل: انسان کے ذاتی علم کا ذریعہ ہے جو وہ ماں کے پیٹ سے نکل کر روزمرّہ حاصل کرتا ہے۔

دوئم: انسان کی ذاتی یا اجتماعی ہدایت کا ذریعہ ہے جس کے ذریعے سے قومیں ترقی کر رہی ہیں۔

سوئم: انسان کی مادی ترقی کا ذریعہ ہے کیونکہ انسان فطرت کی اشیا کو استعمال کر کے ترقی کے بلند بام پر چڑھ رہا ہے اور چڑھتا جائے گا۔

چہارم: اسی صحیفہ فطرت کی تلاش و جستجو انسان کی ابدالاباد تک کی ترقی کی ضامن ہے کیونکہ کسی پیغمبر سے لی ہوئی ہدایت یا اس کی لائی ہوئی کوئی کتاب صرف راہ عمل بتا سکتی ہے،صحیفہ فطرت کی اشیا کو استعمال کر کے ترقی کے بلند بام پر چڑھانے کا کام نبی کی لائی ہوئی کتاب نہیں کر سکتی۔ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد صرف ایک نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیفہ فطرت ہی کے ذریعے سے (۱) خدا کو پہچانا جا سکتا ہے کہ وہ کیا ہے (۲) راہ عمل دریافت ہو سکتا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں کیا کرنا چاہیے (۳) قوموں کی مادی ترقی انتہائی درجے تک ہو سکتی ہے کیونکہ کوئی اور ذریعہ اس کے سوا موجود نہیں (۴) انبیا کی لائی ہوئی کتابیں بھی انسان کی مادی ترقی کا کوئی دستورالعمل صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش کے بغیر نہیں بتلا سکتیں، کیونکہ اس کے سوا کوئی اور شے موجود ہی نہیں اور کان آنکھ اور ذہن کا استعمال ان اشیا کے بغیر کسی اَور شے پر ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ دلائل ہیں جن کی وجہ سے قران کا ایمان انسان کے صحیفہ فطرت کو برحق سمجھنے کا ایمان ہے اور قران کا عمل صالح وہ عمل ہے جو صحیفہ فطرت کی اشیا کے صحیح استعمال اور اس کی صحیح تلاش میں یا انسان کی ہیئت اجتماعی کی باہمی بہبودی میں صرف ہو۔یہی وجہ ہے کہ قران نے صحیفہ فطرت کو برحق کہا۔اس کو باطل سمجھنے والوں کو کافر فاجر،اور مفسد فی الارض کہا۔یہی وجہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ والی قوموں کو اس دنیا کی بادشاہت، دوسری قوموں پر فضیلت، مادی ارتقا اور جنّات زمین کی تمام نعمتوں کا وعدہ دیا اور یہی وہ حقیقت ہے جو آج ہر شخص کو ان آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی ہے خواہ وہ قوم کسی ''آسمانی'' کتاب کو 'مانتی'' ہو یا نہ ''مانتی'' ہو۔

ان وجوہ کی بنا پر ہی قران حکیم میں **ایات** کا لفظ قران میں لکھی ہوئی آیات اور صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی ایاتِ دونوں پر یکساں استعمال ہوا ہے دونوں پر یکساں ایمان رکھنا انسان کا فرض ہے کیونکہ قران کی آیت خدا کا کلام ہے اور فطرت کی آیت خدا کا کام۔ خدا کے کام سے نکلی ہوئی آیت پر انسان کا ایمان لانا خدا کے نزدیک اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ قران یا کسی اَور صحیفہ آسمانی کی لکھی ہوئی آیت پر۔ اسی نقطہ نظر سے صحیفہ فطرت کو **الکتٰب** بلکہ **الکتٰب المبین** کہا ہے:۔ اور اگر انتہائی غور سے دیکھا جائے تو ہر صاحب نظر پر واضح ہو جائے گا کہ خدا کا پورا ''الہام'' تو دراصل **صحیفہ فطرت** ہی ہے۔ انبیاء کے لائے ہوئے صحیفے تو صرف اس **ام الکتٰب** کا ایک خفیف سا حصّہ ہیں۔ فتدبّر۔

قران حکیم میں ہے:۔ **والکتٰب المبین○لا انا جعلنه قرء نا عربیاً لعلکم تعقلون○ج وانه فی ام الکتٰب لدینا لعلی حکیم○ط افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم قوماً مسرفین○**: (۴۳/ ۱)

ترجمہ: (اے لوگو!) یہ روشن کتاب (جو صحیفہ فطرت کی شکل میں تمہارے سامنے ہے) اس بات کی (قطعی طور پر) گواہ ہے کہ ہم نے صحیفہ فطرت (یعنی کتاب مبین کے اندرونی اسرار) کو عربی زبان کا قران (کتاب کا لباس پہنا کر) بنا دیا ہے تاکہ تم لوگ عقلمند بن جاؤ۔ اور بے شک وشبہ یہ قران ایک ایسی اُم الکتٰب (یعنی تمام کتابوں کی ماں) میں موجود ہے جو ہمارے پاس رکھی ہے اور جو بے شک نہایت بلند پایہ اور پُر از حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اس لئے کہ تم لوگ (اس صحیفہ فطرت سے غفلت برت کر) حد سے گذرے جا رہے ہو، ہم اس (صحیفہ فطرت سے) عبرت پکڑنے کے معاملے کو ہی تم سے صاف اچک کیوں نہ لیں (تاکہ تم سرے سے گمراہ ہو کر جہنّم واصل ہو جاؤ)۔

قران کی یہ تعلیم ہے اور آج کل کا ملاّ اُمّت کو یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ دنیا مردار ہے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو، تسبیحیں پھیرتے جاؤ اور گوشوں میں بیٹھے رہو۔ سب کچھ جو ملنا ہے آخرت میں ملے گا، یہاں جس نے نقد لے لیا اس کو آگے چل کر جہنّم ہے! فتدبّر۔

۲۲/ جولائی ۱۹۵۱ء

ان سطور کے بعد جو کچھ لکھا گیا وہ قید خانے سے باہر کی تحریر ہے:۔

۱۱۔قرآن کے ''آخری آسمانی کلام'' ہونے کا قطعی ثبوت

مزید آیات قرآن اوران کا زہرہ گداز علم

یوں تو قران حکیم کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصّہ نہیں جس کو مناسب غور وخوض کے بعد انسان کے لئے مستقل معلومات کی بنا نہ قرار دی جا سکے، یا اس کے اندر جماعتی بہبودی کا کوئی عظیم الشان گُر موجود نہ ہو لیکن اس عظیم الشان کتاب کی اس حیرت انگیز اور عالم آرا تعلیم کے علاوہ جو پچھلے دس (۱۰) عنوانوں میں مضمون وار ظاہر کی گئی بعض ایسی آیات ہیں جن کو علی الحساب اس عنوان کے ماتحت اس نقطہ نظر سے درج کیا جاتا ہے کہ قران کی صحیفہ فطرت کے بارے میں وسعت نگاہ اور اس کی بلندئ نظر اَور واضح ہو جائے اور بنی نوع انسان پر ثابت ہو جائے کہ فاطر زمین وآسمان کا یہ آخری کلام انسانی ترقی اور تمدن کے جس مرحلے پر عرب کے ایک انسانؐ کے قلب پر وارد ہوا تھا فی الحقیقت وہ آخری کلام تھا، جس سے آگے چل کر کسی دوسرے آخری کلام کا تصوّر بھی ذہن میں نہیں آ سکتا۔ سائنس اور یقینی علم کی اس حیران کن ترقی کے باوجود انسان ابھی تک اُن پست کُن مسائل کے حلّ میں مستغرق ہے اور آئے دن کی عالمگیر جنگوں میں لکھوکھہا انسان کٹوا رہا ہے جن کی تہہ کو دیکھ کر لامحالہ اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے کہ انسان کو ابھی اس زمین پر بھی اپنے مقام کا صحیح احساس تو کیا، ادنیٰ احساس نہیں ہوا، چہ جائیکہ وہ اس کائنات میں اپنے بلند مقام کا احساس کرے۔ آئے دن کی جنگوں اور ایک قوم کا دوسری قوموں پر احساس برتری کا فرضی تخیّل اس کو ایسے جہنّم کی طرف کھینچے لئے جا رہا ہے، جس میں پڑ کر اس کی مقامی الجھنیں اس کو حیوانوں کا بلند مقام بھی نہیں دے سکتیں۔ حیوانوں اور غیر ذی بصر مخلوق کا جو بلند درجہ قران حکیم نے قائم کیا ہے، یہ ہے کہ طیور شجر اور ملائکہ اور دیگر مخلوق جو کچھ ان کو حکم دیا گیا اس کی تعمیل کر رہے ہیں (۱)، وہ سب کے سب خدا کی نماز اور تسبیح وتحمید میں مصروف ہیں لیکن تم انسان اس تسبیح اور نماز کو سمجھ نہیں سکے (۲)، شمس اور قمر ایک مقرر کردہ اندازے پر چل رہے ہیں (۳)، نجم اور شجر پیہم سجدہ کر رہے ہیں (۴) وغیرہ وغیرہ۔ آسمان اور زمین کو پکار کر کہا گیا کہ چار و ناچار آ جاؤ، انہوں نے کہا کہ ہم مطیع ہو کر آتے ہیں۔ (۵)۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۱) دیکھو صفحہ ۴۵ (۲) دیکھو صفحہ ۴۶ (۳) دیکھو صفحہ ۴۵ (۴) دیکھو صفحہ ۴۵ (۵) دیکھو صفحہ ۲۰۳

انسان کے متعلق کہا گیا کہ ہم نے عقل وادراک کی امانت پہاڑوں، آسمانوں اور زمینوں کو پیش کی کہ وہ اس کو قبول کرلیں لیکن وہ اس کو قبول کرنے سے باز رہے لیکن اس ظلوم وجہول انسان نے اس کو قبول کرلیا(۶)۔ الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو اس ظالم اور جاہل انسان کو باوجود تمام علمی ترقیوں کے ابھی تک ہوش نہیں آئی کہ اُس کا اس زمین پر مقام کیا ہے، وہ ابھی تک اس قدر تنگ نظر ہے کہ گورے اور کالے کے لازوال چکّر میں ہے، مشرق اور مغرب کے پورے گورکھ دھندے میں پھنسا ہے، جغرافیائی حدّیں اس کی اکثر بھاگ دوڑ کو حرکت دے رہی ہیں۔ ڈائزگ کے چالیس میل لمبے ٹکڑے کی ضد کے باعث اس نے ایک ایسی عالمگیر جنگ چھیڑ دی جس کے باعث دو کروڑ انسان دونوں طرف سے کٹ گئے۔ نسلی عصبیتیں اور قومی حدّیں اس کے دماغ کو اس قدر ماؤف کر رہی ہیں کہ وہ ان کی دردناک اور خانہ برانداز اُلجھنوں سے قطعاً نکل نہیں سکا۔ قرانِ حکیم نے واضح طور پر نسل انسانی کو مخاطب کر کے کہہ دیا تھا کہ ہم نے تم کو مختلف گروہوں اور قبیلوں میں محض اس لئے تقسیم کر دیا تھا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو اور تھوڑا سا دہ تنوّع اور تلوّن قائم رہے جس سے یہ فطرت زیادہ خوشگوار اور رنگ برنگ نظر آئے ورنہ دراصل خدا کے نزدیک تو وہی قوم زیادہ معزز اور درخوراجر ہے جو ڈر کر قانون خدا پر زیادہ عمل کرنے والی ہے(۷)۔ دوسری جگہ صاف طور پر کہہ دیا کہ یہ انسان ایک ہی اُمّت ہیں، ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اپنے آپ کو جہنّم میں پھینکنا ہے، ہم نے انسان کو پیدا ہی اس غرض کے لئے کیا تھا کہ وہ ایک اُمّت بن کر رہے(۸)۔ وغیرہ وغیرہ۔ الغرض جب انسان اپنی ظلومیّت اور جہولیّت کے اس مرحلے میں اب تک باوجود اس علمی ترقی کے ہے تو یہ سمجھنا کہ وہ زمین سے باہر کے مسائل میں جو اس لامتناہی کائنات کے صحیح معنوں میں عالم آرا مسائل ہیں کسی بلند نقطۂ نظر سے سوچنے کے قابل ہوگا ابھی تک باور ہوا بات معلوم دیتی ہے۔ ان معاملات کے متعلق ایک قطعی اور فیصلہ کن بات حدیث القران کے آخری حصّے میں مختصر طور پر کر دی جائیگی لیکن سردست جو شے اس عنوان میں پیش نظر ہے یہ ہے کہ چند الفاظ میں اس زمین، اس صحیفہ فطرت، اس کون ومکان، اس کائنات، اس کُن فیکون کے ہنگامے کے متعلق قرانِ حکیم کی وہ بالغ نظری پیش کی جائے جس پر غور کرنے سے انسان ان موجودہ الجھنوں سے جن میں وہ

(۶) حریم غیب صفحہ ۲۷۹ (۷) وجعلنکم شعوبا وقبآئل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ط (۴۹/۲) (۸) دیکھو صفحہ ۳ جہاں انسان کے پیدا کرنے کی غرض واضح کی گئی ہے۔

☆ دیکھو صفحہ ۲۴۸ تا ۲۸۰

پھنسا ہے، نکل سکے اور وہ اس نقطہ نظر سے کہ تمام نسل انسانی اس کائنات کے بارے میں ابھی تک شدید اندھیرے میں ہے، قران حکیم کی بلیغ نظری کو اس امر کا قطعی ثبوت تسلیم کرے کہ قران نسل انسانی کے لئے ترقی کے ہزار در ہزار آئندہ مرحلوں میں بھی آخری کلام رہے گا۔ نسل انسانی کے وہم وگمان میں ابھی ہزاروں بلکہ لاکھوں برس تک نہیں آ سکتا کہ اس قران سے آگے بھی کوئی اور کلام ہے جو ان کو اس دنیا میں وہ خلود اور وہ ابدی زندگی دے سکتا ہے جس کو خدا کی اس آخری کتاب نے **خٰلدین فیھا ما دامت السموات والارض** سے تعبیر کیا ہے۔

جائے غور یہ امر بھی ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی کسی کتاب مثلاً تورات، انجیل، زبور یا مثلاً ہندوؤں کے ویدوں اور ژند دست وغیرہا میں زمینی یا کائناتی یا انسانی مسئلوں کے متعلق قران کی بلند نگاہی اس لئے موجود نہیں کہ یہ صحیفے آسمان سے اترے ہی اس وقت تھے جبکہ انسان ابھی علم وترقی کے ابتدائی مرحلوں میں تھا اور انسان کو اس قدر بلند اور ناقابل فہم نکتوں کی تعلیم دینا پیش از وقت معلوم دیتا تھا۔

میں چاہتا ہوں کہ ان آیات الٰہی کو علی الحساب اس عنوان میں جمع کر کے قران حکیم کے متعلق ایک ''حیران کن بیکرانی'' کا ذہنی تخیّل علمائے فطرت کے حلقوں میں پیدا کر دوں جس کے بعد کسی ہوش مند انسان کو اس کتاب کے آخری کلام ہونے میں ادنیٰ شک باقی نہ رہے۔

۱۔ صحیفہ فطرت کا امن

فطرت کے امن کے بارے میں قران کہتا ہے۔

(۲۷۹) لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا ج فسبحن اللہ رب العرش عما یصفونo: (۱/۲)

(۲۷۹) اگر اس زمین وآسمان میں خدا کے سوا کوئی دوسرا حاکم (الہٰ) بھی ہوتا تو یہ دونوں بگڑ گئے ہوتے (اور یہ کارخانہ اس سکون وامن سے نہ چل سکتا) تو عرش کا بادشاہ اُن تمام عیبوں سے بری ہے۔ جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

حاکم ہونے کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اس کا اپنا قانون ہو۔ اگر فطرت میں ہر شے فساد پیدا کرنے کے بغیر چل رہی ہے تو لازم ہے کہ صرف ایک قانون چل رہا ہے اور ایک خدا ہے۔ اس کے بعد کسی دوسرے خدا کے قانون پر چلنے کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ ارمغان حکیم میں اسی بنا پر میں نے کہا ہے۔ دیکھو

(صفحہ ۶۴):۔

نعرۂ جنگ اس سرودستاں میں بے آہنگ ہے   یکراں سازِ اطاعت میں چلے کیا کافری

مطلب یہ ہے کہ اس فطرت میں تو نغمہ ہی نغمہ ہے اور سب نغموں کی ایک سُر ہے، یہاں انسان کا محدود سا کفر اور اس کی چھوٹی سی نافرمانی کیا چل سکتے ہیں!

۲۔ زمین و آسمان کی پیدائش

اس بارے میں سورۂ حٰم السجدہ میں ہے:

(۲۸۰) (ل قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له اندادا ط ذالک رب العلمین o ج وجعل فیھا رواسی من فوقھا وبرک فیھا وقدر فیھا اقواتھا فی اربعة ایام ط سوآء للسائلین o ثم استوی الی السمآء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعاً او کرھاً ط قالتا اتینا طآئعین o فقضھن سبع سموات فی یومین واوحی فی کل سمآء امرھا ط وزینا السمآء الدنیا بمصابیح ق صلے وحفظاً ط ذلک تقدیر العزیز العلیم o: (۴۱/۲)

(۲۸۰)(ل۔ اے پیغمبرؐ! بے دھڑک) کہہ دو کہ کیا درحقیقت تم ہی ہو جو کھلا کفر اور علانیہ انکار اس (پاک ذات) سے کر رہے ہو جس نے زمین کو دو (۲) دنوں میں پیدا کیا اور پھر تم اس کے ساتھ اور خداؤں کو شریک کر (کے ان کے قانونوں پر چل) رہے ہو۔ تو یہ ہے جہانوں کا پروردگار (جو اس حیرت انگیز طاقت کا مالک ہے) اور اس نے اس زمین پر (ہولناک) چوٹیاں بنا دیں اور اس زمین میں (لاتعداد نعمتیں پیدا کر کے اس کو) برکت دی اور اس میں چار (۴) دنوں کی مدّت میں اس کی غذاؤں کی (مناسب) مقدار مقرر کی (اور یہ غذائیں اور نعمتیں ایسی ہیں) جو (سب) تلاش کرنے والوں کے لئے برابر ہیں☆۔ پھر وہ (خدا) آسمان کی طرف جم گیا حالانکہ وہ دھوئیں کی صورت میں (ایک ہیولا سا) تھا تو اس کو اور زمین کو کہا کہ دونوں چارو نا چار (آگے) آ جاؤ (اور اپنی فرمانبرداری کا اقرار کرو) تو دونوں نے کہا کہ ہم فرمانبردار بن کر آتے ہیں۔ پھر دو دنوں کے اندر اندر فیصلہ کر دیا کہ یہ سات آسمان ہونگے اور ہر آسمان میں اس کا قانون (اس دھڑلے سے نافذ کر دیا کہ وہ) بہ منزلہ وحی ہو گیا اور نزدیک ترین آسمان کو مشعلوں سے (منور کر کے)

☆ دیکھ لو کہ سوآء للسائلین کے الفاظ میں معانی کا کیا پہاڑ چھپا ہے اور اس کے سامنے کیونزم کا بکواس کس قدر قران کی نقل نظر آتا ہے۔

زینت دے دی اورحفاظت کے طور پر (بھی)۔تو صاحب کبریاوعزت اور مالک علم وخبر خدا کی اندازہ دانی (کا) یہ(عظیم الشان عالم) ہے۔

یہ ''دو دنوں'' اور''چار دنوں'' اور''سات آسمانوں'' اورسب سے''نزدیک آسمان'' والی باتوں پر یورپ کی علمی دنیا نہ معلوم کتنے ہزاروں برس تک اُورسٹ پٹاتی رہے گی اور راز کھلے گا کہ ان لفظوں کا اصل میں کیا مفہوم تھا۔ابھی تک تو صرف اتنا ظاہر ہوا ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش لاکھوں اور کروڑوں برس میں جا کر ہوئی اور آسمان و زمین اپنے ابتدائی مراحل میں محض ہیولائے آسمانی کے طور پر تھے جو انجذابی قوت (سنٹری فیوگل فورس) کے باعث مختلف کرّے بن گئے۔ایک دوسری جگہ ہے:۔

(۲۸۰) (ب) ان ربکم الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استویٰ علی العرش یدبر الامر ط مامن شفیع الا من بعد اذنهط ذلکم الله ربکم فاعبدوهط افلا تذکرونo: (۱۰/۱)

(۲۸۰)(ب) بے شک تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر اپنے تخت سلطنت پر جم کر بیٹھ گیا (اور وہاں اس) قانون کی تدبیر کر رہا ہے (جو آسمانوں میں جاری ہے)۔(اس منظّم اور غالب حکومت کے بعد اے لوگو! تمہارا) کوئی سفارشی نہیں (ہوسکتا) مگراس کی اجازت کے بعد۔تو یہ ہے اللہ،تمہارا پالنے والا،تو تم اسی کی ملازمت اختیار کروتو کیا تم ان حقائق سے نصیحت نہیں پکڑتے ؟

کئی اَور جگہوں پر یہی مضمون مختلف اضافوں کے ساتھ ہے:۔

(۲۸۰) (ج) هوالذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوےٰ علے العرش ط یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منها وما ینزل من السمآء وما یعرج فیهاط وهو معکم این ما کنتمط والله بما تعملون بصیرo: (۵۷/۱)

(۲۸۰)(ج)وہ وہ پاک ذات ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھرعرش پر جم کر بیٹھ گیا۔اس کوعلم ہے کہ کیا شے زمین کے اندر جارہی اور کیا اس سے باہر نکلا ہے اور کیا آسمان سے نیچے گرتا ہےاور کیا اس کی طرف چڑھتا ہے(یعنی وہ ان عملوں سے پورے طور پر واقف ہے۔کیونکہ اس کے اپنے بنائے ہوئے ہیں) اور جہاں بھی تم ہو،وہ تمہارے ساتھ ہے اورخدا جو کچھ(تحقیقات وتلاش فطرت کا) کام تم کررہے ہو یا کروگے بغور دیکھ رہا ہے۔

(۲۸۰) (د)الله الذی خلق السموات والارض وما بینهما فی ستة ایام ثم استوی علے العرشط

(۲۸۰)(د)(لوگو!) اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔پھرعرش پر جم کر بیٹھ گیا(مطلب یہ نہیں کہ بیکار ہو گیا بلکہ پورے طور پر حکمران ہو گیا)۔

مالکم من دون اللہ من ولی و لا شفیع ط افلا تذ کرونo: (۳۲/ ۱)
(لوگو!) اس بے پناہ حکمرانی کے بعد) خدا کے سوا تمہارا نہ کوئی مددگار ہے نہ سفارشی (کہ تم اس عظیم الشان کارخانے میں بیکار رہ کر کچھ اپنی بگڑی بنالو) کیا تم اس سے نصیحت نہیں پکڑتے۔

(۲۸۰) (و) وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی المآء لیبلوکم ایکم احسن عملاً ط :(۱۱/۱)
(۲۸۰) (و) وہ وہ پاک ربّ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا حالانکہ اس کا تخت سلطنت پانی پر تھا (اور یہ تمام کائنات اس لئے پیدا کی گئی تا کہ تم انسانوں کو آزمائے کہ تم میں سے کون بہترین عمل کرتا ہے! (**صاف واضح کر دیا کہ فطرت** کی پیدائش کا مقصد کیا ہے!)

(۲۸۰) (ہ) ولقد خلقنا السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوبo: (۵۰/ ۳)
(۲۸۰) (ہ) اور بے شک اور بالتحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کر دیا اور (ہم اس قدر بے پناہ طور پر طاقت والے ہیں کہ) ہم کو تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں۔

(۲۸۰) (ہ) سے ظاہر ہے کہ ستاروں اور کُروں کی نئی پیدائش کا سلسلہ اب تک بھی جاری ہے کیونکہ خدا اب تک نہیں تھکا اور کل یوم ھو فی شأن ☆ کا مصداق ہے۔ اُدھر ابھی سائنس کو شائد اور کئی قرنیں اس بات میں لگ جائیں کہ خدا کے ''عرش کے پانی پر ہونے'' کے کیا معنی ہیں اور یہ اعلان کہ تمام کائنات ہی انسان جیسی بظاہر ''حقیر مخلوق'' کے ''حسنِ عمل'' کو آزمانے کے لئے بنائی گئی ہے، شاید بڑے سے بڑے سائنس دان کو عمروں تک حیرت زدہ کر دے کہ کیا فی الحقیقت انسان کی اہمیّت اس قدر ہے جس قدر کہ قران کہہ رہا ہے اور اس نے اب تک اس سلسلے میں کیا حقیر عمل کیا ہے!

۳۔ زمین وآسمان کی مخلوق کی ناپائیداری ☆☆

اس کارخانہ قدرت کے حیرت انگیز طور پر مضبوط اور قائم ہونے کے باوجود زمین کے پہاڑوں اور چٹانوں کے کمزور اور قابل شکست و ریخت ہونے کے بارے میں قران تیرہ سو ستر برس پہلے وہ حیرت انگیز اعلان کر رہا ہے جو ماہرین طبقات الارض اور سائنس دانوں نے صدہا برس کی جانکاہ تلاش و تفتیش کے بعد، ابھی ایک سو برس نہیں گذرے بالآخر کیا۔ سورۂ نمل میں ہے۔

(۲۸۱) وتری الجبال تحسبھا جامدۃ
(۲۸۱) اور تُو دیکھتا ہے کہ پہاڑ تیرے اندازے میں خوب مضبوط

☆ یعنی ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں لگا ہے۔ دیکھو: (۲/۵۵)۔ ☆☆ یہ ''ناپائیداری'' علم طبقات الارض کی رُو سے ہے۔ کسی ''مذہبی'' رُو سے نہیں

وھی تمر السحاب ط صنع اللہ الذی اتقن کل شیئ ط انہ خبیر بما تعملون o:
(۷/۲۷)

ہیں، حالانکہ (اس فطرت کے اندر جو جو قوتیں ردّو بدل کرنے کی کارفرما ہیں ان کے حساب سے تو) وہ بادلوں کی چال چل (کر لمحہ بہ لمحہ بدل) رہے ہیں۔ یہ اس خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر شے کو (انتہائی طور پر) مضبوط بنا (کر پھر اس میں یہ خاصیّت رکھ دی کہ وہ ناپائیدار ہو)۔ بے شک وہ انتہائی طور پر تمہارے کرتوتوں سے باخبر ہوگا جو کروگے۔

معلوم نہیں اس آخری فقرے کا کیا ربط پہلی عبارت سے ہے مگر اس اعلان میں ضرور پہاڑ چھپا ہے جو شاید کسی سمجھنے والے کو سمجھ آجائے اور وہ مجھے بھی خبردار کردے!

۴۔ زمین اور آسمان کا قوام ایک ہے

(۲۸۲) اولم یرالذین کفروآ ان السموات والارض کانتا رتقاً ففتقنھما ط وجعلنا من المآء کل شیی حی ط افلا یومنون o وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بھم ص وجعلنا فیھا فجاجاً سبلا لعلھم یھتدون o وجعلنا السمآء سقفاً محفوظاً ج صلے وھم عن ایتھا معرضون o وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر ط کل فی فلک یسبحون o: (۲۱/۲)

(۲۸۲) کیا اُن لوگوں نے جو (اس صحیفہ کائنات کو باطل سمجھ کر اس کے اندر جو حقائق اظہر من الشّمس ہونے کے بعد بہبودی انسان کے ضامن ہونے والے ہیں، ان حقائق کے) منکر ہیں اس بات پر نظر نہیں کی کہ آسمانوں اور زمین کا ہیولا (تخلیق فطرت کے ابتدائی مرحلوں میں) آپس میں ملا ہوا اور گڈمڈ تھا۔ پھر ہم نے اس مخلوط ہیولے کو پھاڑ کر الگ الگ کر دیا اور (اسی طرح) ہم نے پانی (کے مشترک قوام) سے تمام زندہ اشیا کو پیدا کیا تو کیا (آسمانوں اور زمین کے اس وحدت قوام اور زندہ اشیا کے اس وحدت خمیر کو دیکھ کر) یہ لوگ (اس بات پر) ایمان نہ لائیں گے (کہ فاطر السموات والارض) ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں)۔ اور ہم نے زمین میں (پہاڑوں کی بلند) چوٹیاں پیدا کر دیں کہ زمین (اپنی گردش میں) ایک طرف کو جھک نہ پڑے اور اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تا کہ وہ راہ پائیں اور آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا اور یہ لوگ اُن (عظیم الشان) آیتوں سے (جو صحیفہ فطرت سے مستنبط ہو کر انسان کو ترقی کے انتہائی مدارج

تک پہنچانے والی ہیں)مُنہ موڑتے ہیں۔اور وہی ہے جس نے دن اور رات اور شمس وقمر پیدا کیئے اور یہ سب کے سب اپنے اپنے دائروں میں گردش کررہے ہیں۔

یہ وہ عظیم الشان آیات ہیں جن کا ثبوت صدہا سال کے منظار اللّون وغیرہ کے مشاہدوں اور علم حیوانات کے پیہم تجربوں کے بعد ابھی پچاس ساٹھ برس نہیں ہوئے پایۂ تحقیق کو پہنچا ہے اور علمائے فطرت اس طرف گئے ہیں کہ صحیفہ فطرت میں تخلیق وتخریب کا ایک ہی قانون ہر جگہ کارفرما ہے اور اسی نقطہ نظر سے تمام کائنات فطرت ایک وحدتّ ہے جس کی تدبیر وتجویز ایک ہی مجوّز اعلیٰ کے ہاتھوں ہوئی۔

۵۔انسان کی پیدائش نفسِ واحدہ سے ہوئی

متذکرہّ بالا استدلال کو اَور ذرا دور کھینچ کر فطرت کے علما ارضی حیوانات کے ترکیب اعضا اور روئے زمین کے طبقوں میں ادنیٰ حیوانات کے تدریجی ارتقا کے جانکاہ اور زہرہ گداز مشاہدوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ روئے زمین پر زندگی کی ابتدا صرف ایک خلیّے (یعنی زندہ حُجرے) سے ہوئی جو فی الاصل وہ خوردبینی حیوانات تھے جو شروع شروع میں روئے زمین پر تن تنہا نمودار ہوئے تھے۔انہی خلیّوں کے استعمار اور اجتماع سے زیادہ پیچیدہ اعضا کے حیوانات رفتہ رفتہ روئے زمین پر قائم ہوتے گئے ،حتیٰ کہ زندگی کی تکمیل اشرف الخلق انسان پر ہوئی جس کے اعضا کی تقویم ارتقا کے مدارج کے اعتبار سے بہترین ہے۔اس حیرت انگیز حقیقت کا اعلان قران حکیم نے اُس وقت کیا جس وقت کہ تمام انسانی دنیا انتہائی جہالت اور عجیب وغریب وہموں میں غرق تھی اور کسی متنفّس کو گمان تک نہیں ہوسکتا تھا کہ انسان کی پیدائش کی ابتدا (نفس واحدۃ سے ہوئی جو جان کی وہ مطلق اکائی ہے جس کا نام علمائے فطرت نے آج تیرہ سو برس کے بعد خلیّہ یا حجرہ زندگی رکھا ہے۔سورۂ انعام میں ہے:۔

(۲۸۳) ا۔ وھو الذی انشاء کم من نفس واحدۃ فمستقر ومستودع☆ ط

قد فصلنا الایت لقوم یفقھونo: (۶/ ۱۲)

(۲۸۳)ا۔خدا وہ ہے جس نے تم انسانوں کی زندگی کی ابتدا ایک نفس واحدہ سے کی۔پھر اس نفس واحدہ کا ارتقا ایک عارضی جائے قرار سے دوسرے عارضی جائے قرار تک رفتہ رفتہ

☆ مستقر کا لفظ عارضی جائے قرار کے لئے اور مستودع کا لفظ مستقل جائے قرار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔فتدبّر۔

ہوتا رہا حتیٰ کہ وہ ارتقا ایک آخری جائے قرار پر آ کر ختم ہوا۔ ہم نے اس قوم کے لئے جو صحیفہ فطرت کا صحیح تفقہ کرنے کے درپے ہے، فطرت کے اندرونی بھیدوں کی (آیات) پوری تفصیل فی الحقیقت ان الفاظ کو کہہ کر کر دی ہے۔

ایک دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ تفصیل زیادہ مشکل الفاظ میں کر دی ہے کہ نہ صرف انسان کی پیدائش کی ابتدا نفس واحدہ سے ہوئی ہے بلکہ اسی نفس واحدہ کے اندر سے ہی انسان کا جوڑا یعنی عورت پیدا کی۔ اس کی تشریح علم فطرت کے حالیہ انکشافات سے حیرت انگیز طور پر ہوتی ہے جس کے رُو سے ادنیٰ قسم کے خوردبینی حیوانات میں تزوّج یعنی ''جوڑا بننا'' مفقود ہے۔ ہر خلیّہ ایک مدّت کے بعد خود بخود دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور نر و مادہ کی تمیز اُس میں نہیں، لیکن رفتہ رفتہ اعلیٰ قسم کے خوردبینی حیوانات میں دو قسم کے خلیے ظاہر ہوتے ہیں جن کے آپس میں مل جانے سے نئے خلیّے کی پیدائش ہوئی ہے۔ گویا اُسی ادنیٰ خوردبینی حیوانات کے ارتقا سے نر و مادہ کی تمیز پیدا ہوئی جو مستقل طور پر انسان تک پہنچی۔

(۲۸۳) ۲۔ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا ج :(۷/۲۴)

(۲۸۳) ۲۔ وہ (پاک ذات) ہے جس نے تم انسانوں کو جان (نفس) کی (مطلق) اکائی سے پیدا کیا اور پھر اس **مطلق اکائی** سے ہی **اس جان کے جوڑے** کو پیدا کیا تاکہ وہ اس سے آرام اور تسکین لے۔

(۲۸۳) ۳۔یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیرا ونسآء ج واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام ط ان اللہ کان علیکم رقیباo: (۴/۱)

(۲۸۳) ۳۔ اے انسانو! اپنے پروردگار سے خوفزدہ رہو کیونکہ یہی وہ پروردگار عالمیاں ہے جس نے تم کو ایک نفس واحدہ سے پیدا کیا، پھر اس نفس واحدہ سے (ترقی کے مدارج طے کرا کر) اس کا جوڑا (یعنی مادہ) پیدا کیا اور انہی نفس واحدہ سے روئے زمین کے کروڑوں مرد اور عورت پیدا کئے۔ اور خوفزدہ ہو جاؤ اس پاک ذات سے جس کے متعلق تمہاری اور تمہاری اولادوں کی پُرسش ہوگی۔ بے شک وہ خدائے عظیم تمہارے اعمال کا پورا نگراں ہے (کہ دیکھے کہ تم انسان

ارتقاکےاس بلند درجے تک چڑھ کر صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش کس طرح پر کرتے ہو)۔

(۲۸۳) ۴۔ومن كل الثمرات جعل فيها زوجين اثنين يغشي اليل النهار ط ان في ذلک لايت لقوم يتفكرونo: (۱۳/۱)

(۲۸۳) ۴۔ اور تمام (دنیا کے) پھلوں کے ان کے اندر ہی دو افراد بنا دیئے جو جوڑے ہیں۔(جس طرح) رات دن پر چھا جاتی ہے اسی طرح یہ جوڑے لپٹ جاتے ہیں بے شک اس میں سوچنے والی قوم کیلئے بہت سے اشارات ہیں۔

(۲۸۳) ۵۔ ومن كل شيي خلقنا زوجين لعلكم تذكرون o ففروا الى الله ط انی لکم منه و نذير مبينo: (۵۱/۳)

(۲۸۳) ۵۔ اور (دنیا کے پھل ہی نہیں بلکہ دنیا کی) ہر شے سے ہم نے دو جوڑے بنا دیئے تاکہ تم عبرت پکڑ سکو۔تو (لوگو! اس حیرت انگیز منظر کو دیکھ کر، اللہ کی طرف بھاگو (کیونکہ) میں درحقیقت اسی کی طرف سے تم کو صاف طور پر ڈرانے والا بن کر آیا ہوں۔

۶۔انسان سے بھی برتر مخلوق کائنات میں موجود ہے

ایک حیران کن انکشاف جس کی تصدیق کے لئے انسان شائد اگلے ہزاروں برس تک فطرت کے گوشے گوشے میں خاک چھانتا پھرے یہ انتہائی طور پر دلیرانہ اعلان ہے کہ انسان کی فضیلت دوسرے حیوانات کی کثیر التعداد نوعوں پر ہے، سب پر نہیں اور آسمان کے دوسرے ستاروں میں انسان سے بھی بہتر مخلوق بس رہی ہے!۔

(۲۸۴) ولقد كرمنا بنی آدم وحملنهم فی البر والبحر ورزقنهم من الطيبت وفضلنهم على كثير ممن خلقنا تفضيلاo: (۷۱/۷)

(۲۸۴) اور بے شک ہم نے نسل انسانی کو بڑی ہی عزت دی اور انسان کو بَرّ و بحر پر غالب کر دیا اور ان کو نہایت پاکیزہ اشیا دیں بلکہ اس کو ہماری تمام پیدا کردہ مخلوق میں سے اکثر مخلوق پر برتری دی۔(۱۳۷۰ برس پہلے یہ کہنا کہ انسان بڑا مکرّم ہوگا) برو بحر پر اس کا غلبہ ہوگا قران کے پڑھنے والے کو محوِ حیرت کر دیتا ہے)۔

ان "ہوائی اڑن طشتریوں" سے جو پچھلے چند سالوں سے آسمان پر اُڑتی دکھائی دیتی ہیں یا ابھی چند ہفتوں☆ سے اخبارات کے اس شور شر سے کہ دوسرے ستاروں کے باشندے "بم پھینک کر" ہماری زمین کو تباہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں، یہاں کے انسانوں کو کچھ کچھ احساس ہونے لگا ہے کہ ہم سے بہتر مخلوق ضرور دوسرے ستاروں میں مقیم ہوگی جن کی علمی ترقیاں ہم

☆ یہ تحریر ۲۹/ جولائی ۱۹۵۳ء کی ہے۔

سے غالباً بہت زیادہ ہیں۔مگر یہ باتیں ابھی تک محض اٹکل پچو اور غیر معیّن ہیں، ان کی اکثر بنیاد ظنّ وتخمین پر ہے، صحیح اور براہ راست علم پر قطعاً نہیں۔

۷۔تمام پیدائش سلسلہ وار ہوئی اور سلسلہ توالد وتناسل ایک ہے

جو شے ماہرین علم حیوانات وعلم طبقات الارض کو صدیوں کی طبقہ بہ طبقہ تلاش وتفتیش کے بعد حاصل ہوئی یہ تھی کہ زمین پر سب سے پہلے بہ اعتبار اعضائے بدن ادنیٰ قسم کی مخلوق ظاہر ہوئی، پھر وہی مخلوق اُسی ایک ہی سلسلہ توالد وتناسل سے اعلیٰ قسم کے اعضائے بدن والی مخلوق میں ارتقا کرتی رہی حتیٰ کہ ''چار پیروں والے انسان'' کاظہور ہوا۔قران حکیم نے اس عظیم الشان راز کا چودہ سو برس پہلے اس حیران کن وضاحت سے اعلان کیا اور ساتھ ہی ان حیران کن الفاظ میں اِس وضاحت کی اہمیّت کے متعلق تنبیہہ کردی بلکہ اس کو عیاں الفاظ میں علم کا صراط مستقیم کہا کہ دنیا کی اس بے مثال کتاب کی صرف سورۂ نور کی ذیل کی آیت اس کو ابدالآ باد تک خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔میں اس آیت کا لفظی ترجمہ بغیر کسی خطوط وحدانی کے کرتا ہوں تاکہ خدا کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کی اہمیّت دل نشین ہوجائے اور کسی متنفّس کے دل میں ادنیٰ شک نہ گذرے کہ میں نے ترجمہ میں اپنا مطلب نکالنے کے لئے کچھ الفاظ اپنی طرف سے لگالیے ہیں۔قران میں ہے:۔

(۲۸۵)ا۔ والله خلق كل دآبة من مآءج فمنهم من يمشي على بطنهج ومنهم من يمشي على رجلينج ومنهم من يمشي على اربعط يخلق الله ما يشآءط ان الله على كل شيي قديرo لقد انزلنا ايت مبينتط والله يهدى من يشآء على صراط مستقيمo: (۲۴/۶)

(۲۸۵)ا۔ اور خدا نے سب حیوانات کو ایک ہی پانی سے پیدا کیا۔پھر ان حیوانات میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں، کچھ ان میں سے وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، کچھ ان میں سے وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ جو شے مناسب ہے پیدا کر دیتا ہے۔ہم نے بے شک اور بالتحقیق روشن کر دینے والی آیات اتار دی ہیں اور اللہ جس کو مناسب سمجھتا ہے سیدھے راستے پر لے جاتا ہے۔

سب سے پہلے جو مخلوق روئے زمین پر نمودار ہوئی، پیٹ کے بل چلنے والے کیڑوں (مثلاً ایک خلیّے کے خوردبینی حیوانات، یا مضغہ گوشت کی شکل کے حیوانات، یا جونکوں کی شکل کے ''رینگنے

والے گنڈووں'') کی مخلوق تھی، جن کی کوئی ریڑھ کی ہڈیاں نہ تھیں اور کوئی اعضائے رئیسہ مثلاً دل، جگر، سر وغیرہ بلکہ ہاتھ پاؤں نہ تھے۔ یہ مخلوق ارتقا کرتے کرتے ریڑھ کی ہڈیوں والی مچھلی بنی۔ پھر اس مخلوق کے ارتقا سے پَروں والی مچھلیاں اور پرندے پیدا ہوئے اور ان سے دو ٹانگوں والے حرزون یعنی چھپکلیاں جنہوں نے اپنے ہیبت ناک بڑے بڑے جسموں سے زمین پر ایک قیامت برپا کر دی تھی۔ ان دو ٹانگوں پر سر، جگر، معدہ، اور دل والے پرندوں کے ارتقا سے دودھ دینے والے جانور جن کی چار ٹانگیں اور اعلیٰ قسم کے اعضائے رئیسہ تھے نمودار ہوئے اور ان میں انسان بھی شامل ہے۔ اس تمام مخلوق کے ارتقا کی تفصیل علم طبقات الارض کا ایک مشہور باب ہے اور کتاب فطرت کے تمام ورق واضح طور پر اس درجہ بدرجہ پیدائش کی اطلاع انسان کو دے رہے ہیں۔ اس موضوع کی ایک جھلک تذکرہ مجلد اوّل اصل کتاب کے صفحات ۱۱ تا ۴۷ کے تحت المتن میں دکھلا دی گئی ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان کروڑوں برسوں کے ارتقا کی کہانی کو قران عظیم نے کس صحت اور عظمت کے ساتھ ان چند لفظوں میں بیان کیا ہے اور کس حیرت انگیز ہمہ دانی کے ساتھ انسان کو چار ٹانگوں والی مخلوق میں داخل کر کے گویا دودھ پلانے والے جانوروں کو سب سے اعلیٰ مخلوق میں شامل کر کے انسانی اعضا کے ارتقا کی تقسیم بعینہٖ اسی ڈگر پر کی ہے جس ڈگر پر آج فطرت کے عالم اس کو کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں حالانکہ سرسری نظر سے اگر دیکھا جائے تو انسان دو ٹانگوں والی مخلوق نظر آتا ہے اور دو ٹانگوں والی مخلوق ہی سرسری نظروں میں افضل سمجھی جانی چاہیے تھی۔ صرف یہی نکتہ تیرہ سو ستر برس پہلے کے قران کے منجاب اللہ ثابت کرنے کے لئے کافی تھا لیکن اس آیت کے بعد کے الفاظ یہ آیات ''روشن کر دینے والی آیات'' ہیں اور خدا جس کو مناسب سمجھتا ہے ''راہ راست'' دکھا دیتا ہے حیرانی میں ڈال دیتے ہیں کہ کیوں اس معمولی سے بیان کو کہ کچھ حیوانات پیٹ پر، کچھ دو ٹانگوں پر اور کچھ چار ٹانگوں پر چلتے ہیں ''روشن کر دینے والی آیات'' اور ''سیدھا راستہ'' کہا۔ صاحب نظر کے لئے یہی ایک آیت اس امر کا ثبوت ہے کہ قران حکیم کا دیا ہوا علم وہ غالب اور آنکھوں کو روشن کر دینے والا علم ہے جس کی تہ کو پا کر فطرت کے عالم لڑکھڑا کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں گویا خروا سجدا کے مصداق ہو جاتے ہیں۔

قران حکیم کا صرف یہ دعویٰ کہ تمام مخلوق کا سلسلہ توالد و تناسل ایک ہی پانی یعنی ایک ہی نطفہ

منی سے ہے، وہ عظیم الشان دعویٰ ہے کہ کوئی عالم فطرت اس کے سامنے سر جھکائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس سے بھی زیادہ معنی خیز ایک اشارہ انسان کی پیدائش کے متعلق قران حکیم میں ہے جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کی پیدائش ''زمین'' سے ہوئی اور اُسی طرح ہوئی جس طرح کہ ایک پودے کی ہوتی ہے۔ گویا انسان کی تخلیق کا سلسلہ ایک شجر کی مانند تھا جس کی اصل یعنی جڑ ایک تھی، پھر آہستہ آہستہ اس کی مختلف شاخیں ہوگئیں اور اس شجر کی ایک ٹہنی پر انسان بطور ایک پھول کے لگا۔ علمائے طبقات الارض کو خوب معلوم ہے کہ یہ مثال انسان کی پیدائش پر کس طرح ٹھیک طور پر چسپاں ہوتی ہے۔ جب بظاہر انسان زمین سے پودے کی طرح نہیں اُگا تو لامحالہ اس آیت کے اَور گہرے معنی ہونے لازم ہیں۔

(۲۸۵) ۲۔ واللہ انبتکم من الارض نباتا ٥لا ثم یعیدکم فیھا ویخرجکم اخراجاً٥: (۷۱/۱)

(۲۸۵) ۲۔ اور اللہ نے تم انسانوں کو زمین سے ایک پودے کی طرح اُگایا۔ پھر تم کو اسی زمین میں واپس کر دے گا اور پھر تم کو (کسی اور ڈھنگ سے (زمین سے) باہر نکالے گا۔

۸۔ انسان کی پیدائش کی تکمیل ایک پیدائش سے دوسری پیدائش میں منتقل ہونے کی وجہ سے ہوئی

تمام مخلوق زمین کے اسی ایک سلسلہ توالد و تناسل کے ہونے کی وجہ سے قران حکیم نے چودہ سو برس پہلے جب کہ تمام دنیا رحمِ مادر کے متعلق ادنیٰ علم نہ رکھتی تھی اور علم تشریح الابدان کا اس زمین پر نام ونشان تک نہ تھا، دھڑلّے سے اعلان کیا کہ ''تبدیل نوع'' (یعنی ادنیٰ مخلوق کے ایک نوع حیوانی سے دوسرے نوع حیوانی میں بدلنے) کا سلسلہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں دُہرایا جاتا ہے کیونکہ تقاضائے فطرت یہ ہے کہ وہ اُن تمام مرحلوں کو دُہراتی جائے جن مرحلوں سے ارتقا کرتے کرتے ادنیٰ مخلوق اعلیٰ مخلوق بن کر انسان بنی تھی۔ چنانچہ آج کل کے علمائے فطرت کی تحقیق یہ ہے کہ نطفۂ منی ماں کے رحم کے اندر جا کر پہلے مضغہ گوشت سا بنتا ہے، پھر رفتہ رفتہ اس کے اعضا پیدا ہوتے ہیں، پھر دو پاؤں پیدا ہوتے ہیں، پھر چار پاؤں، پھر بندر کی شکل اختیار کر لیتا ہے، وغیرہ وغیرہ، حتیٰ کہ وہ پورا انسان بن جاتا ہے۔ سورہ زُمر میں ہے:۔

(۲۸۶)۱۔ خلق کم من نفس واحدة ثم جعل منها زوجها وانزل لکم من الانعام ثمنیة ازواج ط یخلقکم فی بطون امهاتکم خلقاً من بعد خلق فی ظلمت ثلث ط ذلکم الله ربکم له الملک ط لا اله الا هو ج فانی تصرفون٥: (۳۹/ ۱)

(۲۸۶)۱۔تم کوایک مطلق جان کی اکائی سے پیدا کیا پھراسی نفس واحدہ کے اندر سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور مویشیوں میں سے تمہارے لئے آٹھ جوڑے پیدا کئے (ابھی اس کے متعلق تحقیق باقی ہے کہ یہ آٹھ کونسے ہیں) وہ (خلاّق زمین وآسمان) تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش میں منتقل کر کے تم کو پیدا کرتا ہے (اور یہ عمل اس قدر حیرت انگیز ہے کہ انسان اس کو دیکھ کر انگلیاں مُنہ میں لے لیتا ہے) تو تمہارا پالنے والا اللہ (اس حیرت انگیز قدرت کا مالک ہے) حکومت اسی کی ہے۔اس کے سوا کوئی لائق اطاعت نہیں تو (بتلاؤ) تم کدھر کو بھٹکے جا رہے ہو۔

(۲۸۶) ۲۔ ا ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدة ط ان الله سمیع بصیر٥: (۳/۳۱)

(۲۸۶) ۲۔ (اے لوگو!) نہیں تمہاری پیدائش اور نہیں تمہارا (اس زمین پر) ظہور مگر نفس واحدہ کی طرح (یعنی تمہاری پیدائش جس طرح جان کی اکائی سے ہے اسی طرح تمہارا ایک جان ہو کر زمین پر رہنا ضروری ہے) بے شک خدا نہایت ہی سمجھ سوچ والا ہے (جو ہمیں اتحاد عمل کا سبق دیتا ہے)

۹۔فطرت کے انعامات اور ’’آیاتِ‘‘ ☆ خدا لامتناہی ہیں!

’’کلماتِ‘‘ خدا یا کلمات ربّی کے الفاظ کے متعلق جو قران کریم میں تین چار جگہ وارد ہوئے ہیں مولوی صاحبان اور مفسّرین نے وہ آئیں بائیں شائیں کی ہے کہ عقل حیران ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک قران اور دین کو افسانہ بنا دینے سے اس کے منجانب اللہ ہونے پر زیادہ اطمینان ہو جاتا ہے۔سورہ انعام میں تمت کلمت ربک صدقا وعدلا ط لا مبدل لکلمته ج وهو السمیع العلیم ٥: (۱۴/۵۶) کے الفاظ قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ ’’کلماتِ ربّ قران حکیم میں صدق اور عدل پر ختم ہو گئے ہیں، کوئی بیرونی طاقت خدا کے کلمات کو بدل نہیں سکتی کیونکہ خدا نے جو کچھ کہا ہے انتہائی سوچ بچار اور علم کے زور پر کہا ہے۔اس لحاظ سے کلماتِ ربّ کا پہلا مفہوم واضح طور پر وہ قرانی آیات ہیں جن میں خدا کا پیغام دیا گیا ہے۔ان الفاظ کے ہوتے ہوئے قران میں دو جگہ کلمٰت ربّ کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں ہے:۔

☆ آسمان اور زمین کی اشیا سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے ان کو بھی قران حکیم نے (قرانی آیات کے علاوہ) ’’آیات‘‘ کہا ہے جیسا کہ مقام فطرت کے عنوان کے تحت کئی آیتوں مثلاً ان فی السموات والارض لایات للمومنین٥: (۴۵/۱) سے ظاہر ہے۔

(۲۸۷) لـ ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعده سبعة ابحر ما نفدت کلمت☆ الله ط ان الله عزیز حکیمo: (۳/۳۱)

(۲۸۷)لـ اگر زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سطح زمین کے سمندر اس کے بعد سات سمندر بن کر ان قلموں کی سیاہی بن جائیں تو کلمتِ خدا ان قلموں سے لکھتے لکھتے کبھی ختم نہ ہونگے اس لئے کہ در حقیقت خدا بڑا صاحب عزّت وغلبہ اور بڑا صاحب علم وحکمت ہے۔

ایک دوسری جگہ اسی طرح پر ہے:

(۲۸۷) (ب) قل لو کان البحر مداد الکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مدداo: (۱۲/۱۸) ☆☆

(۲۸۷)ب۔ اے پیغمبرؐ کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کے کلمات کو لکھنے کے لئے سیاہی بن جاتا تو سمندر باوجود اس کے کہ ہم ایک اور سمندر اسی طرح کا اس کی مدد کے لئے لے آتے، ختم ہوجاتا پیشتر اس کے کہ کلماتِ ربّ ختم ہوجائیں۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ آیات قرانی کے علاوہ کوئی اور ''کلمات ربّ'' بھی ہیں جو اس کثرت سے ہیں کہ سات سمندروں کی سیاہی اور تمام زمین کے درخت قلم بن کر ان کو لکھ نہیں سکتے۔ ادنیٰ تامّل کے بعد یہ نتیجہ لازم آتا ہے کہ یہ کلمات سوائے اس کے ہرگز نہیں ہوسکتے کہ وہ صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی وہ لامتناہی ایجادات واختراعات یا خدا کے کام سے اخذ کئے ہوئے وہ ابدالآباد تک نہ ختم ہونے والے اشارات اور احکام ہیں جو انسان کو آئے دن صحیفہ فطرت کی تلاش وتفتیش کے ضمن میں ملتے رہتے ہیں اور جن پر زمین کی ترقی کا تمام حصر ہے۔ اسی نکتے کو مدِّ نظر رکھ کر قران میں جابجا صحیفہ فطرت کی تلاش کی ترغیب دے کر ان **فی ذلک لاٰیات لقوم یعلمونo و یومنون یسمعون** وغیرہ کہا گیا اور جس کے متعلق مفصّل بحث مقام فطرت کے عنوان کے تحت میں گذر چکی ہے۔ (دیکھو حدیث القران صفحہ ۱۵ تا ۲۱)

۱۰۔ زمین کی حیوانی اُمّتیں انسانی اُمّتوں کیلئے مستقل سبق ہیں

بنی نوع انسان کے لئے روئے زمین پر، انفرادی مسئلوں سے قطع نظر، سب سے بڑا مسئلہ انسانی اُمّتوں کے عروج وزوال کا مسئلہ ہے۔ طبقات الارض کے مطالعے سے یہ مستنبط ہوا ہے کہ ابتدائے

☆ آج تک کروڑ در کروڑ انسان خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی تلاش میں لگے ہیں اور ابھی کروڑوں برس تک تلاش ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔'' ''کلمٰت الله'' کا مفہوم یہی ہے۔

☆☆ لیکن اس آیت کے سیاق وسباق کو پورے طور پر سمجھنے اور ''کلمٰت ربی'' کی تلاش کے بعد ''ملاقات خدا'' کا انعام حاصل کرنے کے بارے میں دیکھو (۱۳۱) صفحہ ۶۹

آفرینش سے اس وقت تک ہزار در ہزار حیوانی اجناس بلکہ انواع بھی کشمکش حیات سے نامکمّل مقابلے یا عدم صلاحیّت کے باعث روئے زمین پر ناپیدا ہوتی گئیں اور ان کی جگہ صالح تر اجناس او انواع نے لے لی۔ انتخاب طبیعی یا بقائے اصلح کے اس عمل میں جو بواعث صالح تر اجناس و نواع کے افراد میں کارفرما ہے اُن کا مطالعہ نسل انسانی کے لئے ایک مستقل سبق ہے اور چونکہ اس مطالعے سے فطرت کا منشا انسان پر واضح ہوتا ہے، صحیفہ فطرت کا اس نظر سے مطالعہ انسان کے لئے مادی ترقی اور بقا کے وہ نئے دروازے کھول دیتا ہے جو اَور کسی طرح کے علم حاصل کرنے سے نہیں کھل سکتے۔قران حکیم نے اس اہم نکتے کو پیش نظر رکھ کر انسان کی توجہ بقا و فنا کے اِس اہم ترین مسئلے پر حسب ذیل معنی خیز الفاظ میں دلائی جس کی تہ کو پہنچ کر ہر ماہر فطرت کا حیرت زدہ ہو کر رہ جانا لازمی ہے۔سورۂ انعام میں ہے:۔

(۲۸۸) وما من دابة فی الارض ولا طئر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم ط ما فرطنا فی الکتاب من شئ ثم الی ربهم یحشرون o والذین کذبو بایتنا صم و بکم فی الظلمت ط من یشا اللـه یضلله ط ومن یشا یجعله علی صراط مستقیمo: (۶/۴)

(۲۸۸) اور زمین میں کوئی چارپایہ ایسا نہیں، نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر یہ کہ یہ سب انواع و اجناس تمہاری ہی طرح کی امتیں ہیں (جو کشمکش حیات اور جہد البقا کے مخمصوں میں اسی طرح کے تم لگے ہو لگی ہیں۔انہی اُمّتوں کے بواعثِ عروج و فنا کے مطالعے سے تم اپنے لئے لائحہ عمل وضع کر سکتے ہو اور اگر تم غور سے ہماری اس توضیح کی تہہ تک پہنچ سکے تو تم کو ماننا پڑے گا کہ (ہم نے اس قران میں (تم کو قانون فطرت سے خبردار کرنے کے لئے) کوئی چھوٹی موٹی شے بھی چھوڑی نہیں (جس سے تم کو بروقت آگاہ کرنا ضروری ہو)۔(تو سمجھ لو کہ قانونِ خدا کو اس مکمل طور پر واضح کر دینے کے بعد) پھر تم اپنے پروردگار کے حضور میں (اپنے اعمال کی جواب دہی اور اجر لینے یا سزا بھگتنے کے لئے) جمع کر دیئے جاؤ گے۔اور (یاد رکھو کہ) جن لوگوں نے ہماری (صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی) آیتوں کو (یا ان اشاروں کو جو ہم کتاب وحی میں تمہاری بہتری کے لئے دے رہے ہیں) جھوٹ سمجھا (یا ان کو مخول سمجھ کر اُن سے بے پرواہی اختیار کی) تو وہ گونگے

اور بہرے ہیں جو اندھیرے میں پڑے (بھٹک رہے) ہیں خدا جس کو مناسب سمجھتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو مناسب سمجھتا ہے صراط مستقیم پر لے جاتا ہے۔

کتاب خدا میں کسی شے کے حذف نہ کرنے کے اعلان سے واضح ہے کہ قران کا انسانی اُمتوں کو حیوانی اُمتوں کے بقاوفنا کے بواعث سے سبق لینے کی تلقین کرنا انسانی تعلیم کا کس قدر اہم حصّہ ہے اور قران کس وثوق سے اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ خدا کے قانون کو سمجھ کر اگر بقاوخلود کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو صحیفہ فطرت کا مطالعہ کرو۔ اسی روشن کتاب کے اندر قوموں کے عروج وزوال کے اسباب جلی حروف سے لکھے ہیں۔ کسی اَور طریقے سے انسانی ذہنوں میں اس عظیم الشان قانون پر عمل کا احساس پیدا نہیں ہوسکتا۔ نہیں بلکہ واضح طور پر اعلان کر دیا کہ اگر صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی آیات کو بے حقیقت اور نا قابل توجہ سمجھو گے تو گونگے بہرے اور اندھے بن کر گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس کارخانہ قدرت میں صراط مستقیم ایک ہی ہے وہ صحیفہ فطرت کا مطالعہ ہے اور انسانی امتوں کے لئے صراط مستقیم ادنیٰ مخلوق کے کردار واعمال کا صحیح مطالعہ کرنا بھی ہے۔

۱۱۔ خدا کا جاری کردہ قانون اٹل ہے اور اس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں!

انسان کو صحیفہ فطرت کی بے انتہا مضبوطی اور قانون فطرت سے برگشتگی کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہونے کا احساس دلانے کے لئے قران نے اعلان کر دیا کہ خدا کا قانون اٹل ہے اس میں کسی طرح کی تبدیلی محال ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں قانون خدا کا بہرنوع احترام اور اس کی تعمیل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ خدا کا بھیجا ہوا دین ہر طرح کی نا قابل یقین باتوں اور مافوق الفطرۃ عقیدوں سے پاک ہے اور خدا کا یہ دستور ہرگز نہیں کہ وہ کسی خاص موقع پر یا کسی خاص شخص یا قوم کی خاطر اپنا اٹل قانون بدل دے:

(۲۸۹) ۱۔ سنة الله التی قد خلت من قبل ج صلے

(۲۸۹) ۱۔ (لوگو! یہ جنگ کے ہر موقع پر ایمان والی قوم کا

ولن تجد لسنة الله تبديلاo: (۳/۴۸) (نیز دیکھو: ۱۷/ ۸)

فتح پا جانا اور کافر قوم کا پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا) خدا کا وہ اٹل قانون ہے۔ جو پہلے سے چلا آیا ہے اور تو ہرگز ہرگز خدا کے اٹل قانون میں کبھی تبدیلی نہ پائے گا۔

(۲۸۹) ۲۔ فهل ينظرون الا سنة الاولين ج فلن تجد لسنة الله تبديلا o ولن تجد لسنة الله تحويلاo: (۵/۳۵)

(۲۸۹) ۲۔ تو کیا یہ لوگ (جو تنبیہ آئے پیچھے مکر کر رہے ہیں) کسی دوسری شے کا انتظار کر رہے ہیں (سوائے سزا کے) اس) (اٹل) قانون کا جو اُن سے پہلوں کا تھا۔ تو (یاد رکھو کہ) تُو ہرگز کوئی تبدیلی قانون خدا میں نہ پائے گا اور ہرگز کوئی ردّ و بدل قانونِ خدا میں نہ دیکھے گا۔

(۲۸۹) ۳۔ سنة الله فى الذين خلوا من قبل ج ولن تجد لسنة الله تبديلا o: (۸/۳۳) (نیز دیکھو: ۵/۳۳)

(۲۸۹) ۳۔ یہ خدا کا دستور ان لوگوں میں ہے جو پہلے گذر گئے اور تو ہرگز ہرگز قانونِ خدا میں کوئی ردّ و بدل نہ پائے گا۔

۱۲۔ قران حکیم کے اَور دعاوی وتصریحات (۱)

اپنے متعلق قران حکیم نے کہا کہ وہ صرف صاحب علم قوم کے لئے ہے، جہلا اور ظنّ و وہم پر یقین کرنے والی قوم کے لئے نہیں:۔

(۲۹۰) ۱۔ كتب فصلت ايته قرانا عربياً لقوم يعلمونo: (۴۱/ ۱)

(۲۹۰) ۱۔ یہ (قران) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاحب علم قوم کیلئے کھول کھول کر عربی قران (کی صورت) میں کردی گئی ہیں۔

وہ بغیر کسی ٹیڑھا پن کے ہے:۔

(۲۹۰) ۲. قرآنا عربياً غير ذى عوج لعلهم يتقونo: (۳۹/۳)

(۲۹۰) ۲۔ یہ ایک عربی (زبان کا) قران ہے جو بغیر کسی ٹیڑھا پن کے ہے تا کہ لوگ (اس کی بتائی ہوئی سزاؤں سے) بچیں (اور یہ نہ کہیں کہ ہم نے سمجھا ہی نہ تھا)۔

(۲۹۰) ۳. الحمد لله الذى انزل على عبده الكتٰب ولم يجعل له عوجاoط: (۱۸/ ۱)

(۲۹۰) ۳۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے اپنے بندے پر (ایسی) کتاب اتاری کہ جس میں اس نے کوئی کجی نہ رکھی۔

وہ احسن الحدیث ہے جس کے مطالعے سے خدا سے ڈرنے والوں کی چمڑیاں کانپتی ہیں۔ (سورۂ زمر) **الله☆ نزل احسن الحديث:** (۳۹/۳)۔ وہ اگر پہاڑ پر اترتا تو پہاڑ کانپ اٹھتے:۔

لو انزلنا هذا القران على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشيت الله: (۵۹/۳)۔ وہ شعر نہیں ہے **وما علمنه الشعر وما ينبغى له ط ان هو الا ذكر وقرآن مبين o لينذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين o:** (۳۶/۵)

☆اس کے بعد ہے: تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم: (۳۹/۳) (۱) دعاوی ظاہر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ قران کی عظمت ظاہر ہو۔

اس کارخانہ فطرت میں ظلم اور بے انصافی کسی جگہ نہیں۔ نہ قرانِ عظیم میں کسی قسم کی کوئی غلط بیانی یا دھوکہ ہے:۔

(۲۹۱) ا۔ما یبدل القول لدی و مآ انا بظلام للعبیدo: (۲/۵۰)

(۲۹۱)ا۔ میرے ہاں قول بدلتا نہیں اور میں بندوں پر (ادنیٰ) ظلم کرنے والا نہیں۔

(۲۹۱) ۲۔وانہ لکتب عزیز o لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ ط تنزیل من حکیم حمیدo: (۸/۴۱)

(۲۹۱)۲۔ بے شک یہ بڑی ہی قابل قدر کتاب ہے۔ نہ اس (کی کسی کہی ہوئی شے) کو آگے سے جھوٹ آ کر ملاقات کرتا ہے نہ پیچھے سے (یہ کیسے ہو سکے) یہ تو انتہائی طور پر صاحبِ حکمت اور لائق حمد خدا کی طرف سے اتاری ہوئی ہے)۔

خدا کی تمام مخلوق پیدا ہی اس لئے کی گئی ہے کہ وہ ملازموں کی طرح میرے قانون کی تعمیل میں لگی رہے۔

(۲۹۲) وما خلقت الجن والانس الا لیعبدونo: (۳/۵۱)

(۲۹۲) میں نے جنّ وانس کو پیدا ہی نہیں کیا مگر اس لئے کہ میری ہی ملازمت میں لگے رہیں (اور میرے ہی احکام مانتے رہیں)۔

انسان کو ہرگز کچھ نہیں مل سکتا مگر وہ جس کے لئے اس نے سعی کی اور کوئی متنفّس کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:۔

(۲۹۳) ا۔الا تزر وازرة وزراخری o وان لیس للانسان الاماسعی o وان سعیہ سوف یریo ص: (۳/۵۳)

(۲۹۳)ا۔ یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور انسان کیلئے ہرگز کوئی شے میسّر نہیں ہوگی مگر اس قدر جس قدر کہ اس نے کوشش کی اور اس کی کوشش ہی کو آگے چل کر دیکھا جائے گا۔

(۲۹۳) ۲. ولا تزروازرة وزراخری ج: (۶/۲۰)

(۲۹۳)۲۔ اور یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا (ان دونوں آیات نے وہ تمام اوہام باطلہ دور کر دیئے کہ دنیا میں کوئی قانون نہیں)۔

جس قوم یا شخص کو اس دنیا میں اپنی بہبودی یا منزل تک پہنچنے کا راستہ نہیں ملا وہ آخرت میں بھی اندھا ہے۔ اس بنا پر اقوام اور افراد کا پہلا فرض ہے کہ وہ اس دنیا کے اندر اپنی کامیابی کی راہ نکالیں۔ اس حساب سے وہ مولویانہ تخیّل کہ جس کو یہاں کچھ نہیں ملا آگے چل کر ملے گا قطعاً غلط ہے:۔

(۲۹۴) ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرة اعمی واضل سبیلاo: (۸/۱۷)

(۲۹۴) جو قوم اس دنیا میں اندھی رہی (اور اس کو اپنی بہتری کی راہ نہ ملی) وہ آخرت میں بھی اندھی ہوگی اور سب سے زیادہ راہ گم کردہ۔

خدا تک پہنچنے کے لئے یہ انسانی آنکھیں بکار نہیں اس لئے انسان کا ارتقا لازماً ایک ایسی مخلوق تک ہوگا جس کے پاس اس سے بہتر اعضا ہوں گے:۔

(۲۹۵) لا تدرکه الابصارز وھو یدرک الابصار ج وھو اللطیف الخبیرo: (۱۳/۶)
(۲۹۵) انسان کی یہ مخصوص آنکھیں (جو تمہارے پاس اس وقت ہیں) خدا کو نہیں پاسکتیں اور وہی ہے جو ان آنکھوں کی درک لگا سکتا ہے (کہ ان میں کیا نقص ہے) اور وہ بڑا باریک بین اور صاحب خبر ہے۔
اگر جنّ وانس بھی اکٹھے ہوکر اس قران کے برابر کوئی قران لانا چاہیں گے تو ہرگز نہ لاسکیں گے۔
(۲۹۶) قل لئن اجتمعت الانس و الجن علی ان یأتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضھم لبعض ظھیراo: (۱۰/۱۷)
(۲۹۶) کہہ دو کہ اگر جنّ وانس اس پر جمع ہو جائیں کہ (متحدہ کوشش سے) اس قران جیسا (علم وخبر کا حامل) ایک قران لے آئیں تو اس جیسا (ہرگز) نہ لاسکیں گے باوجود یکہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں۔
یہ قران رسول کریمؐ کا قول ہے:
(۲۹۷) ۱۔ انه لقول رسول کریم oلا ذی قوۃ عند ذی العرش مکین oلا مطاع ثم امینoط: (۱/۸۱)
(۲۹۷) ۱۔ یہ قران بیشک ایک نہایت معزز رسولؐ کا قول ہے جو (اپنے علم کے باعث بڑا) صاحب قوۃ ہے اور (اس کا علم اس قدر وسیع اور حاوی ہے کہ گویا) وہ صاحب عرش تعالیٰ کے پاس بیٹھا ہے وہ اپنی قوم کا حکمران سردار ہے۔ (جس کا حکم واجب التعمیل ہے) پھر اسکے بعد وہ قوم کو امن دینے والا ہے۔
(۲۹۷) ۲. انـه لـقـول رسـول کـریمo ج لا ومـا ھـو بـقـول شـاعـرط قلیلاً ما تؤمنونoلا ولا بقول کاھنط قلیلا ما تذکرونo: (۲/۶۹)
(۲۹۷) ۲۔ بیشک اور درحقیقت یہ قران ایک بڑے ہی معزز رسولؐ کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کا قول بھی نہیں (جو تم اس کو مسجع اور مقفیٰ عبارت دیکھ کر سمجھے بیٹھے ہو)۔ (افسوس کہ) تم میں کیا ہی تھوڑا ایمان ہے نہ یہ کسی جادوگر کا قول ہے (افسوس کہ) کیا ہی تھوڑی نصیحت تم پکڑتے ہو۔
(۲۹۷) ۳۔نـزل بـه الروح الامینoلا عـلـی قلبک☆ لتـکـون من المنذرین oلا بلسان عربی مبینo وانه لفی زبر الاولینo: (۲۶/۱۱)
(۲۹۷) ۳۔ روح امین (یعنی حضرت جبرئیلؑ) نے اس قران کو تیرے قلب (یعنی ذہن) پر صاف عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تُو (قوموں کو سزا سے ڈرانے والوں میں سے ہو جائے اور بے شک یہی قران پہلے صحیفوں میں بھی ہے)۔
صحیفہ ہائے آسمانی جو انسانوں پر نازل ہوئے بڑے علم وخبر کے حامل تھے لیکن انسانوں نے ان سے گدھوں کا سلوک کیا اور ان کے عظیم الشان مطالب کو نہ پا کر گمراہ ہو گئے۔ توراۃ اور دوسرے صحیفہ ہائے آسمانی کے متعلق قران کی حیرت انگیز فراخدلی اور تمام آسمانی کتابوں کا ایک پیغام کا حامل ہونا اس اعلان سے ظاہر ہے:۔
(۲۹۸) ۱۔مثل الذین حملوا لتورۃ ثم لم یحملوا ھا کمثل الحمار یحمل
(۲۹۸) ۱۔ ان لوگوں کی مثال جن پر تورات (جیسی عظیم الشان کتاب) کا بوجھ ڈالا گیا تھا اور پھر وہ اس بوجھ کو اٹھا نہ سکے گدھے کی مثال ہے جس پر کتابیں لادی گئی ہوں۔ (وہ کیا جانے گا)

☆ قلب کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ جبرائیلؑ نے رسول خدا صلعم کے ذہن کی رہنمائی کی اور ہلاکت اقوام کا صحیح قانون خدا کی طرف سے لاکر دے دیا۔ (۱) شاعر اور کاہن کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ رسول کریمؐ سے مراد جبرئیلؑ نہیں۔

اسفاراط بئس مثل القوم الذین کذبوا بایتنا لله ط والله لا یھدی القوم الظالمینo: (۶۲/۱)

بہت ہی بُری مثال ہے اس قوم کی جنہوں نے خدا کی آیات کو جھوٹ سمجھ کر (ان پر عمل نہ کیا) اور اللہ تو ظالم قوموں کو کوئی راہ ہی دکھا تا نہیں۔ (اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قانون خدا کیلئے انتہائی غور وخوض درکار ہے اور عوام اس کو گدھوں کی طرح سمجھتے ہیں۔

تمہیں (یعنی ختم رُسل محمدؐ کو) بھی وہی پیغام دیا گیا جو تم سے پہلے رسولوں کو دیا گیا تھا۔

(۲۹۸) ۲۔وما یقال لک الا ما قد قیل للرسل من قبلک ط ان ربک لذو مغفرۃ و ذوعقاب الیمo: (۴۱/۵)

(۲۹۸)۲۔ تجھے کچھ نہیں گیا مگر درحقیقت وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں کو کہا گیا تھا بے شک تیرا پروردگار صاحب عفوودرگذر ہے اور ساتھ ہی دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔

کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ شخص بے خبر ہو جس نے اس زمین وآسمان کو پیدا کیا اس لئے اگر نجات ہو سکتی ہے تو اسی کے فرمودہ پر چلنے سے ہو سکتی ہے۔

(۲۹۹) الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیرo: (۶۷/۱)

(۲۹۹) (ارے!) کیا وہ نہ صحیح علم رکھتا ہو جس نے پیدا کیا ہو اور وہ بڑا ہی باریک بین اور بڑا ہی باخبر ہے۔ (اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کارخانہ کائنات میں کوئی شے اٹکل پچّو نہیں)۔

جب ہم چاہینگے اس وحی کو ایک قوم سے چھین لیں گے اور دوسری قوموں کے سپرد کردیں گے جو اس وحی سے کفر نہ کریں گی۔

(۳۰۰) ۱۔ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد لک بہ علینا وکیلاoلا: (۱۷/۱۰)

(۳۰۰)۱۔ اور جس وقت ہم مناسب سمجھیں گے تو جو کچھ تم پر وحی کیا گیا (تمہاری قوم سے) اُچک لے جائیں گے۔ پھر تُو اپنے لئے ہم پر کوئی سفارشی یا حمائتی نہ پائیگا۔ (یہ وحی آج زندہ قوموں کے پاس ہے)۔

(۳۰۰) ۲۔اولئک الذین اتینھم الکتٰب والحکم والنبوۃ ج فان یکفربھا ھولاء فقد وکلنا بھا قوماً لیسوا بھا بکفرینo؛: (۶/۱۰)

(۳۰۰)۲۔ یہی وہ قوم تھی جس کو ہم نے الکتٰب (کا علم) دیا، پھر (علم کے زور پر چلی ہوئی) حکومت دی، پھر (وہ قوم علم اور حکم کے زور پر تمام کی تمام) نبوت (میں شرابور کر) دی (گئی) تو اگر یہ لوگ ان چیزوں کی قدر نہ کر کے) اس سے منکر ہونگے تو (ہم بھی ضرور) ان کو ایک ایسی قوم کے سپرد کردیں گے جو ان سے منکر نہ ہوں گے۔

جن قوموں نے ہماری نافرمانی کی ہم ان کو بے خبری میں آہستہ آہستہ ذلت کی طرف گھسیٹے لے جائیں گے اور مہلت بھی دیں گے کہ وہ درست ہو جائیں کیونکہ ہمارا داؤ بڑا مضبوط داؤ ہے۔

(۳۰۱) لہ فذرنی و من یکذب بھذا الحدیث ط سنستدرجھم من حیث لا یعلمونo و املی لھم ان کیدی متینo: (۶۸/۲)

(۳۰۱) لہ پس جولوگ اس قران (کے بتائے ہوئے دستورالعمل) کومخول سمجھے ہوئے ہیں انہیں مجھ پر چھوڑ دو (میں خود نبٹ لونگا کیونکہ) ہم ان کو آہستہ آہستہ (ذلت کے) اس درجہ تک لے جائیں گے کہ ان کو خبر تک نہ ہوگی اور میں ان کو مہلت دیتا جاؤنگا (تاکہ خوب غفلت میں رہیں) کیونکہ میرا داؤ بے شک پکا داؤ ہے۔

(۳۰۱) (ب) والذین کذبوا بایتنا سنستدرجھم من حیث لا یعلمون o و املی لھم ان کیدی متینo: (۷/۳۳)

(۳۰۱)(ب) اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو آہستہ آہستہ بے خبری میں زوال تک لے جائینگے اور میں مہلت دونگا کیونکہ میرا داؤ بے شک پکا داؤ ہے۔

جنّت **تجری من تحتھا الانھار** کا انعام جو ہم صالح العمل قوموں کو دیتے ہیں اس روئے زمین کی بادشاہت ہے جو انسان کا بہترین انعام ہے وہ کوئی اُخروی شے نہیں بلکہ قوموں کو ان کے کئے کا نقدا نقد انعام ہے۔ اس انعام کی تمام کیفیّت دنیوی ہوگی۔

(۳۰۲) ا۔ مثل الجنة التی وعد المتقون ط تجری من تحتھا الانھر ط اکلھا دائم وظلھا تلک عقبی الذین اتقواق صلے و عقبے الکفرین النارo: (۱۳/۵)

(۳۰۲) ا۔ خدا کے قانون سے ڈرنے والوں کو جو جنّت دیا جانے کا وعدہ ہے اس کی مثال (یہ ہے کہ) اس کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے، اس کا رزق اور اس کی ٹھنڈک دائمی ہوگی۔ یہ انجام ڈرنے والوں کا ہے اور منکروں کا انجام آگ ہے (رزق اور ٹھنڈک صرف انکو محسوس ہو سکتی ہے جن کے دنیاوی جسم ہوں۔ ملاّ کے مفہوم سے بحث نہیں)۔

یہی وہ بادشاہت زمین ہے جو قوموں کو سپرد کی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ نا اہل ہو جاتے ہیں۔ پھر ہم اِس کو اُن سے چھین لیتے ہیں اور دوسری قوموں کو اس بادشاہت پر لا بٹھاتے ہیں۔

(۳۰۲) ۲۔ الم یروکم اھکلنا من قبلھم من قرن مکنھم فی الارض ما لم نمکن لکم و ارسلنا السمآء علیھم مدراراً وجعلنا الانھر تجری من تحتھم فاھلکنا ھم بذنوبھم و انشا نا من بعدھم قرناً اخرینo: (۶/۱)

(۳۰۲) ۲۔ کیا ان لوگوں نے (اپنی ان آنکھوں سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کو ہم نے اس زمین پر وہ تمکن اور مضبوطی دی تھی جو تم کو بھی نہ دی اور ہم نے ان پر (رحمت ایزدی کا) موسلا دھار مینہ برسایا اور ان کے (مقبوضہ ملکوں کے) نیچے دریا بہا دیئے تھے۔ پھر ہم نے ان کو انکے گناہوں کے بدلے ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کر دیا۔

☆ یہاں تو قطعی طور پر تمام تر اس دنیا کا ذکر ہے اور اس تجری من تحتھم الانھار کے الفاظ سے کوئی ایک شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ جنت کی یہ ''نہریں'' اسی دنیا میں تھیں۔ پھر اوپر یعنی (۳۰۲)۔ ا کے انہی لفظوں سے کیوں مراد لی جائے کہ وہ ''آخرت'' کا جنّت ہے۔ فتدبّر۔

تم کو کوئی خوف وحزن نہ ہوگا۔ تمام دنیاوی نعمتیں ارزانی ہونگی بشرطیکہ تم ہمارے قانون کو تسلیم کرتے رہو۔

(۳۰۲) ۳۔ یا عباد لا خوف علیکم الیوم ولآ انتم تحزنون o ج الذین امنوا بایتنا وکانوا مسلمین o ج ادخلوا الجنۃ انتم وازواجکم تحبرون o یطاف علیھم بصحاف من ذھب واکواب ج وفیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین ج وانتم فیھا خلدون o ج وتلک الجنۃ التی اور ثتموھا☆ بما کنتم تعملون o لکم فیھا فاکھۃ کثیرۃ منھا تاکلون o ان المجرمین فی عذاب جھنم خلدون o ج صلے (۷/۴۳)

(۳۰۲) ۳۔ اے بندو! آج تم کو نہ کوئی خوف یا ڈر (اس امر کا ہوگا کہ دوسری قوم تمہیں آدبوچے گی) اور نہ حزن (اس بات کا کہ تم پر بھوک اور ننگ کی مصیبتیں آئینگی)۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمارے قانون پر ایمان لاکر اس پر چلتے رہے اور تسلیم کرنے والوں میں سے تھے۔ (ہم ان کو کہیں گے کہ) تم اور تمہاری بیویاں اس جنت زمین کی بادشاہت میں باعزت طور پر داخل ہوجاؤ (پھر) ان پر سونے کے برتنوں اور آبخوروں کے دَور چلائے جائیں گے اور ان سرزمینوں میں جو کچھ ان کے نفس مانگیں گے اور جس شے سے انکی آنکھیں محظوظ ہونگی دیا جائیگا اور تم ان میں ہمیشہ رہو گے اور یہ وہ جنت ہے جو (پہلی قوموں سے) تمہیں ورثے میں تمہارے عمل کی پاداش میں ملا ہے۔ اس میں تمہیں کثرت سے (تمہاری نیکیوں کے) پھل ہونگے جو تم کھاؤ گے اور مجرم تو ہمیشہ کے عذاب جہنّم میں ہونگے۔

یہی نہروں والے باغات ایمان اور عمل صالح والی قوموں کو اس دنیا میں عطا ہونگے اور کافروں اور منکروں کی زندگی حیوانات سے بدتر زندگی ہوگی:۔

(۳۰۲) ۴۔ ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملوا الصلحت جنت تجری من تحتھا الانھر ط والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تاکلوا الانعام والنار مثوی لھم o: (۴۷/۲)

(۳۰۲) ۴۔ بے شک اللہ ایماندار اور عمل صالح والی قوم کو ان باغات میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے اور منکر قومیں اس دنیا سے اتنا ہی فائدہ اٹھاتی ہیں اور ان کو رزق بھی اتنا ہی ملتا ہے جتنا کہ مویشیوں کو اور ان کا ٹھکانا جہنّم ہے (یہاں مویشیوں سے مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ جنّات دنیاوی ہیں مویشیوں کی زندگی پوری غلامی کی زندگی ہے)

تمام دنیاوی نعمتیں جن کا تمام تر تعلق انسانی جسموں سے ہوگا، جن میں ریشم کا لباس، سبز باغات، موسم کی ٹھنڈکیں، چاندی کے برتن، شیشے کے آبخورے، عمدہ شراب، خوبصورت غلام خدمت کے لئے، سندس اور استبرق کے ریشمیں کپڑے، چاندی کے کنگن، اور بہترین قسم کے شربت ان کے لئے اور ان کی بیویوں کیلئے شامل ہوں گے۔ ان کو میّسر ہونگی اور یہ سب کچھ ان کے استقلال اور محنت کا صلہ ہوگا۔

☆اورثتموھا کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جنّت جو تمہیں ملا ہے کسی پہلی قوم کو ہلاک کر کے تمہیں ''ورثے'' میں ملا ہے جیسا کہ اس سے پہلے (۳۰۲)۔۲ میں خود خدا نے واضح کیا ہے اور وہ ''نہروں'' والا جنّت چونکہ یقیناً دنیاوی تھا، یہ بھی دنیاوی ہے اور سب نعمتیں اس میں بھی صاف دنیاوی ہیں۔

(۳۰۲) ۵۔وجزهم بما صبروا جنة وحريرا oلا متكئين فيها على الارائك ج لا يرون فيها شمسا ولا زمهريرا oج ودانية عليهم ظللها و ذللت قطوفها تذليلا o ويطاف عليهم بانية من فضة و اكواب كانت قواريرا oلا قواريرا من فضة قدروها تقديرا o و يسقون فيها كاساً كان مزاجها زنجبيلاoج عينا فيها تسمّٰى سلسبيلا o ويطوف عليهم ولدان مخلدون ج اذا رايتهم حسبتهم لؤلؤا منثوراo واذا رايت ثم رايت نعيما و ملكاً☆ كبيراo عليهم ثياب سندس خضر واستبرق وحلوا اسآور من فضة ج وسقهم ربهم شراباً طهوراo: (۷۶/۱)

(۳۰۲)۵۔اوراس محنت اوراستقلال کے بدلے میں(جوانہوں نے قرنوں تک ظاہر کی ہو گی)ان کوسرسبز باغ اور ریشم ملے گا۔وہ اس میں (شاندار) تختوں پر تکیہ لگائے ہونگے ، نہ سورج کی تیزی ہوگی نہ ٹھنڈک کی شدّت اوران پرسائے جھک رہے ہونگے اور جو پھل چاہیں گے جھٹ توڑ لیا کریں گے اوران پر(سیقل کی ہوئی) چاندی کے برتنوں اورمبّرق شیشوں کے آبخوروں کے دور چلیں گے وہ شیشے بھی چاندی کی چمک کے ہونگے جن کو خاص ترکیب سے بنایا جائیگا اوران پیالوں میں خاص ترکیب سے سونٹھ سے ملائی ہوئی شراب پلائی جائے گی وہ ایک چشمے سے جس کا نام سلسبیل ہوگا(نکلے گی)۔ان کی خدمت کے لئے بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح ہمیشہ خوبصورت رہنے والے غلام چکر لگائیں گے اور جس طرف نظر اٹھائیگا نعمتوں کا منظر ہر طرف ہوگا اورایک بڑی عظیم الشان سلطنت (کےعنوان نظر آئیں گے جس کا رعب چاردانگ عالم پر ہوگا)۔ان پر باریک سبز اور گاڑھے ریشم کے لباس ہوں گے اور(ان کی بیویوں کے لئے) چاندی کے (نہایت چمکتے ہوئے) کنگن اوران کا پروردگار ان کو پاکیزہ شراب پلائے گا۔

(۳۰۲) ۶۔وبشر الذين امنوا وعملوا الصلحت ان لهم جنت تجری من تحتها الانهر ط كلما رزقوا منها من ثمرة رزقا قالوا هذا الذی ط رزقنا من قبل واتوبه متشابهاط ولهم فيها ازواج مطهرة وهم فيها خلدونo: (۲/۳)

(۳۰۲)۶۔اورایمان اورعمل صالح والی قوم کو بشارت دے دو کہ ان کے لئے سرسبز زمینوں کی بادشاہت ہے جن کے نیچے شاداب کرنے والے دریا بہہ رہے ہونگے جب ان کو کوئی پھل بطور رزق کے دیا جائے گا تو وہ یہی کہیں گے کہ یہی تو وہ تھا جو ہماری پچھلی فتح پر ہم کو دیا گیا تھا اور وہ دیئے جائیں گے انعام اس ایک ہی قسم کے (تا کہ ان کو اپنے انعاموں میں کوئی شبہ نہ ہو)اوران کے واسطے(مال غنیمت میں سے) پاکیزہ بیبیاں مخصوص کردی جائیں گی اوروہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔

☆ملکا کبیرا کے الفاظ سے صاف واضح ہے کہ یہ کسی فاتح قوم کی دنیاوی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جس نے کسی بڑے ملک پر اپنے استقلال سے انتہائی محنت کے بعد قبضہ کیا ہو۔

(۳۰۲) ۷۔جنت عدن یدخلونها یحلون فیها من اساور من ذهب و لؤلوا ج ولباسهم فیها حریرo: (۳۵/۴)

(۳۰۲)۷۔ہمیشگی کے باغات ہونگے جن میں داخل ہونگے اور (ان کی بیویاں) ان باغوں میں سونے کے چمکدار کنگن اور موتیوں (کے ہاروں) کے زیور پہنیں گی اوران کی (عورتوں) کا لباس ان میں ریشم کا ہوگا (تا کہ مردوں کو پورے طور پر محظوظ کر سکیں)

(۳۰۲) ۸. ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملوا الصلحت جنت تجری من تحتها الانهر یحلون فیها من اساور من ذهب ولو لواط ولباسهم فیها حریرo: (۲۲/۳۰)

(۳۰۲)۸۔ بے شک اللہ ایمان اور عمل صالح والی قوم کو ایسی سرسبز زمینوں میں (فاتحانہ طور پر) داخل کرتا ہے جن کے نیچے شاداب کن دریا بہہ رہے ہوں۔ان میں (ان کی عورتیں چمکدار) سونے کے کنگن اور موتیوں (کے ہار) پہنیں گی اوران کا لباس ریشم کا ہوگا۔

(۳۰۲) ۹۔ جنت تجری من تحتها الانهر لا ویجعل لک قصوراo: (۲۵/۱)

(۳۰۲)۹۔ یہ سرسبز زمینیں وہ شاداب ملک ہونگے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے اور وہ تمہارے رہنے کیلئے محلّات عطا کرے گا۔

ایمان اور عمل صالح والی قوموں کو جنّات زمین کی بادشاہت کی بخشش قرآن حکیم میں اس قدر واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں ہے کہ ایک موقع پر نا قابل تاویل صورت میں کہہ دیا کہ ایسی قوم ان جنّات میں داخل کر دی گئی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۳۰۲) ۱۰. وادخل الذین امنوا وعملوا الصلحت جنت تجری من تحتها الانهر خلدین فیها باذن ربهم تحیتهم فیها سلمo: (۱۴/۴)

(۳۰۲)۱۰۔اور ایمان اور عمل صالح والی قوم ان سرسبز زمینوں میں جن کے نیچے (عظیم الشان) دریا بہہ رہے تھے داخل کر دی گئی۔وہ خدا کے حکم سے (جب تک صالح العمل رہیں گے) ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ایک دوسرے کو سلامتی کا پیغام دینا ان کی آپس کی دُعا ہوگی۔

اسی دنیاوی انعام کو اور موکدّ کرنے کیلئے واضح کر دیا کہ ان کی ہمیشگی اس وقت تک ہوگی کہ زمین وآسمان قائم رہیں الاّ یہ کہ خدا ان سے یہ انعام چھین لے۔

(۳۰۲) ۱۱۔خلدین فیها ما دامت السموات والارض الا ما شآء ربک ط ان ربک فعال لما یریدo: (۱۱/۹)

(۳۰۲)۱۱۔وہ ان جنّاتِ زمین میں جب تک زمین اور آسمان قائم ہیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اِلاّ یہ کہ تیرا پروردگار (اس کے خلاف) چاہے کیونکہ بے شک تیرا پروردگار جس شے کا ارادہ کر لیتا ہے اس کو بڑی مضبوطی سے کرتا ہے۔

ایک جگہ کہہ دیا کہ بہت ہی تھوڑی مدّت کے اندر اندر ایمان اور عمل صالح والی قوم کو ہم جنّات زمین میں داخل کر دیں گے۔

(۳۰۲) ۱۲۔والذین امنوا وعملوا الصلحت سندخلهم جنت تجری من تحتها

(۳۰۲)۱۲۔اور وہ قوم جس نے ہم پر یقین کیا اور پھر مناسب اعمال کئے تو ہم انکو تھوڑی مدّت ہی میں ان سرسبز زمینوں میں داخل کر دینگے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں گے۔

الانھـر خـلـدین فیھـا ابـداط لھـم فیھـا ازواج مـطھـرۃ ز ونـد خـلھـم ظلاً ظلیلاo: (۴/۸)

وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اوران کے لئے ان (حیات افزا) جگہوں میں پاکیزہ (صورت) بیبیاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنے سائیوں (کی مسّرت افزا جگہوں) میں داخل کریں گے۔

الغرض اگر تعصّب اور رواج کی پٹی کو آنکھوں سے اتار کر دیکھا جائے گا تو قران حکیم قانون فطرت کے احکام پر عمل کرنے کا انعام ایک ہی قرار دیتا ہے وہ اس زمین پر بے خوف وخطر بادشاہت، انتہائی جاہ جلال اوراس کی نعمتوں کا صحیح استعمال ہے۔

(۳۰۲) ۱۳ . ادخـلـوا الجنة انتم وازواجکم تحبرونo یـطـاف علیھم بصحاف من ذھب واکوابج وفیھا ما تشتھیه لانفس وتلذ الاعینج وانتم فیھا خلدونo: (۴۳/۷)

(۳۰۲) ۱۳۔ (پھر ہم ان کوکہیں گے کہ) اس جنّت میں تم اورتمہاری بیبیاں (ان حالات میں کہ تمہاری پوری تعظیم وتکریم کی جائیگی) داخل ہوجاؤ۔ سونے کے پیالوں اور آبخوروں کے دَوراُن پر چلائے جائیں گے اوران (عظیم الشان) باغات میں سب کچھ جونفس چاہینگے اور جو آنکھوں کو لذت دے گا، ملے گا اور تم ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ بشرطیکہ ان کو قائم رکھنے کے اعمال تم میں باقی رہے۔

(۳۰۲) ۱۴۔ جـنـت عدن مفتحة لھم الابواب oج متـکـئین فیھا یدعون فیھا بفاکھة کثیرۃ وشرابo: (۳۸/۴)

(۳۰۲) ۱۴۔ (ان کے لئے) ہمیشہ رہنے والے باغات ہونگے جن کے دروازے (چوپٹ) کھلے ہونگے۔ ان میں یہ (گدّے دار کرسیوں پر) تکیہ لگائے ہوئے ہونگے آوازیں دے رہے ہونگے کہ ہر قسم کے میوے اورشراب لاؤ۔

(۳۰۲) ۱۵۔ فی جنت النعیمoلا علے سرر متقبلینo یطاف علیھم بکاس من معینoلا بیـضـآء لـذت لـلشاربینoج لا فیھـا غـول ولا ھـم عـنـھـا ینزفون o وعندھم قصرات الطرف عینoلا: (۳۷/۲)

(۳۰۲) ۱۵۔ وہ (ہرطرح کے مکلّف اور آراستہ) نعمتوں سے بھرے ہوئے باغوں میں ہونگے۔ آمنے سامنے (گدے دار) تخت (سجے ہوئے) ہوں گے جن پر وہ جلوہ آرا ہوں گے (پھران پرنہایت پاکیزہ شراب کے پیالوں کے دَور چلائے جائیں گے جوسفید چمکتی ہوئی ہوگی اور پینے والوں کو اپنے مزے سے مدہوش نہ کرے گی۔ نہ اس سے سروں میں چکّر آئیں گے اور نہ اس سے بدمستی ہوگی اوران کے گرداگرد موٹی موٹی آنکھوں والی چُرا کر دیکھنے والی عورتیں ہوں گی۔

القصّہ اس عنوان کے تمام بارہ مضامین کو اوّل سے آخر تک غور سے دیکھنے والے کیلئے ماسوا اس کے چارہ نہیں رہتا کہ وہ تسلیم کرے کہ قران حکیم عالم آرا صداقتوں اور حقیقتوں سے بھری ہوئی ایک حیرت انگیز تصنیف ہے جس کا افق نظر اب بھی کہ دنیا تمدّن عمران اور علم کے بڑے بڑے مرحلوں تک پہنچ چکی ہے، ہزاروں میل بلند وبالا ہے اور ابھی شائد ہزاروں برس اَور تک بلند وبالا رہے گا۔

۱۲۔قرآن حکیم کی تعلیم کا خُلاصہ

قران کے اس حیرت انگیز تجرّ انہ وسعت نظر، اور امنوا و عملوا الصلحت کی قرانی اصطلاح کو اس طور پر واضح کر دینے کے بعد جو پچھلے دو عنوانوں میں کیا گیا، قران کو سمجھ کر اپنے لئے کوئی مستقل لائحہ عمل تلاش کرنے والے انسان کے لئے بہ جُز اس کے باقی نہیں رہا کہ وہ اپنے ذہن میں پھر ایک دفعہ اُن تمام نتائج کو حاضر کرے جو اب تک حدیث القران میں پیش کئے گئے ہیں تا کہ چند لفظوں کے اندر اس کو قران کی تعلیم کا پورا اُفق نظر آ جائے اور وہ اپنے ہر عمل کو اس افق کی وسعت میں دیکھ کر تجویز کرے۔ زندہ قوموں کے افراد کے ذہنوں میں علم وخبر یا تشریحوں کے طور مارنہیں ہوا نہیں کرتے، نہ ان کو قومی ترقی کی کشمکش میں بات بات پر کہیں سے کوئی سبق ملتا ہے، نہ ان کے ہاں کوئی خطیب اور لیکچرار ہوتے ہیں جو دم بدم ان کو قومی ترقی کے اسرار سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ زندہ قوم کے ہر فرد یا اکثر افراد کے گرداگرد ایک ذہنی ماحول ہوتا ہے جس سے ہر شخص خود بخود واقف ہو جاتا ہے اور پھر ہر شخص جو کام کرتا ہے اُسی ذہنی ماحول کی روشنی میں کرتا ہے۔ مثال کے طور پر زندہ قوموں میں بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جو ہر ملک میں کم وبیش پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عام احساس کہ لین دین میں پورا تول ہو اور تجارت میں بددیانتی نہ کی جائے کیونکہ قوم عام طور پر سمجھتی ہے کہ اس طرح ساکھ نہیں رہتی، وعدہ بہر حال پورا کیا جائے ورنہ اعتماد نہ رہنے سے قوم ذلیل ہوتی ہے، یا کم سے کم وعدے کئے جائیں تا کہ اکثر پورے ہوں، کپڑوں اور گھروں میں پرلے درجے کی صفائی ہو تا کہ قوم خوش پوش اور خوش باش نظر آئے اور اس کی عزّت بڑھے، قومی عمارتیں نہایت خوبصورت اور بے عیب ہوں تا کہ اُن سے قوم کا کیریکٹر نظر آئے اور نہ صرف دوسروں پر بلکہ خود قوم کے افراد پر اس کا عمدہ اثر ہو۔ کلام مہذّب ہو، معاملات کھرے ہوں، آپس میں جھگڑے اور دشمنیاں کم سے کم ہوں، ایک دوسرے کی غیبت نہ ہو، دوسروں کے حالات کی کھوج نہ لگائی جائے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اس لئے کہ قوم کو عام احساس ہے کہ یہ باتیں ''ہونی چاہئیں'' قوم کا یہ اخلاق اور دوسری بیسیوں خصوصیّات (مثلاً قومی مصیبت کے وقت ہر فرد کا قربانی جان ومال کے لئے تیار ہو جانا) جو ہر زندہ قوم میں پائی جاتی ہیں کسی وعظ ونصیحت کا نتیجہ نہیں ہوتیں، نہ اس لئے کہ وہاں کی پولیس زیادہ خبردار ہوتی ہے اور قوم سے نیکیاں بہ جبر اور بہ زور شمشیر کرواتی رہتی ہے بلکہ اس لئے

کہ قوم کا ہر فرد اِن خصوصیتوں کو اپنے گرد کے ماحول سے لیتا ہے اور اُسی فضا میں پرورش پاتا جاتا ہے۔ کس طرح یہ خوبیاں پیدا ہوئیں اور کس نے پیدا کیں، کوئی شخص اس پر انگلی نہیں رکھ سکتا، مگر غالب یہ ہے کہ شروع میں چند لوگوں نے اس پر عمل کیا اور دیکھتے دیکھتے سب یکساں ہو گئے۔ ایک دوسری مثال شائد اس نکتے کو کچھ اور واضح کر دیگی۔ انگلستان میں بڑا بچّہ تو خیر، کوئی چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی مادر زاد ننگا بلکہ معمولی طور پر ننگا بھی نظر نہیں آتا۔ ماں بچے کی تربیت شروع سے اس طرح کرتی ہے کہ بچہ کم سے کم روئے۔ کم از کم میں نے سات برس رہ کر بھی کسی بچے کو ننگا یا روتا نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ماں اس کا خاص طور پر لحاظ کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ ان عیبوں کو ظاہر کرنے سے اُس کا وقار خاص طور پر کم ہو جاتا ہے لیکن یورپ کے اَور بعض کم زور ملکوں میں اس شے کی اتنی پروا نہیں۔ الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو نیکی یا خوبی موافق ماحول میں پرورش اُسی طرح پاتی ہے جس طرح کہ پودا موافق سرزمین میں پھولتا پھلتا ہے۔ نیکیوں یا خوبیوں کے لئے موافق ماحول اُس وقت بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کا ''نقد انقد'' فائدہ عوام پر ظاہر ہو جائے اگرچہ کوئی نیکی دنیا میں فوری فائدہ نہیں دیتی اور یہ بالعموم گناہ اور بدی کا خاصہ ہے کہ اس کی فوری اجرت لذّت یا ذاتی فائدے کی صورت میں گناہ کرنے والے کو مل جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسی نکتے کو مدِّ نظر رکھ کر دنیا کے تمام گناہوں کو **اعمال عاجلہ** (یعنی جلدی اجر دینے والے عمل) اور تمام نیکیوں کو **اعمال آخرۃ** (یعنی اخیر پر اجر دینے والے عمل) کہا ہے۔

اعمال آخرۃ کے لئے زندہ قومیں اُس وقت نہایت تندہی سے تیار ہوتی ہیں۔ کہ اُن کے اکثر افراد کے سامنے دنیا اور قانون فطرت کے موٹے موٹے اصول کچھ نہ کچھ واضح ہوں۔ ہر شخص پر تھوڑا بہت واضح ہو کہ دنیا میں خوشحالی یا بدحالی کسی اصول اور قانون کے ماتحت آتی ہے، ہر شخص کو جو کچھ ملتا ہے اس کے سعی و عمل کے ماتحت ملتا ہے، قسمت، صبر اور توکل کے متعلق وہ مہلک تخیّل نہ موجود ہوں جو مسلمانوں کے رہبروں نے زوال اسلام کے وقت سے پیدا کئے بلکہ قسمت کے معنی کسی شخص کا جائز حصّہ، صبر کا مفہوم کامل استقلال اور توکل کے معنی اپنی انتہائی کوشش کر کے فیصلہ کے لئے خدا کو معاملہ اس حیثیت سے سپرد کر دینا کہ وہ یقیناً ہمارے عمل کا اجر کم نہ دے گا، کر کے اپنی زندگی کو ایک مسلسل تگ ودَو کی زندگی بنایا جائے۔ نیکیوں کو کرنے کے لئے

ایک عمدہ محرّک مذہب کی سادہ اور قابلِ فہم تصویر دماغوں میں رکھنا بھی ہے تاکہ ہر شخص کا دماغ اپنے مذہب یا عقائد سے باطنی طور پر باغی نہ ہونے پائے اور اس کو یقین ہو کہ جس شے پر وہ عقیدہ رکھتا ہے وہ ایسی سیدھی اور صاف ہے کہ اس کے متعلق دماغ کسی الجھن میں نہیں پڑتا۔ مذہب کی جس قدر سُتھری تصویر ذہنوں میں ہو اسی قدر آمادگی نیکیوں پر بڑھتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی قوموں میں ہیجانِ عمل معمول سے زیادہ اس وقت پیدا ہوا جب کہ پیغمبروں نے اپنا پیغام خود آ کر سیدھی سادھی اور یقین انگیز صورت میں دیا۔ مذہب جب بگڑ جاتے ہیں تو ذہنوں میں پراگندگی کے علاوہ ہاتھوں اور پیروں میں ایک عام جمود کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ قوم ہلاکت کے کنارے آ لگتی ہے۔ اُس وقت قوم کو بیدار کرنے کے لئے کسی ایسے باخبر شخص کا آنا لازمی ہو جاتا ہے جو قوم کو نیا نصب العین دے اور نئی راہ پر چلا دے۔ مثال کے طور پر ازمنہ متوسطّہ (یعنی مڈل ایجز) میں یورپ میں عقائد اس قدر خراب ہو گئے تھے کہ بات بات پر فالیں نکالی جاتی تھیں اور دو (۲) کوّوں کا گھر پر آ کر بیٹھ جانا بھی تمام کنبے کو خوفزدہ کر دیتا تھا۔ ایسی حالت میں مارٹن لوتھر اور فرانس بیکن یورپ میں پیدا ہوئے جنہوں نے عقائد کو زیادہ ستھرا کیا اور ظنّ ووہم کے بالمقابل علم اور عمل کی راہ پیدا کی۔ یہ دونوں شخص اسلام کی تعلیم سے سخت متاثر تھے اور اسی لئے اصلاح جلد پیدا کر سکے۔ اُسی وقت سے یورپ میں نشأۃ ثانیہ شروع ہو گئی اور آج اس کی جو حالت ہے سب پر ظاہر ہے۔

مذہب میں انتہائی بگاڑ پیدا ہو جانے کا ردّ عمل کئی قوموں میں اس طرح پر ہوا ہے کہ وہ بالآخر ''لامذہب'' ہو جاتی ہیں اور مزا یہ ہے کہ انکار کی اس انتہائی حد پر آ کر ان میں ایک ''نیا مذہب'' پیدا ہو جاتا ہے جو اس خراب شدہ مذہبیّت سے بہت زیادہ ستھرا ہوتا ہے۔ اس لامذہبیّت کے نئے مذہب میں صحیفہ فطرت کی کئی سچائیاں خود بخود ذہنوں میں آ جاتی ہیں اور اُس قوم کو نہال کر دیتی ہیں۔ لوگ اس بات سے تنگ آ کر کہ خدا کے متعلق خراب شدہ عقیدوں سے کیا جمود، تفرقہ اور تعطّل پیدا ہو گیا ہے اور دنیاوی حالت کس قدر خراب ہو چکی ہے، خدا کے مخمصے سے ہی دست بردار ہو جاتے ہیں اور اُن تمام چیزوں سے منکر ہو جاتے ہیں جنہوں نے تعطّل پیدا کیا تھا۔

انسانی ذہنوں میں اس قطع کے تحول کی ایک تازہ ترین مثال روس کی ہے جس نے خدا کے تخیّل کو چھوڑ کر خدا کے قانون کے ایک چھوٹے سے حصّے کو پکڑ لیا ہے اور اتحادِ عمل کے زور پر نہ صرف چند برسوں

میں ترقی کی راہ پر گامزن ہوا جاتا ہے بلکہ دنیا کے ایک بڑے حصّے کو اس نئے مذہب سے متاثر کر رہا ہے۔
قوموں کی اس طرح کی وقتی زندگیاں بے شک قوموں کو وقتی طور پر ہمیشہ سے اس لئے ابھارتی چلی آئی ہیں کہ قانون فطرت ہر قسم کے انسانی اور جذباتی تعصبّات سے ہمیشہ سے بے نیاز رہا ہے۔ جس وقت اور جس قوم نے قانون فطرت کی کسی شق کو کسی رنگ میں لیا، فطرت نے بے نیازانہ طور پر اُس قوم کو اس عمل کا بدلہ ضرور دیا۔ لیکن انسانی قوموں کی زندگی اور ان کا اس زمین پر خلود ہمہ تن اس پر منحصر نہیں کہ قانون فطرت کی کسی ایک یا زیادہ شقوں کو مشینی اور میکانیکی طور پر لے کر ان پر چندے عمل قائم رکھا جائے، انسانی قوموں میں ''انسانیت'' کا عنصر ہمیشہ سے قوموں کی ترقی کا ایک مؤثر عنصر رہا ہے اور جب تک قوم کے افراد کو کسی ایسی ڈگر پر نہ چلایا جائے جو افراد کے ذہن اور قلب کی دائمی تسکین کا باعث نہ ہو جائے، محض قانونِ فطرت کے کسی حصّے کو میکانیکی طور پر چلا دینے سے قوموں میں خلود پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ روس کا پیدا کردہ نظام اپنی بنیادوں سے ابھی سے کھوکھلا ثابت ہو رہا ہے، اس میں تیس چالیس برس کے اندر اندر ہی بنیادی کمزوری پیدا ہو چکی ہے جو اس کو بہت دیر تک قائم نہیں رکھ سکتی۔ انسانی قوموں میں انسانی عنصر کو نظر انداز کر دینا فطرت کے عالم آرا نظام کو غلط سمجھنے کے مترادف ہے اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں کے لائے ہوئے نظاموں میں باوجود اس کے کہ وہ ہزاروں برس سے چلے آ رہے ہیں اُن نظاموں سے جو کم نظر مصلحین نے وقتی طور پر روئے زمین پر پیدا کئے نسبتہً بہت زیادہ استحکام اور بہت زیادہ عصبیّت اب تک موجود ہے اور دنیا کا ایک سب سے بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ کس طرح مذہب کے پیدا کردہ تعصّب یا اس کی پیدا کردہ عصبیّت کو ہیئت انسانی سے دور کر کے کوئی ایسا مشترک مستحکم نظام پیدا کیا جائے جو اس غلط اور فرسودہ عصبیّت سے بہتر نظام دنیا میں پیدا کرے اور انسان کو آئے دن کی جنگوں سے نجات دے۔

الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں قوموں کی ترقی کا سب سے بڑا اُگبر افراد کے ذہنوں میں ایک غیر پیچیدہ اور سیدھے سادھے☆ دستور العمل کا ہونا ہے جس کی بنیاد، خدا، مذہب، جماعت عصبیّت اور آخرت کے سیدھے سادے تخیّل پر ہو اور اس میں دنیاوی اور دینی، فوری اور اُخروی دونوں نفعے موجود ہوں۔ گوشت اور خون سے بنے ہوئے انسان کو چونکہ جسمانی موت سے بالآخر دوچار ہونا ہے اور اس کی فطری پیوستگی اس سے ہے کہ مرنے کے بعد اس کو کیا ہوگا اس لئے فطرت کے خشک اور بے حس

☆ قران اپنے متعلق غیر ذی عوج: ۳۹/۱۳ اور لم یجعل له عوجا کہتا ہے یعنی اس میں پیچیدہ پن اور ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ (دیکھو صفحہ ۲۱۷)

قوانین سے اس کا پورا لگاؤ بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ اس لگاؤ میں انسانی عقیدت اور امید کی چاشنی ہو۔ یہی وہ بات تھی جس کو اسلام نے بدرجہ اُتم قائم کر کے مسلمانوں کی مختصرسی جماعت سے قرنوں تک وہ حیرت انگیز عمل کرائے جس نے اسلام کی ابتدائی تاریخ پر چار چاند لگا دیئے تھے۔

ان نکات کو پیش نظر رکھ کر میں یہاں پر انسانی عقیدت مندی کا وہ نقشہ پیش کرتا ہوں جو قران نے انسان کو اُس وقت پیش کیا تھا جب کہ وہ دنیا میں انسان کے لئے آخری کلام بن کر آیا تھا۔ اس نقشہ کے نمایاں خدّ وخال نے عرب کی قوم میں وہ عزم اور عمل پیدا کر دیا کہ اس کے تگ ودو کی رفتار صدیوں تک نہ تھمی۔ ہر شخص اس سیدھے سادے نقشے سے جو ذہنوں میں تھا پابہ رکاب ہوگیا۔ رسول خدا صلعم نے عرب کے بدّوؤں کو جو کئی نقاط نظر سے بڑی خوبیوں کے مالک تھے، وہ سیدھا سادا یقین دیا جس کو دلوں میں لے کر وہ روئے زمین کے بڑے بڑے حصّے کے مالک بن گئے۔ اس یقین میں پختگی اس لئے تھی کہ وہ پیچیدہ نہ تھا، اس کی بنیاد حق پر تھی، سمع و بصر اس حقیقت کو برائ العین سمجھ سکتے تھے، اس کو دل نشین کرنے کے لئے کسی درس وتدریس کی ضرورت نہ تھی اور سب سے اہم یہ امر کہ اُس حقیقت کو ایسی قوم نے قبول کیا تھا جو خود سیدھی سادی زندگی کے عادی تھے اور فطرت کی اپنی سادگی نے ان کے ذہنوں کو پیچیدگی سے پاک صاف کر دیا تھا۔

اُدھر قران کو چونکہ خدا کا آخری کلام بننا تھا، اس میں بالآخر ایک عالمگیر دستور العمل بن جانے کی اہلیّت ہونی ضروری تھی۔ اس لحاظ سے قران کی تعلیم سادہ ہونے کے باوجود انتہائی علم کی حامل روز اوّل سے رہی اور پہلے دن سے ہی اس نے عرب کے ذہنوں میں وہ حیرت انگیز روشنی پیدا کر دی کہ بے آب وگیاہ صحراؤں میں عمریں گذارنے والے عرب دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کے کامیاب محافظ بن گئے۔ مدنیّت اور تمدن کو بدرجہ اتم قائم کرنے کے لئے وہ روشن حقیقتیں ان کے ذہنوں میں آ کر بس گئیں جن کو زوال یافتہ قوموں کے افراد مدّت سے ان کے پیچیدہ ہو جانے کے باعث ذہنوں سے رد کر چکے تھے۔ وہ قران کی سادگی اور سادگی کے باوجود اس کی مکملیّت کو لے کر اُٹھے اور چشم زدن میں دنیا کو حیران کر گئے!۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس عقیدت مندی کی بنا زیادہ سے زیادہ تین بنیادی چیزوں پر مبنی تھی جس پر قران بار بار اپنے اوراق میں زور دے رہا ہے:۔

اوّل یہ کہ اس کارخانہ فطرت کا بنانے والا یقیناً کوئی وجود ہے جس کے حکم پر یہ تمام نظام چل رہا ہے۔
دوئم یہ کہ یہ صحیفہ فطرت اس دنیا میں واحد اور ہر نقطہ نظر سے مکمّل حقیقت ہے جو فاطر زمین و آسمان کا واحد اور بے مثال کارنامہ ہے۔
سوئم: یہ کہ انسان اس کارخانہ فطرت میں واحد ذمّہ دار شخصیّت ہے جس سے موت کے بعد اس کے سعی و عمل کا حساب انفرادی طور پر لیا جاتا ہے اور موت سے پہلے اس نے اپنے سعی و عمل کا نقد اجر اجتماعی طور پر بلا کم و کاست ایک اٹل قانون کے مطابق لینا ہے اور اس پر لازم ہے کہ لے کر رہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کے ابتدائی ماننے والوں میں یہ تین حقیقتیں مستحکم طور پر ذہن نشین ہو چکی تھیں۔ وہ سورج کی طرح ان حقیقتوں پر یقین رکھ کر نکلے تھے اور جب تک یہ حقیقتیں سورج کی طرح واضح رہیں وہ آگے بڑھتے گئے۔ انہی تین حقیقتوں کی بنیادوں پر ان کا تمام اسلام تھا اور انہی تینوں نگاہوں سے وہ باقی قران کو دیکھتے تھے۔ اُن دنوں میں قران کا پڑھنا وڑھنا کچھ نہ تھا۔ نہ مدرسے تھے نہ شرحیں، نہ تفسیریں، نہ مُلّا، نہ شاعر، نہ کتابیں۔ جوں جوں کارخانہ فطرت سے انعامات وعدوں کے مطابق ملتے گئے، ان کا عمل تیز ہو تا گیا اور عمل کے ساتھ ساتھ یقین بلکہ علم۔ اس سمع و بصر کے علم نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور علمی ترقیاں معاً شروع ہو گئیں۔ صحیفہ فطرت کو واحد حقیقت یقین کرنے کے نظریے نے مسلمان کی آنکھیں حیرت انگیز طور پر کھول دیں☆۔ میرا یقین ہے کہ اگر تہ تک پہنچا جائے تو آج ہر زندہ قوم کے ذہنوں کی گہرائیوں میں یہی تینوں یقین موج زن ہیں۔ اور انہی یقینوں کی پختگی کے تناسب سے قومیں ایک درجے سے دوسرے درجے تک اوپر چڑھ رہی ہیں۔

یقین کی ستھراہٹ، اگر غور سے دیکھا جائے، بینش کے نئے دروازے انسان پر کھول دیتی ہے۔ اس لئے قران حکیم نے انسانی دلوں پر ظنّوں اور شکوک کی ہر شق کو صاف اور ستھرا کر دیا تاکہ کسی شے کو تسلیم کرنے میں ذہنی کوفت نہ ہو اور کسی مرحلے پر دین اسلام غلط یا دھوکہ نظر نہ آئے۔ قران حکیم نے اس معاملے میں یہاں تک احتیاط کی کہ عیسائی مذہب کے حضرت عیسےٰ کے متعلق ظنونِ واہیہ کو درست کیا۔ پہلے صحیفہ ہائے آسمانی کو عیاں طور پر محرّف کہا کہ ان کی غلط شدہ تعلیم ذہنوں کو خراب نہ کر دے، آخرت کے متعلق تمام قیاسات کو غلط لکھا اور صاف کہہ دیا کہ اس کا علم صرف خدا کو ہے، قل انما علمها عند

☆ مطلب یہ ہے کہ اُن دنوں ہر مسلمان خدا کی بنائی ہوئی قدرت کے کسی نہ کسی حصّے کو اپنی آنکھوں سے خود دیکھتا تھا کیونکہ قران میں اَلَمْ تَرَ کے الفاظ تھے، پھر اپنے نتیجے نکالتا تھا۔

ربی: (۲۲/۷) انسان کی غیب دانی کو قطعاً غلط کہا: قل انما الغیب لله: ۱۰/۲، ۲۷/۱، ۴۹/۲۔ ارباب من دون اللہ کو جو خلقت خدا کو ورغلا کر اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں جہنّم کی لکڑیاں کہا وغیرہ وغیرہ۔ الغرض خدا چاہتا تھا کہ اپنے اس آخری کلام میں نہ صرف یہ کہ پہلے پیغمبروں کے محّرف شدہ پیغاموں کی وضاحت کر کے انسان کو پھر اپنے اصلی پیغام کی طرف لائے بلکہ اس آخری کلام میں انسان کے ذہنوں میں وہ لازوال ولولہ پیدا کر دے جو ابدالآباد تک اور جب تک یہ زمین وآسمان قائم ہیں، انسان کے لئے سعی وعمل کی ایک مستقل راہ کھول دے اور وہ راہ سیدھی اور بلا روک ٹوک انسان کو خدا تک لے جائے تا کہ اس کائنات کا منشا پورا ہو۔

یہ تفصیل مفصلہ ذیل مختصر الفاظ میں مختلف عنوانوں کے ماتحت درج کرتا ہوں تا کہ جو کچھ حدیث القران میں قران حکیم کی تعلیم کے متعلق مختلف عنوانوں کے ماتحت قران حکیم کے اپنے حوالے دے کر دو اور دو چار کی طرح ثابت کر دیا گیا، وہ یہاں پر یکجا ہو جائے اور ہر شخص کے دل میں دین اسلام کا پورا نقشہ بیٹھ جائے۔ اُدھر ایک اور مختصر ان صفحات کے نیچے ''قران کی مسلسل کہانی'' کے طور پر دیا جاتا ہے تا کہ سمجھنے میں اور سہولت ہو۔

قرآن کی مسلسل کہانی

قران حکیم کی تعلیم کے ماحصل کو مسلسل طور پر سمجھنے کے لئے مزید تشریح اس تحت المتن میں کر دی جاتی ہے: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم o: (۹۵/۱) اور فضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا oط: (۱۷/۷) انسان کی فضیلت اس زمین پر ظاہر ہے۔ مگر اکثر آسمانی مخلوق کی فضیلت ظاہر کرنے سے انسان کی اہمیّت صد ہا گنا بڑھ جاتی ہے۔ فضیلت کا احساس دلانے سے مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد انسان سنجیدگی سے اپنے فرائض اس کائنات میں ہر وقت سمجھے اور بہ حیثیت مجموعی وہ کام کرے جس سے منشائے کائنات پورا ہو۔ اخرجکم من بطون امهاتکم لا تعلمون شیا وجعل لکم السمع والابصار والافئدة لعلکم تشکرون o: (۱۶/۱۱) سے ظاہر ہے کہ اگر چہ انسان ماں کے پیٹ سے نکلنے پر مطلق جاہل ہوتا ہے لیکن کان آنکھ ذہن ساتھ لگا دیئے تا کہ ان کی سچی قدر کر کے ان سے علم خود حاصل کرے۔ حیوانوں کے پاس صحیفہ فطرت کو دیکھ کر علم دینے والے کان آنکھ ذہن موجود نہیں اس لئے ان کو جو کچھ پڑھانا تھا پہلے پڑھا دیا: اعطی کل شیئ خلقه ثم هدی: (۲۰/۲) (طه: ۵۰) یہی انسان کی اور حیوانوں پر فضیلت کی وجہ ہے۔ اسی لئے خدا نے اپنی خلافت یعنی قائم مقامی کے لئے انسان کو منتخب کیا اور فرشتوں کی درخواست کو بھی ردّ کر دیا کہ وہ خدا کی پیدا کی ہوئی اشیا (یعنی صحیفہ فطرت) کو سمجھ نہ سکتے تھے۔ خدا کی خلافت بھی انسان کو انتہائی علم سے حاصل ہوگی جو علم ادم الاسمآء کلها (۲/۴) کے الفاظ سے ظاہر ہے یعنی جب تک انسان تمام فطرت پر حاوی نہ ہوگا خلیفہ نہ بن سکے گا۔ انسان پر یہ ظاہر کرنے کا کہ وہ کمتر مخلوق کے ارتقا سے پیدا ہوا اور اوپر چڑھتا جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ اس کے سامنے علم وعمل اور جدّ وجہد کا ایک عظیم الشان میدان ہے۔ یہ میدان صحیفہ فطرت کی دریافت، اس کے ''اشاروں'' پر جو اس کا علم حاصل کرنے سے ملتے ہیں عمل اور اشیائے فطرت کو اپنی دنیاوی بہبودی کے لئے استعمال میں لانے کا میدان ہے۔ اُدھر چونکہ صرف انسان ہی صحیفہ فطرت کو سمجھ سکتا ہے صاف کہہ دیا کہ یہ دنیا پیدا ہی اس غرض کے لئے کی گئی ہے کہ انسان کو اس کے سعی وعمل کے بدلے میں زمین بلکہ آسمان کی تمام چیزیں بطور انعام دے دی جائیں۔ گویا انسان کی واحد جولانگاہ صحیفہ فطرت ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ اسی لئے صحیفہ فطرت کو واحد حقیقت کہا۔ نیز کہا کہ جو اس کو باطل سمجھتے ہیں کافر ہیں۔ خدا کے متعلق کہہ دیا کہ چونکہ وہی خالق زمین وآسمان ہے اس لئے قانون بھی اسی کا چلنا چاہئے۔ اس کا حق ہے کہ کسی دوسرے حاکم کا قانون نہ چلنے دے۔ جو دوسرے حاکموں کا

ا۔ مقدّماتِ کائنات

ا۔ مقامِ انسان

(۱) انسان کم از کم اس زمین پر باقی تمام مخلوق سے (اپنے شعور کے باعث) افضل ہے۔

(۲) پیدا ہونے کے وقت وہ کچھ نہیں جانتا لیکن اور حیوانات کی غیر مانند وہ سب شعور اپنے کانوں، آنکھوں اور ذہن سے حاصل کرتا ہے۔ اُس کو اشیا کے سمجھنے کی اہلیّت عطا کی گئی ہے جو اَور حیوانات (بلکہ ملائک کو بھی) میّسر نہیں۔

(۳) خدا نے انسان کو اس زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور اس میں اپنی روح پھونک دی ہے تاکہ اشیا کی ماہیّت کو سمجھ کر وہ خدا کی خاصیّتیں حاصل کرتا جائے اور اس کی خلافت کا اہل بنے۔ فرشتوں کو یہ مقام نہ دیا گیا کیونکہ ماہیّت اشیا نہ سمجھ سکنے کے باعث وہ اس کے اہل نہ تھے۔

(۴) انسان کمتر مخلوق کے ارتقا سے پیدا ہوا اور اس سے بہتر مخلوق درجہ بدرجہ ہوتا جائے گا۔ سب ارتقا جدّ وجہد کا نتیجہ ہے اور انسان کو بھی جو درجہ حاصل ہوتا جائے گا اس کی اپنی جدّ وجہد سے ہوگا۔

۲۔ مقامِ فطرت

(۵) خدا کی واحد مخلوق صحیفہ فطرت ہے اور یہی صحیفہ فطرت اس کائنات میں واحد حقیقت ہے۔

(۶) اسی صحیفہ فطرت کے مشاہدے اور مطالعے سے وہ ہدایات، اشارات اور علم حاصل ہوتے ہیں جن سے اخذ ہو سکتا ہے کہ اس کائنات میں راہ راست کیا ہے اور انسان کو اپنی دنیاوی ترقی کے لئے کیا کیا سہولتیں اور انعامات حاصل ہو سکتے ہیں۔

(۷) خدا نے صحیفہ فطرت کو پیدا ہی اس لئے کیا کہ انسان کو اس جدّ وجہد کے بدلے میں جو وہ صحیفہ فطرت کی تلاش وجستجو کے بارے میں کرے اسی صحیفہ فطرت سے انعامات دے۔ زمین کی ہر شے کے علاوہ آسمانوں کے لاتعداد ستاروں کی ہر شے ان انعامات میں داخل ہے☆

(۸) صحیفہ فطرت کی ہر شے انسان ہی کے لئے مسخّر کی گئی ہے تاکہ وہ ان اشیا کو اپنے تابع کر کے اپنے استعمال میں لائے۔

۳۔ مقامِ خدا

(۹) خدا ہے اور خالق زمین وآسمان ہونے کی حیثیت میں ہر جگہ اسی کا بنایا ہوا قانون چل رہا ہے۔ کسی دوسرے حاکم کے قانون پر چلنے

حکم ماننے اس کو فنا کر دے۔ یہ قانون یا خدا کی بھیجی ہوئی غیر محرّف کتابوں کی **آیات** میں ہے یا زمین وآسمان کی **آیات** میں ہے: ان فی السموات والارض لایت للمؤمنین٥ (۱/۱۴۵) **پیدائش** کے ابتدا میں چونکہ انسان جاہل مطلق تھا اور اپنے کان آنکھ ذہن کافی طور پر استعمال نہ کر سکتا تھا اس لئے راہ راست سے کافی طور پر بھٹکتا رہا۔ اس کی زندگی بالعموم حیوانوں کی سی تھی۔ وہ آپس میں چوریاں قتل، زنا، بے ایمانیاں، بددیانتیاں وغیرہ وغیرہ کرتا تھا۔ بدن کی صفائی نہ تھی۔ دوسروں کی پیدا کی ہوئی جائیداد کا احترام نہ تھا، بھائی بہن سے الفت نہ تھی، ماں باپ کا احترام نہ تھا، رشتہ داروں کا لحاظ نہ تھا، یتیموں پر مظالم تھے۔ چاند، سورج، درختوں، ندیوں اور دریاؤں، حیوانوں

☆ سورۂ نجم میں ہے۔ ولله مافی السموات وما فی الارض لیجزی الذین اساوابما عملوا لیجزی الذین احسنوا بالحسنی٥ (۲/۵۳) (دیکھو صفحہ ۵۷)

میں انسان کونقصان اور بالآ خراجتماعی ہلاکت ہے۔

(۱۰) کسی دوسرے حاکم کے قانون پر چلنا ہی اس کو خدا کے ساتھ شریک کرنا بلکہ اس سے بہتر بنا دینا ہے۔ یہی وہ شرک ہے جس کی ''بخشش'' نہیں۔ دوسرے لفظوں میں جو قوم اس پر چلے گی اس کی مادی قوتیں بالآ خر سلب ہو جائیں گی اور وہ صفحہ ہستی سے مٹ کر رہے گی۔

(۱۱) خدا کے قانون پر چلنا ہی خدا کو ''ماننا'' ہے۔ اس سے ہٹ کر لفظی ماننا کوئی ماننا نہیں، **ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وماهم بمؤمنين**○م: (۲/۲)

(۱۲) خدا کا قانون اس کی فطرت سے اخذ کیا ہوا قانون ہے خواہ وہ قانون انسان نے خود اخذ کیا ہو یا کسی باخبر انسان نے بتایا ہو۔

۲۔ حادثہ بعثت انبیا

ا۔ مقام انبیا

(۱۲) سب انبیا صرف اپنے اپنے زمانے کے معیار کے مطابق انتہائی طور پر باعلم اور باخبر انسان تھے جو انسان کی پیدائش کے ابتدائی مرحلوں میں (جبکہ انسان معاشرت کی ابتدائی باتوں سے بھی بے خبر تھا) اپنے اس علم وخبر کے زور پر جو انہوں نے صحیفہ فطرت سے یا کمال ذکر وفکر (وحی) سے حاصل کیا تھا، ''خدا کے پیغام'' لائے اور وہ پیغام وقتاً فوقتاً بھٹکے ہوئے انسانوں کو دیتے رہے تا کہ قومیں خدا کے قانون سے ہٹ کر کمزور اور بالآ خر ہلاک نہ ہو جائیں۔

(۱۳) انبیا کے لائے ہوئے پیغام اُن کی اپنی اپنی قوموں کی زبان میں دیئے گئے تھے تا کہ اُن قوموں پر حقیقت واضح ہو جائے۔ انبیا ہر قوم، ہر قریہ، ہر اُمّت میں آئے اور وقتاً فوقتاً مجتمعاتِ انسانی کو سمجھاتے رہے۔

(۱۴) ان پیغاموں میں مختلف زبانوں میں ایک ہی قانون تھا جو دیا گیا اور وہ قانون فطرت کا کوئی حصّہ تھا۔

(۱۵) ان پیغاموں کا مقصد صرف اپنی اپنی قوم کو قانون خدا دے کر ہلاکت سے بچانا تھا۔ اس قوم کو علیحدہ گروہ بنا کر فرقہ بند بنانا یا الگ ''مذہب'' بنانا مقصد نہ تھا۔

(۱۶) انسان کو متوجہ کرنے والی شے خدا کا قانون تھا جو مختلف انبیا مختلف زمانوں میں لائے تھے۔ انبیا کی شخصیّت اس قدر قابل توجہ نہ تھی۔ نہ ان کی وجہ سے لوگوں کا فرقہ بند ہو جانا درست تھا۔

(۱۷) انبیا نہ نصرانی تھے، نہ یہودی، نہ محمدیؐ بلکہ 'مسلم' یعنی خدا کے قانون کو تسلیم کرنے والے، نہ انہوں نے کوئی فرقہ بنایا۔ لوگ خود اپنی ضد سے ان کی شخصیتوں کے پیچھے لگ کر فرقہ بند ہو گئے۔

وغیرہ کی پوجا تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے کئی باخبر انسانوں نے جو ان برائیوں کو محسوس کرتے تھے قوموں کو نصیحت کرنی شروع کی کہ باز آ ؤ ورنہ مارے جاؤ گے تمہاری قوم تباہ ہو جائے گی۔ **یہ لوگ انبیا** تھے جو ہر جگہ ظاہر ہوئے اور سب نے ایک ہی سبق دیا جو خدا کا قانون تھا، انسان کے مناسب حال تھا، علم تھا، حقیقت تھی، صحیفہ فطرت سے اخذ کیا ہوا سبق تھا، الغرض خدا کا پیغام تھا۔ لوگ ان انبیا کے پیچھے لگ گئے۔ انہوں نے انسان کو باہم مل کر خوش اسلوبی سے رہنے کا سبق دیا۔ انسان کی ہیئت اجتماعی میں امن پیدا کیا، ایک مرد کی ایک عورت سے شادی کر کے کنبے کی بنیاد ڈالی، معاشری بُرائیاں دُور کیں وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ انسان ابھی اشد شدید طور پر جاہل تھا اور اس کائنات کو بہ حیثیت مجموعی دیکھنا تو کیا، اس کائنات کی ابجد بھی نہ سمجھ سکتا تھا بلکہ خدا کو اس تمام کائنات کا واحد

حالانکہ وہ سب **علم** یعنی حقیقت لائے تھے جو متحد کر دیتی ہے متفرق نہیں کرتی۔

(۱۸) اصل شے جو انبیا لائے قانون خدا تھا جو مختلف زبانوں میں اپنی اپنی قوم کو سمجھانے کیلئے تھا۔ اس لئے کسی زبان کو بھی کوئی خصوصیّت نہیں۔ ان سب پیغاموں کو ''الکتٰب'' کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ ایک ہی قانون تھا یا قانون کے مختلف حصّے تھے۔ اس قانون کا بیشتر حصّہ اجتماعی یا معاشری قوانین تھے جو انسان کی اجتماعی ہیئتوں کی اصلاح کے لئے تھے۔

۲۔ مقام الکتٰب

(۱۹) ہر زمانے کی الکتٰب'' اپنے اپنے زمانے کی ضروریات یا انسانی معاشری ترقی کے مختلف مرحلوں کے مطابق تھی اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہی لیکن وہ قانون بہ حیثیت مجموعی ایک ہی تھا۔

(۲۰) آخری ''الکتٰب'' قران ہے جو انسانی ترقی اور معاشرت کے آخری مرحلوں کے مناسب حال ہے۔ اس کے بعد کسی اَور زیادہ مکمّل معاشری یا اجتماعی قانون کی انسان کو ضرورت نہیں رہی۔ قران کا لایا ہوا قانون بھی وہی ہے جو پہلے انبیا نے دیا اگرچہ یہ بدرجہا زیادہ مکمّل ہے اور جنّ وانس مل کر بھی اس قران جیسی کتاب نہیں لاسکتے۔ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی: (۵/۱)**

(۲۱) اس آخری ''الکتٰب'' میں انسان کو یہ ہدایت بھی ہے کہ وہ اپنی باقی تمام ہدایات یا اشارات یا احکام صحیفہ فطرت کے مطالعے سے لیتا جائے اور اپنی مادی ترقی کی منازل کو پورا کرے۔

۳۔ مقدّماتِ زمین

ا۔ الکتٰب کے مقدّمات

(۲۲) سب انسان ایک امّت ہیں۔ ان کو پیدا ہی اس غرض کے لئے کیا گیا تھا کہ ایک اُمّت بن کر رہیں اور مشیّت خدا (یعنی منشائے فطرت) کو پورا کریں: **ولو شاء للجعل الناس اُمّة واحدة.........ط ولذلک خلقھم:** (۱۰/۱۱) **(ھود: ۱۱۸.۱۱۹)** (دیکھو صفحہ۴)

(۲۳) انسان کی ایک تعداد کثیر جہنّم کے لئے اس لئے وقف ہے کہ اکثر اپنے آنکھ، کان اور ذہن کو کام میں نہیں لاتے اور نہیں سمجھتے کہ اس آفرینش کی اصلی غرض و غایت کیا ہے۔ جو لوگ اس غرض و غایت کو سمجھتے ہیں اس سے مستثنٰی ہیں۔ (دیکھو صفحہ ۱۹)

(۲۴) انسان کے اپنے اعمال کے باعث بر و بحر میں فساد برپا ہو چکا ہے۔ **ظھر الفساد فی البر والبحر ما کسبت ایدی الناس: (۳۰/۵) (الروم: ۴۱)** اُمّتیں مذہبی، سیاسی اور جغرافیائی بنا پر ایک

خالق سمجھنے یا اس کائنات کو دیکھ کر اس سے کوئی خدا کا قانون اخذ کرنے کی بجائے بار بار خدا کو چھوڑ کر چاند، سورج، درختوں وغیرہ کی پرستش شروع کر دیتا تھا اس لئے اس کی کم نگاہی اس کو اس طرف لے گئی کہ یہ انبیاء لوگ جن کے پیچھے ہزاروں اور لاکھوں آدمی لگ گئے، ہمیں اپنے گروہ میں شامل کرنے کے لئے آئے تھے، ہم کسی دوسری قوم کے نبی کو ہرگز اپنا نبی نہ مانیں گے، صرف ہماری قوم کا نبی خدا کی طرف سے تھا، صرف وہی پیغام جو ہماری زبان میں آیا تھا درست ہے، صرف زبر دست ہے، صرف زبور درست ہے صرف انجیل درست ہے۔ حضرت عیسیٰؑ صرف عیسائی قوم بنانے آئے تھے، حضرت موسیٰؑ نے صرف یہودیوں کا گروہ بنایا۔ انسان کی اس ابتدائی جہالت میں لوگ نبیوں کے پیچھے لگ کر فرقہ بند ہوگئے اور اگرچہ انبیا کی وجہ سے ان کی اپنی قوموں میں کافی اصلاح پیدا ہوگئی لیکن 'مذاہب'

دوسرے سے پھٹ چکی ہیں۔ ان کی مختلف قبیلوں اور گروہوں میں موجودہ تقسیم فی الاصل محض اس لئے تھی کہ وہ آپس میں تعارف پیدا کرسکیں۔ خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوباً وقبائل لتعارفوا: (۲/۴۹)

۲. دین الحق

(۲۵) اب جب کہ یہ تقسیم نمودار ہوچکی ہے اور انسان کی اپنی ضد اور بغاوت سے ہے، ہر صلاحیّت پسند اُمّت کا فرض ہے کہ وہ آپس میں داخلی فرقہ بندی پیدا نہ ہونے دے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا: (۱۱/۳) اندرونی طور پر کامل اخّوت سے رہے اور باقی سب امّتوں پر غالب آنے کی انتہائی سعی کرے۔ اس غلبہ کے لئے پھر قانون فطرت پر پورے طور سے کاربند ہونا لابدی ہے اور وہ دین فطرت صرف اسلام ہے جس کے بغیر کوئی دین قابل قبول نہ ہوگا۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ (۹/۳)

(۲۶) غلبہ کا احساس دنیا کی ہر قوم میں کم وبیش موجود ہے اور جس قوم میں جس قدر یہ احساس عملاً موجود ہے اسی قدر وہ قوم دین الحق پر ہے جس قوم میں غلبہ کا احساس اور عمل نہیں رہا وہ قوم مایوس ہے اور از روئے قران کافر ہے (اولئک یئسوا من رحمتی: ۳/۲۹) دین الحق دین فطرت اس لئے ہے کہ فطرت برحق ہے، نیز اس لئے کہ دنیا کی ہر زندہ قوم اس پر فطرتاً کاربند ہے۔ سب انبیا اسی دین الحق کو لائے تا کہ اپنی اپنی قوم کو غالب کردیں۔ انبیا کے بعد بھی ہر زندہ قوم غالب ہونے کی دُھن میں لگی ہے اور وہ اس غلبہ کو حاصل کرنے کے لئے اپنی اپنی ''ہدایت'' اپنے اکابرین قوم سے حاصل کرتی رہتی ہے۔ ''ہدایت'' یا ھدیٰ سے مراد وہ لائحہ عمل ہے جس پر چل کر قومیں باقی تمام اقوام پر غالب آنے کی سعی کررہی ہیں۔ اس بارے میں ہر قوم کا اپنا اپنا طریقہ اور اپنی اپنی ھدیٰ الگ ہے: لکل جعلنامنکم شرعة ومنھاجاً ط: (۵/۷) ولکل وجھة ھو مولیھا: (۱۸/۲) لیکن قران کا دعویٰ ہے کہ صرف خدا کی دی ہوئی ہدایت صحیح معنوں میں ہدایت ہے اور وہی انسان کو بالآخر سب پر غلبہ دلاسکتی ہے: (قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ) (۲/۱۴،۳/۸،۶/۹) اسی لئے خدا نے رسولؐ عربیؐ صلعم کے بھیجنے کی واحد غرض یہ بیان کی کہ اس کی دی ہوئی الھدی باقی سب دینوں پر غالب کردے: ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (۵/۹) (نیز اس مطلب کے لئے) دیکھو حریم غیب صفحہ ۹۴ تا ۹۹) فطرة اللہ التی فطرالناس علیھاط ذالک دین القیم) (۴/۳۰) قران میں دین کی تعریف ہے:

(۲۷) جس قوم کے پاس قران کا بتایا ہوا ایمان عملاً ہوگا وہی دنیا میں ہر وقت ہر جگہ غالب ہوگی خواہ وہ قوم لفظی طور پر قران کو مانتی ہو یا نہ مانتی ہو۔ اس غلبے کی شدّت اسی قدر ہوگی جس قدر کہ ایمان اور عمل صالح کی شدّت اس قوم میں باقی ہے یا قائم ہے۔ اس ایمان

پیدا ہوگئے ایک مذہب دوسرے مذہب کے خلاف اور ایک قوم دوسری قوم کے مقابلے میں صف آرا ہوگئی حالانکہ سب انبیاء ایک ہی قانون لائے تھے۔ سب کے سب علم لائے تھے، حقیقت لائے تھے۔ علم کو چاہیے تھا کہ سب کو جوڑ دیتا لیکن بروبحر میں فساد پڑ گیا۔ اس بنا پر انبیاء کی بعثت کو حدیث القران میں ''حادثہ'' کہا گیا ہے اور یہ اس زمین پر بدقسمت انسان کے لئے سب سے بڑا حادثہ ہے۔ انسان کی اس ابتدائی جہالت کا حیرت انگیز اثر آج بھی انسان کی رگ رگ میں زمین کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے

میں یہودی، نصاریٰ، صائبین، یا کسی دوسری قوم کی تخصیص نہیں۔

(۲۸) صحیفہ فطرت کے اندر لاتعداد احکام، ہدایات، اشارات ہر اس قوم کیلئے ہیں جو ایمان رکھتی ہے، علم رکھتی ہے، سمع رکھتی ہے، یقین رکھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ علم کا ماخذ صرف سمع، بصر اور ذہن ہے، جو شے ان سے براہ رست اخذ نہیں ہوتی وہ ظنّ ہے اور انسان کے لئے ناقابلِ توجہ۔ انہی احکام، ہدایات اور اشارات میں کسی قوم کی انتہائی مادی ترقی کا راز مضمر ہے اور جو قومیں اس پر کاربند ہیں ان پر فاطر زمین و آسمان کا سلام ہے۔

(۲۹) جو قومیں غالب ہونے کی سعی میں لگی ہیں اور ایمان اور عمل صالح کی خصوصیتیں اپنے اندر بدرجہ اتم رکھتی ہیں ان کے لئے زمین کی بادشاہت جب تک زمین اور آسمان قائم ہیں، وقف ہے۔ صرف خدا کی ملازم صالح العمل قومیں زمین کی وارث ہوسکتی ہیں اور ہر ملازم خدا قوم کے لئے یہ بہت بڑا پیغام ہے: **ان فی ھذا لبلغا لقوم عابدین**o: (۱۲۱/۷)

۴۔ ھُدیٰ کا داخلی لائحہ عمل

(۳۰) قوم کو اجتماعی طور پر غالب کرنے کے لئے فطرت کے حسب ذیل دس اصول پر انتہائی عمل لازمی ہے (۱) عملی طور پر خدا کے حکموں کا ماننا (خواہ وہ حکم الکتٰب کے ہوں یا صحیفہ فطرت سے اخذ ہوں) اور فرمانبرداری میں کسی دوسرے حاکم (مثلاً نفس یا ذاتی خواہشات کے دیگر بُت) کو شریک نہ کرنا (۲) قوم کا داخلی اتحاد (۳) اپنے امیر کی (جو باہمی مشورے سے کام کرے) کامل اطاعت (۴) وقت پر تلوار سے جہاد (۵) وقت پر مال سے جہاد (۶) ضرورت کے وقت ترک وطن اور ترک لذّات (۷) صبر اور استقلال سے ہر کام کو تکمیل تک پہنچانا (۸) صحیفہ فطرت سے انتہائی علم حاصل کرتے رہنا (۹) مکارم اخلاق کا بدرجہ اتم حاصل ہونا۔ (۱۰) آخرت پر ایمان رکھنا۔ جو قوم جس شدت سے ان فطری اصول پر عامل رہے گی، اسی شدّت سے اس کا استحکام زمین پر ہوگا۔ دیکھو صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۹)

(۳۱) قوموں کو غلبے کا لائحہ عمل دینے سے غرض یہ ہے کہ **دین الحق** (جس کا دوسرا نام دین اسلام ہے) بنی نوع انسان پر دین فطرت ثابت ہو جائے تاکہ اس قوم کے غالب ہو جانے سے بنی نوع انسان میں وہ اتحاد پھر ہو جائے جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا تھا۔ پھر اس اتحاد کے بعد فطرت کو پیدا کرنے کا مقصد (یعنی لقائے رب کا مرحلہ) پورا ہو۔ اسی مقصد کے لئے اسلام نے سب اہل کتاب کو **تعالوا الی کلمة سوآء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ**: (۳/۷) کی دعوت دی تھی یعنی ''اے خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں والو! اس مشترک بات پر تو آجاؤ جو تمہارے ہمارے درمیان برابر ہے

تک اس شدت سے باقی ہے کہ ہوش مند انسان انگلیاں منہ میں لے کر کاٹتا ہے۔ دنیا کی اکثر خونریزیاں آج بھی مذہب کی بنا پر ہو رہی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ سب انسان اندھے ہو گئے ہیں۔ قران نے انسان کی ان غلط فہمیوں کو پکار پکار کر درست کیا، صاف کہا کہ سب نبی ایک قانون لائے تھے، ایک ہی الکتٰب تھی، ایک نبی اور دوسرے نبی میں کوئی فرق نہیں، جو فرق کرے گا سچا کافر ہے، نبی نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، جو لوگ صحیح معنوں میں الکتٰب پڑھتے ہیں وہ خواہ کسی زبان میں ہو اس کو جھٹ اُسی طرح پہچان لیتے ہیں جس طرح کہ اپنے بیٹوں کو خواہ وہ کسی لباس میں ہوں (الذین

کہ ہم خدا کے سوا کسی دوسرے حاکم کے ملازم نہ بنیں گے جب تک مسلمان سب پر چھاتے گئے ان کا مقصد ''مُسلم'' بن کر سب کو ایک کرنا تھا بعد میں وہ صرف محمدیؐ بن گئے۔

۵۔ ھُدیٰ کا عالمی لائحہ عمل

(۳۲) جو قوم باقی سب قوموں پر غالب آ کر رہے گی، وہ نری خونخوار قوم نہ ہو گی جو (مثلاً امریکہ یا روس کی طرح) باشندگان زمین کو (ایٹم بم وغیرہ سے) تہس نہس کر کے صرف اپنی چھوٹی سی قوم کا اقتدار قائم کرے گی اور پھر اقتدار قائم کرنے کے بعد اس وسیع اور ویراں زمین میں ''یوسف بے کارواں'' ہو کر پھرے گی، بلکہ اس قوم میں دین فطرت (یعنی دین اسلام) بدرجہ اتّم موجود ہو گا، اور وہ اُن سب خوبیوں کی مالک ہو گی جو خدا کسی 'مُسلم' قوم سے چاہتا ہے۔ غلبہ اگرچہ انفرادی طور پر ایک قوم کا دوسری قوم پر اکثر مقامی طور پر ہوتا رہتا ہے لیکن عالمگیر اور دائمی غلبہ صرف مکمّل ایمان والی قوم کا باقی رہ سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس قوم کا جو ایمان اور اعمال صالح کی قوتوں کو اپنے اندر برقرار رکھنے کی سعی مالا یطاق کرتی رہے: **انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ٥**: (۳/ ۱۴۰) ایمان والی قوم کا بہ ہر نوع سب پر غالب آ جانا سنتِ خدا (یعنی قانون فطرت) ہے۔ جس میں ردّ و بدل ممکن نہیں: **ولو قاتلکم الذین کفروا لو لوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا ٥ سنة الله التی قد خلت من قبل ج صلے ولن تجد لسنة الله تبدیلا ٥**☆: (۴۸/ ۳)

۱۔ عالمی اخوّت (نسلی تفریق کا حل)

(۳۳) عالمگیر غلبہ حاصل کرنے والی قوم میں سب سے پہلے یہ یقین ہونا لازم ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک نسل سے ہیں، وہ ایک ماں اور ایک باپ سے پیدا ہوئے اور اگر سطح زمین جغرافیائی یا اجتماعی لحاظ سے گروہوں میں بٹی ہوئی ہے تو صرف باہمی تعارف کے لئے: **یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوباً وقبآئل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقکم**: (۴۹/ ۲) جس قوم میں گورے اور کالے، مشرق اور مغرب، جرمن اور انگریز ہونے کا تعصّب باقی ہے اس کا کسی بڑی مدّت تک عالمگیر غلبہ حاصل کر لینا محال ہے۔

(۳۴) روئے زمین پر غلبہ کے لئے لازم ہے کہ جو قوم اس کی مدّعی ہے وہ روئے زمین کے تمام انسانوں کے ساتھ بلا لحاظ رنگ و نسل اخوّت کے جذبات اپنے دلوں میں موجزن رکھے اور ان قوموں کو جو مغلوب ہو جائیں غلبہ تسلیم کر لینے کے بعد اپنی وسیع اخوّت کے دائرے میں شامل کرے حتیٰ کہ اُن کو اپنے

اتینھم الکتٰب یعرفونه کمایعرفون ابنآء ھم ط: (۲/ ۱۷، ۶/ ۲)، وغیرہ وغیرہ۔ قران نے کہا کہ جو کچھ اختلاف انسانوں کے درمیان انبیا کے آنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ضد اور بغاوت سے ہے **ما اختلف ...... الا من بعد ما جآء ھم العلم بغیا بینھم** ط (۳/ ۲) اس کا فیصلہ یوم قیامت کو ہو گا۔ ہم دردناک سزائیں دیں گے، ہم انبیا سے اس روز پوچھیں گے کہ کیا تم نے انسانوں کو اپنے پیچھے لگایا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ **الغرض** یہ سب اس لئے کہ خدا انسان کو ایک اُمّت بنانا چاہتا تھا۔ **ولو شآء ربک لجعل الناس**

☆ اور (اے ایمان والو!) اگر تم سے کافر جنگ کرینگے تو لازمی ہے کہ وہ پیٹھ پھیریں پھر ان کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہو گا۔ یہ وہ قانون خدا ہے جو پہلے سے ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور تو قانونِ خدا میں ہرگز تبدیلی نہ پائیگا۔

اندر جذب کرلے وان تخالطوھم فاخوانکم: (۲/۲۷) (البقرہ: ۲۲۰) مخالف قوم اگر غالب قوم کے ظاہری شعائر اختیار کرلے تو ان کو اپنا بھائی عملاً بنالینا غلبہ کے لئے لازمی ہے: فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین ط ونفصل الایت لقوم یعلمون o ☆(۲/۹) قران حکیم کا دعویٰ ہے کہ یہ نکتہ اس قدر عظیم الحکمۃ ہے کہ صرف صاحب علم قوم اس کی لم تک پہنچ سکتی ہے۔

(۳۵) عالمگیر غلبے کے لئے لازم ہے کہ وہ قوم قانون فطرت کے منکروں پر انتہائی طور پر سخت اور آپس میں انتہائی طور پر رحم دل ہو: اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم: (۴/۴۸) (الفتح: ۲۹) مخالف پر سختی اس پختہ عزم سے ہو کہ فطرت کا منشا بہر حال پورا ہو کر رہے اور ایک دشمن بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے: حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ ج: (۵/۸) منکرین اور منافقین کے خلاف تلوار کی لڑائی انتہائی شدت سے ہو: یاایھا النبی جاھدا الکفار والمنفقین واغلظ علیھم: (۲/۱۰) جنگی ہتھیاروں سے پوری تیاری دشمنوں کے خلاف کی جائے کہ یہ لوگ صرف قوم کے دشمن ہی نہیں بلکہ خدا کے دشمن اس لئے ہیں کہ انسان کے ایک اُمّت ہونے کے خدائی مقصد کو پورا ہونے نہیں دیتے: واعدوالھم ما ستطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم (۸/۸) آپس میں اخوت اس انتہائی درجہ کی ہو کہ اس کو ایمان اور عمل صالح کی بنیاد قرار دی جائے: انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون o ع: (۱/۴۹) گویا اس اخوت کے بغیر خدا کا رحم اس قوم پر ہو نہیں سکتا۔

(۳۶) غلبہ کی مدّعی قوم کے لئے عالمی اخّوت اور وفاداری قائم رکھنے کے لئے انتہائی طور پر لازم ہے کہ اس کی اخّوت گھر سے شروع ہو، ایمانداری، سچائی، رحم، عدل، محبّت الغرض سب مکارم اخلاق اس حد تک ہوں کہ دوسری قومیں ان کی نکوکاری اور راست روی سے متاثر ہو کر ان میں جوق درجوق شامل ہونے کے جذبات قائم کریں۔ لیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونوا شھدآء علی الناس: ج صلے (۱۰/۲۲)

۲۔ مالی تفریق کا حل

(فردی مساوات کے لئے زکوٰۃ کا عمل)

(۳۷) کسی وسیع اور روز افزوں جماعت میں جو عالمگیر ہونے کے درپے ہو کر دائمی اور تمامی غلبہ چاہتی ہے داخلی اخوت قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ دولت کی تقسیم ناہموار ہو اور امیر وغریب کا فرق نمایاں رہے۔ اس نقطۂ نظر سے اُس قوم میں دولت کی ہموار تقسیم کا وہ بے پناہ نظام قائم ہونا لازمی ہے جو جمع شدہ دولت کو کسی ایک شخص کے

امۃ واحدۃ: (۱۰/۱۱) کان الناس امۃ واحدۃ قف (۲/۲۶)، اسی مقصد کے لئے اس کو پیدا کیا تھا ولذالک خلقھم: (۱۰/۱۱) لیکن وہ ہر دم اختلاف کرتے رہتے ہیں: لا یزالون مختلفین o الا من رحم ربک: (۱۰/۱۱) الغرض سطح زمین پر آج اس حیرت انگیز ترقی کے باوجود انسان اس قدر جاہل مطلق ہے کہ مذہب کی ضد سے اب تک نہیں ہٹا اور تمام روئے زمین مختلف قوموں اور قبیلوں میں سب سے زیادہ مذہب کی وجہ سے، نیز جغرافیائی، سیاسی، نسلی، ادنیٰ وجوہات

☆ پس اگر وہ گروہ جنگ سے پھر جائیں اور تمہارے ساتھ ایک صف میں نماز پڑھ لیں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ہم یہ آیات علم والی قوم سے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

پاس رہنے نہ دے، حکومتِ وقت اس کی دولت کے ایک مستقل حصّے کو ہر دم لیتی رہے اور اس کو لے کر کم دولت اشخاص کی بہبودی پر سرکاری طور پر اور خیرات کا احساس دیئے بغیر صرف کرتی جائے: والعملین علیھا: (۸/۹) اسی لحاظ سے قرانِ عظیم نے کہہ دیا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے وہ انتہائی طور پر اپنی خواہشات نفسانی کو خدا بنا کر خدا کے احکام کو رڈ کرنے والے مشرک ہیں جو قوم کے انجام بد سے بے خبر ہیں۔ وویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ وھم بالاخرۃ ھم کافرون ٥: (۱/۴۱) اور دوسری جگہ کہا کہ سونے چاندی جمع کرنے والوں کو جہنّم کی آگ ہے: والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ٥: (۹/۵) قرانِ حکیم کا منشا صاف تھا کہ تمام دولت کی امیر و غریب میں مساوی تقسیم ہو: واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق ج فما الذین فضلوا برآدی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سوآء ط فبنعمۃ اللہ یجحدون ٥:☆ (۱۰/۱٦) ھل لکم مما ملکت ایمانکم من شرکآء فی ما رزقنکم فانتم فیہ سوآء...... کذالک نفصل الایت لقوم یعقلون ٥ ☆☆ (۴/۳۰) اور مزا یہ ہے کہ جتلا دیا کہ یہ نکتہ وہی قوم سمجھ سکتی ہے جو عقلمند ہو۔ اُدھر دوسری جگہ، انفاق مال کے متعلق قصّہ ہی ختم کر دیا کہ جو کچھ تمہارے پاس بچ گیا ہے (حکومت کو) دے دو: یسئلونک ماذا ینفقون لا قل العفو ط: (۲/۲۷) گویا زکوٰۃ کی چالیسویں حصّہ کی مولویانہ حد بھی اسلام میں نہیں۔ دنیا میں اگر جماعت کو عالمگیر طور پر غالب کرنا ہے تو اسلام کے نزدیک سرمایہ داری سرے سے ختم ہونی چاہیے بلکہ اسلام رِبا (یعنی بے اندازہ سود) کو بھی حرام قرار دیتا ہے تاکہ دولت بے حساب بڑھنے نہ پائے: حرم اللہ الربوا: (۲/۲۸) ! سوچو کہ کمیونزم کا نیا فریب اس خدائی دستور العمل کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

۳۔ مالی تفریق کا حل

(فردی مساوات کے لئے الصلوٰۃ کا عمل)

(۳۸) (ا) ایک وسیع اور عالمگیر اُمّت میں جس میں ہر قوم اور ہر ملک کے لوگ شامل ہوں جو سطح ارض کے ہر برّ اعظم پر اپنی اخوّت اور مساوات کے باعث پھیل رہی ہو اور تمام دنیا پر چھا جانا اس کا منتہائے نظر ہو، امیر اور غریب کا سوال اس قدر ٹیڑھا ہے کہ نرے زکوٰۃ کا محصول لگا دینے سے اس کا پورا علاج نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ دینے والا جب تک صاحب نصاب ہے نمایاں طور پر شوکت اور جلال کا مالک ہے، اس کے محل اونچے ہی رہیں گے، اس کی ذاتی شان اسکی کمائی ہوئی دولت سے عیاں ہے، حکومت اگر چہ امیر اور غریب کا فرق کم کرنے کیلئے

سے پھٹی ہوئی ہے اور اگر انسان چندے اَور اپنے کان آنکھ اور ذہن کو کام میں نہ لایا اور اسی طرح ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہا تو وہ خونریز لڑائیوں، قتل و غارت، دکھ اور بربادی کے خطرناک جہنّم میں ابدالآباد تک پڑا رہے گا۔ دوسرے الفاظ میں من یفسد فیھا ویسفک الدمآء (۲/۴) کا افسوسناک منظر جس کے متعلق فرشتوں نے بھی انسان کے خلیفہ خدا بنائے جانے کی تجویز کے وقت طعنہ دیا تھا، انسان کی بصیرت کی کمی کا منظر ہے، منشائے فطرت نہیں۔ اسی لئے قران نے کہا کہ اگر انسان ایک اُمّت نہ

☆ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کی برتری دی ہے تو جن کے پاس رزق زیادہ ہے وہ اپنے ماتحتوں کو اپنا رزق اس قدر دینا پسند نہیں کرتے کہ وہ اور یہ آپس میں برابر درجے کے ہو جائیں تو اس سے نتیجہ صاف یہ نکلا کہ وہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں۔

☆☆ کیا تمہارے ماتحتوں (یعنی غریب لوگوں) میں سے کوئی ایسے بھی رزق ہیں تمہارے اتنے گہرے شریک ہیں کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ۔ عقلمند قوم کے لئے ہم اپنی آیتیں یوں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

اس کی دولت کا ایک حِصّہ اس سے نامحسوس طور پر لے لے گی، مگر کوئی طاقت اس کو منع نہیں کرسکتی کہ اس کی جائز کمائی میں سے جس قدر وہ چاہے اپنے پر خرچ نہ کرے۔ چونکہ زکوٰۃ صرف بچت پر ہے یا ''کم سے کم العفو'' یعنی بچت کو دے دینا ہے اس لئے وہ اگر چاہے تو اپنی کمائی سے سونے کے محل بنا سکتا ہے اور کوئی شخص انصافاً اس کو مطعون نہیں کرسکتا کہ تُو غربا کے بالمقابل کیوں زیادہ شان سے رہتا ہے۔ حق ملکیت کا ہونا انسان کا وہ پہلا اور ابتدائی حق ہے جس کے بغیر انسان انسان نہیں رہ سکتا۔ زکوٰۃ کے عدیم المثال نظام میں خوبی یہ ہے کہ وہ کسی شخص کے حق ملکیّت کو نہیں چھیڑتی، مالک کو پورا حق دیتی ہے کہ وہ (جائز اور مناسب حدود کے اندر) جو زیب و زینت اپنے لئے چاہتا ہے کھلے طور پر لے: **قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده والطيبت من الرزق ط قل هى للذين امنوا فى الحيوة الدنيا خالصة يوم القيامة ط كذالك نفصل الايت لقوم يعلمون ٥ قل انما حرم ربى الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغى بغير الحق وان تشركوا بالله مالم ينزل به سلطانا وان تقولوا على الله مالا تعلمون ٥ ولكل امة اجل ج فاذا جآء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون ٥** ☆ (۷/۴)۔ قابل غور امر یہ ہے کہ زینتوں کے حلال ہونے کی حکمت کے متعلق خدا کے کلام نے عیاں طور پر جتلا دیا ہے کہ صرف صاحب علم قوم اس حکمت کی تفصیل تک پہنچ سکتی ہے اور وہی سمجھ سکتی ہے کہ قوموں کی اس دنیا میں قائم رہنے کی مدّت کب ختم ہوجاتی ہے۔ صاف کہہ دیا کہ صرف فواحش یعنی کھلی یا خفیہ بدکاری حرام ہے باقی تمام دنیا کی زینتیں اور آرائشیں خواہ وہ کسی قسم کی ہوں پورے طور پر حلال ہیں بلکہ ایمان والوں کے لئے جو دنیا میں عالمگیر غلبہ چاہتے ہیں، یہ دنیاوی زینتیں تا روز قیامت خاص طور پر وقف ہیں۔ اسلام کے نزدیک قوم کے کثیر افراد جب تک انتہائی جاہ وجلال سے نہ رہیں وہ دوسروں پر کیا رعب ڈال سکتے ہیں۔ آج کل کا زوال شدہ مسلمان بیچارہ کیا جانے کہ اسلام کا حلال کیا اور حرام کیا ہے۔ وہ چیتھڑوں اور جوؤں میں رہتا ہے اور اُدھر اس کے ''دینی امام'' سب حرکت چھوڑ کر باسی روٹیوں پر پل رہے ہیں، وہ کیوں نہ کہیں کہ ریشم پہننا حرام ہے، دنیا مُردار ہے۔ انگور کے گچھوں تک نہ پہنچنے والی لومڑی ہمیشہ سے یہی کہتی چلی آئی ہے کہ انگور کھٹے ہیں۔ اسی اوپر والی سورۂ اعراف کی آیتوں کے عین پہلے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرکے قرانِ عظیم نے کہا تھا: **يا بنى آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد وكلوا واشربوا**

بنے تو خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا کہ میں دنیا کے جنّ وانس سے جہنم کو بھر دونگا (**ولذالك خلقهم وتمت كلمة ربك لا ملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين ٥**: (۱۱/۱۰) **ولو شئنا لاتينا كل نفس هداها ولكن حق القول منى لا ملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين ٥**: (۳۲/۲) انسان کی اسی بےبصیرتی کو پیش نظر رکھ کر خدا کا آخری دین یعنی دین اسلام آیا اور اس کا واحد مقصد تمام بنی نوع انسان کو متحد کرنا تھا۔ (**ياايها الناس انى رسول الله اليكم جميعا ٥**: (۷/۲۰) **ادخلوا**

☆ یعنی کہہ دو کس نے اپنے بندوں کے لئے اللہ کی زینتوں کو اور عمدہ نعمتوں کو حرام کیا ہے وہ تو ایمان والوں کے لئے قیامت تک مخصوص ہیں، ہم یہ تفصیل صرف علم والی قوم کو دے رہے ہیں۔ کہہ دے میرے رب نے تو صرف ظاہری اور باطنی بدکاری اور گناہ اور ناحق بغاوت کو حرام کیا ہے اور بلا سند شرک کو اور خدا پر تہمت کو۔ اور ویسے تو ہر اُمّت کی موت کی ایک مدّت مقرر ہے جو نہ ادھر ہوسکتی ہے نہ اُدھر۔

ولا تسرفوا ط انه لا یحب المسرفین ۝: ☆ (۳/۷)

(۲) الغرض زکوٰۃ کے عمل سے (خواہ چالیس برس کے اندر اندر حکومت ہر صاحب نصاب شخص سے اس کی پوری بچت نا محسوس طور پر لے لے) امیر اور غریب کا فرق صرف ایک حد تک کم ہو جاتا ہے، مٹتا نہیں۔ نہ اسلام کسی کے حق ملکیّت پر قبضہ کرنے کے حق میں ہے۔ یہی وہ اصولی فرق اسلام اور کمیونزم میں ہے جس کے باعث کمیونزم اسلام کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا اور جس میں کمیونزم کی جلد از جلد موت ہے بلکہ اس کی موت شروع ہو چکی ہے اور وہ چند اوپر کے آدمیوں کا غنڈہ پن، بلکہ یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر بڑے پیمانہ پر سرمایہ داری کا ایک مکروفریب بن کر رہ چکا ہے۔ کمیونزم دین اسلام کی ایک انتہائی مسخ شدہ صورت ہے اور اس کی لازوال حکمت کا ایک چھوٹا سا فقرہ، اس سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں۔

(۳) ان حالات میں کہ امیر اور غریب کا فرق ان عنوانوں سے جو بیان ہوئے مٹ نہیں سکتا اور نہ امیر اور غریب کے فرق کو مٹا کر تمام انسانوں کو مشین کی طرح ایک ہی سانچے میں ڈھلی ہوئی مورتیں بنا دینا کسی عنوان سے انسانی معاشرت کے مسئلے کو حل کر سکتا ہے (بلکہ تمام انسانوں کو ایک ہی حیثیّت کے بنا دینا، ان کے مکانات اور طرز رہائش کو یکساں کر دینا ان کو جبراً مزدور بنا دینا مختلف نوعیّت کے دماغوں میں کوئی فرق نہ کرنا، بہتر سے بہتر ذہن اور خوبی کے مالک انسان کو ادنیٰ سے ادنیٰ جاہل مطلق انسان کے برابر کر دینا جیسا کہ کمیونزم میں ہے انسانی معاشرت کے فطری تنوّع اور رنگا رنگ ہونے کی فطری دلاویزی کے لئے زہر قاتل ہے اور انسان کو طبعاً مرغوب نہیں) اس لئے اسلام نے دولت اور سرمایہ داری کی تیز دھار کی حدّت کو کم کرنے کے لئے وہ مؤثر علاج تجویز کیا جو دنیا کی تمام سیاست کی ناف (۱) ہے اور جس کی حکمت تک دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی بیدار قوم اب تک نہیں پہنچ سکی۔ وہ سیاست یہ ہے کہ عالمگیر غلبہ چاہنے والی قوم کا ہر فرد خواہ وہ امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا رعیّت، دن میں ایک دفعہ نہیں پانچ دفعہ، ایک قطار میں کھڑا ہو کر فاطر زمین و آسمان کے آگے، ایک مجاہد انسان کی قیادت میں اپنا ماتھا زمین پر رگڑے تاکہ امیر کی سب اکڑ دن میں پانچ دفعہ نکلتی رہے اور غریب کو حوصلہ ہو کہ امیر بھی اسی قطار میں کھڑا ہے یہ اس لئے کہ امیر کا جمع کردہ سرمایہ انسانی ہیئت اجتماعی میں خواہ وہ زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلی ہوئی ہو، کوئی غیر معمولی خلل پیدا نہ کر سکے۔ آج کل کے یورپی اور امریکی سرمایہ دار اس قدر خونخوار انسان ہیں کہ وہ اپنے نفع کی خاطر ہر پچیس سال کے بعد اپنے سرمایہ کے زور سے سیاسی

فی السلم کافۃ ص (۲/۲۵) واحد مقصد یہ تھا کہ دین الحق باقی سب دینوں پر غالب آ جائے: لیظھرہ علی الدین کلہ: لا (۹/۵) اس دین نے برملا تمام اہل کتاب کو دعوت دی کہ آؤ ہم اس مشترک حقیقت پر جمع ہو جائیں کہ تمہارا اور ہمارا خدا ایک ہے اور تمام دنیا کو ایک نقطے پر لے آئیں۔ اُدھر چونکہ ابتدائے آفرینش سے ہی فاطر زمین و آسمان تمام بنی نوع انسان کو ایک اُمّت بنانا چاہتا تھا اس لئے کسی ایک دین کا باقی تمام ادیان پر غالب آ جانا ہی دین الحق ہے اور اسی دین الحق کو وقتاً فوقتاً تمام انبیا لے کر آئے: شرع لکم من الدین ما وصی بہ

☆ یعنی اے بنی آدم اپنی تمام زینتیں ہر (اجتماع کے موقعہ پر جو) مسجد میں (ہو) لے جایا کرو تاکہ دنیا پر اثر ڈال سکو) اور خوب کھاؤ پیو لیکن حد سے نہ بڑھو، خدا فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتا، دیکھو حریم غیب ۲۲۳

حاکموں پر بے پناہ دباؤ ڈال کر عالمگیر جنگیں چھیڑ دیتے ہیں تاکہ لامحالہ ان کے نجی کارخانوں میں کام کثرت سے ہو اور اربہا روپیہ کما سکیں۔ یہ سب اس لئے کہ ان کو دو کروڑ انسانوں کے ہر لڑائی میں قتل ہو جانے کی کچھ پروا نہیں رہی اور وہ اپنی دولت کے بالمقابل انسانی جان کو کوئی قیمت نہیں دیتے۔ برعکس اس کے قران حکیم نے خدا کے بندوں کی تعریف یہ کی کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو اس زمین پر دھیمے دھیمے چلتے ہیں اور جب ناواقف انسان بھی ان کے سامنے آ جاتے ہیں تو سلام کرتے ہوئے جھک جاتے ہیں: **وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجھلون قالوا سلما o والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاماً o والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم** ق صلے **ان عذابھا کان غراماً o** ق صلے **انھا سائت مستقرا ومقاماً o والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواماًo:** (۲۵/۶) ☆ وغیرہ وغیرہ

(۴) الغرض سرمایہ کے پیدا کردہ کبر و غرور کو توڑ کر انسانوں میں اخوّت کا جذبہ قائم کرنے والی شے الزکوٰۃ کے علاوہ الصلوٰۃ بھی ہے جس کو دین اسلام نے انسان کی ذہنی تفریق کو مٹانے کے لئے جاری کیا تھا۔ اسی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر کہا کہ اگر وہ لوگ جن کے ساتھ تمہاری جنگ وجدال بھی ہے پشیماں ہو کر زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہو جائیں اور تمہارے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہو کر الصلوٰۃ کو ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ پھر کہا کہ یہ باریک نکتہ کہ الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ سے کیونکر اخوّت پیدا ہو جاتی ہے صرف وہی قوم سمجھ سکتی ہے جو صاحب علم ہو: **فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین** ط **نفصل الایات لقوم یعلمون o:** (۹/۲)۔ الغرض یہی وہ الصلوٰۃ تھی جو قرون اولیٰ کے تقدم انگیز اور ہیجان خیز وقتوں میں اس طرح کی بے معنی اور بے نتیجہ نہ تھی جس بے معنی پن سے وہ آج چل رہی ہے اور بجائے **تنھی عن الفحشآء والمنکر** ہونے کے کبر و نخوت، معائب اخلاق اور مکر و نفاق کی بدیاں پیدا کر رہی ہے۔ انسان کی ہئیت اجتماعی میں امیر و غریب کو ہر دم مساوی کرنے کا یہ عجیب و غریب نُسخہ جو مرورِ مدّت اور بے علم لوگوں کی ناشناسی کے باعث بیکار ہو کر رہ گیا ہے وہ نسخہ ہے جس کے بدون امیر اور غریب کا فرق کسی عنوان سے دنیا میں مٹ نہیں سکتا اور جب تک کسی صاحب علم شخص کا بے پناہ علم اور محبّت حضرت عمرؓ والے درّے سے اس کو پھر درست نہ کرے، یہ نسخہ انسان کے حق میں کیمیا نہیں ہو سکتا۔ ۸ مئی ۱۹۵۱ء کو انہی نکات کو پیش نظر رکھ کر میں نے حریم غیب میں لکھا تھا:۔

نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ: (۴۲/۲) بلکہ یہی ایک قوم کا باقی تمام قوموں پر غالب آ کر سب بنی نوع انسان کو ایک اُمّت کر دینا ہی وہ مضبوط دین ہے جس پر فطرت انسانی مجبول ہے: ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ: (۴۲/۲)، فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا ط لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم: ق لا (۳۰/۴) گویا دوسرے لفظوں میں غلبے کا دین ہی دین الحق ہے خواہ وہ کسی اُمّت میں ہو۔ رسولِ خدا صلعم بھی اسی دین الحق اور ہدیٰ (قرآن) کو لے کر آئے تھے کہ اس کو

☆ یعنی اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر دھیمے دھیمے چلتے ہیں اور جب ناواقف لوگ بھی ان کے سامنے آ جاتے ہیں تو (تالیف قلوب کی خاطر) ان کو سلام کہتے ہیں وہ جو راتوں کو بھی خدا کے حکموں کی تعمیل میں سر بسجود ہیں اور وہ جو خدا سے مانگتے رہتے ہیں کہ خدایا (ہماری عالمگیر قوم سے)

جہنّم کا عذاب بچائے رکھ ایسا نہ ہو کہ کوئی مہلک، غلطی کر بیٹھے) کیونکہ جہنّم کا عذاب بڑا دردناک ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے اور وہ جو کہ جب وہ اپنی دولت کو (اپنی آسائشوں پر) خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ اعتدال سے اپنا گذران کرتے ہیں۔

ہے مری نگہ کہ دین اب وہ خراب ہو چکا ہے
کہ خدا تجھی ملے گا کہ رب حَرَم بدل دو!

الغرض دین اسلام کی الصلوٰۃ نے اورقران کے بے پناہ حکم: ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخورا o: (۶/۴) واللہ لا یحب کل مختال فخور o: (۳/۵۷) نے کہ خدا مغروراوراکڑبازوں کو پسند نہیں کرتا، بے شک اُن زمانوں میں کہ دین اسلام عالمگیر ہورہا تھا اور ایک ملک کے بعد دوسرا ملک پے در پے مسلمانوں کے ہاتھوں میں آرہے تھے، سرمایہ داری کی تیز دھار کو اس قدر کُند کردیا تھا کہ خواجہ اور بندہ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے بلکہ اسوۂ عمرؓ کی تقلید میں غلام اور آقا باری باری سواری اس وقت کیا کرتے تھے کہ بقول ابن بطوطہ ''بغداد کے دریبہ کے بازار میں ایک عورت کی ہیروں کی دکان میں نوکروڑ روپے کا مال ہوتا تھا۔'' لیکن وہ وقت نور اور علم کا تھا۔ اُس وقت دین اسلام کا ہرنام لیوا صحیح معنوں میں عالم اور محمدؐ کی اُمّت کا ہر عالم علمآء اُمّتی کانبیابنی اسرائیل، بنی اسرائیل کے نبیوں کے برابر علم رکھتا تھا اور الصلوٰۃ کی ربانی حکمت دلوں پر چھا گئی تھی۔ وہ وَہ وقت تھا کہ قران عظیم نے پکار پکار کر کہہ دیا کہ اے مسلمانو! اگر تم عالم آرا اُمّت بننا چاہتے ہو تو جان لو کہ مومن فلاح پا گئے اور مومن وہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع، عجز ونیاز کے کرشمے ظاہر کرکے اس اُمّت کو بے پناہ طور پر مضبوط بنا رہے ہیں: قد افلح المؤمنون oلا الذین ھم فی صلاتھم خاشعونoلا والذین ھم عن اللغو معرضون oلا والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون oلا والذین ھم لفروجھم حافظون oلا الا علی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین oج فمن ابتغی ورآء ذلک فاولئک ھم العدونoج والذین ھم لا مانتھم وعھدھم راعون o لاوالذین ھم علی صلوتھم یحافظونoم اولئک ھم الوارثون o الذین یرثون الفردوس ط ھم فیھا خلدونo: ☆ (۲۳/۱)

وہ وقت وارثین زمین بننے کا تھا، عالمگیر اُمّت ہونے کا تھا، قوموں کی قوموں کو اپنی محبت اور انکساری، اور سب کو ''خدا کے بندے'' ہونے کی لپیٹ میں لینے کا تھا، اس لئے وہ نماز ہی کچھ اور تھی، اس کی ادا کچھ اور تھی، اس کا منشا کچھ اور تھا، منتہا ہی دوسرا تھا، غرض وغایت اور مقصد کچھ اور سامنے تھا، ہر شخص نماز میں صحیفہ فطرت کے اس بلند مقصد کو زمین سے بلند ہو کر دیکھ رہا تھا، خدا سے قریب تر ہو کر دیکھ رہا تھا، خدا کے مقصد کو خدا کے پاس بیٹھ کر دیکھ رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا کہ حُسن کردار، مکارم اخلاق، عجز وانکسار،

باقی سب دینوں پر غالب کردیں: ھو الذی ارسل رسولہ بالھدے ودین الحق لیظھرہ علے الدین کلہ: (۹/۵) ہر زندہ قوم کا دین آج کل بھی یہی ہے کہ وہ سب قوموں پر غالب آنا چاہتی ہے لیکن ہر قوم کی ھدیٰ (یعنی وہ لائحہ عمل جس کے ذریعے ایک قوم سب پر غالب آتی ہے) الگ الگ ہے اور قران عظیم کا دعویٰ ہے کہ صرف خدا کی دی ہوئی ہدایت ہی صحیح ہے۔ قل ان ھدی اللہ ھو الھدی: (۹/۶) الغرض انسانی تفریق کے بعد اب ہر زندہ قوم اس کشمکش میں لگی ہے کہ باقی سب قوموں پر غلبہ حاصل کرے اور اس مطلب کے لئے اپنی اپنی ہدیٰ

☆ یعنی بے شک مومن کامیاب ہو گئے۔ یہ وہ ہیں جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں، جو بیہودہ اور بے نتیجہ باتوں سے پرہیز کرتے ہیں، جو زکوٰۃ پر پورے طور سے عامل ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی ماسوا اپنی بیویوں اور زرخرید لونڈیوں کے حفاظت کرتے ہیں کیونکہ یہ فعل ان پر قابل ملامت نہیں۔ تو جو قوم

اس سے آگے بڑھ گئی وہ ظالم ہے۔ مومن وہ ہیں جو ایماندار، اور عہد کے پکے ہیں اور جو اپنی نماز کو (محض ایک رسم کے طور پر نہیں سمجھتے بلکہ اس کے آخری غرض و منتہا کی) حفاظت کرنے والے ہیں یہی ہیں جو آگے چل کر زمین کے بہشتوں کے وارث ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

غریب اور امیر کے فرق مٹا دینے کے بغیر نہیں اس زمین کی مٹی پر ماتھا ٹیکنے اور دن میں بار بار اس نفس کے غرور کو دل سے نکالنے کے بغیر کوئی قوم عالمگیر غلبہ حاصل نہیں کرسکتی۔ انگریز اس ہندوستان میں تجارت کرنے آئے اور فاتح بن گئے، کس زور شور سے انہوں نے ہندوستان کو فتح کیا تھا، کس زور شور سے خدا نے مسلمانوں کو جب وہ نااہل ہوتے گئے۔ کان سے پکڑ پکڑ کر نکالا، کس زور شور سے (میں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرانے ریکارڈوں میں پڑھا جب کہ شملہ میں تھا کہ) انگریز اُن دنوں انتہائی خشوع وخضوع سے گرجاؤں میں جا کر خدا کے آگے جُھکا کرتے تھے اور جو شخص ذرا سی زیادہ شراب پی لیتا تھا، اس کو گھنٹوں تک درخت کے ساتھ رسّوں سے باندھ دیا کرتے تھے، جو زنا کرتا تھا اس کو سخت ترین سزائیں دیتے تھے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب انگریزوں نے بادشاہت کے غرور میں آ کر ہندوستانیوں سے الگ بنگلوں میں رہنا شروع کیا، اُن کو نفرت کی نظر سے دیکھ کر اپنے سے حقیر سمجھنے لگے تو خدا نے کس سرعت سے سو (۱۰۰) برس کے اندر اندر ان کو اس سرزمین سے نکال باہر کیا۔ تم طنزاً کہو گے کہ ان کی جگہ اب ہمارے پاکستانی حاکم آئے ہیں اور ''خدا اُن کے کردار سے بھی خوش ہے؟'' یہ آگے چل کر فیصلہ ہوگا کہ خدا اُن کی بدکاری پر خوش ہے یا ان کو اولی باس شدید بنا کر تمہیں سزائیں دے رہا ہے اور سب کے لئے جہنّم تیار کر رہا ہے لیکن بہرنوع ایک بات صاف ظاہر ہے کہ انگریز سو برس بھی نہ رہ سکے اور مغلیہ بادشاہوں نے انہی مفسد اور فتنہ پرداز چالیس کروڑ ہندوؤں پر قریباً چار سو برس حکومت ایسے طریقے پر کی کہ ہندوؤں کی ایک مخالف جماعت بھی کانگریس کی قطع کی پیدا نہ ہوسکی۔ مسلمانوں نے بادشاہ ہوکر ہندوؤں کے دوش بدوش اُنہی مخلوق میں رہنا گوارا کیا جن میں وہ رہتے تھے، ان کی عورتوں سے شادیاں تک کیں، لکم دینکم ولی دین کے قرانی اصول پر چل کر ان کے مذہب کو نہ چھیڑا ان کی بودیاں اور دھوتیاں برقرار رکھ کر دس کروڑ مسلمان یہاں پیدا کر لئے۔ یہ اسی انکساری اور ''نماز'' کی برکت تھی کہ مسلمانوں کو ہندوستان کا فردوس ملا تھا: الذین یرثون الفردوس: (۲۳/۱) اور اسی نماز کو بھول جانے کی وجہ سے وہ اس سرزمین سے نکال دیئے گئے اور اب ان کیلئے چیتھڑے اور جوئیں، بیماریاں اور آہیں، ظالم حکمران اور قتل عام، بھوک اور ننگ، سیلاب اور کربلا کے میدان ہیں۔ مسلمان کو اب بھی اس تمام سزا کے بعد جو صدیوں سے مل رہی ہے اور علی الخصوص اس دردناک سزا کے بعد جو پاکستان بننے پر اور اس کے بعد سے مل رہی ہے گنجائش ہے کہ وہ کم ازکم یہ تو سوچے کہ قران کی اصلی تعلیم کیا تھی۔

اپنے دائرے میں زور سے جاری کرے اُدھر دین اسلام کی رو سے کسی جماعت کو غالب کرنے کے لئے ان دس اصولوں پر عمل کرنا لازمی ہے ورنہ وہ قوم لازماً اپنا غلبہ قائم نہیں رکھ سکتی، (۱) توحید فی العمل، (۲) وحدت الامتہ، (۳) اطاعت امیر، (۴) جہاد بالسّیف (۵) جہاد بالمال، (۶) ہجرۃ، (۷) استقامۃ فی السعی، (۸) علم صحیفہ فطرت (۹) مکارم اخلاق، (۱۰) ایمان بلاخرۃ۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دس اصول صحیفہ فطرت سے اخذ کئے ہوئے اصول ہیں اور ہر جماعت کے داخلی استحکام اور اس کے غلبے کو قائم رکھنے کیلئے لازمی ہیں۔ ان کے بغیر از روئے قران کوئی قوم ایمان اور صراط مستقیم پر نہیں رہ سکتی۔ اس لحاظ سے قران حکیم کے تمام بقیہ اوامر ونواہی (مثلاً صلوٰۃ زکوٰۃ وغیرہ) انہی دس اصول کو

۴۔عقائدی تفریق کا حل

(عام رواداری اور تالیف قلوب)

(۳۹) غریب اور امیر کے فرق کو حتی الوسع مٹانے کے بعد عالمگیر غلبہ والی قوم کے لئے سب سے بڑا مسئلہ مفتوح قوموں سے کامل رواداری کا مسئلہ ہے۔ عالمگیر اُمّت بننے کا دعویٰ کرنے والی قومیں نری تلواروں سے ملکوں کو فتح نہیں کرتیں، خدا کی بنائی ہوئی اس کائنات میں صحیفہ فطرت کی نری ''قانونی اور خشک آیتیں'' اور احکام مثلاً ''خوب زور آور بنو''، ''ہتیار بناؤ''، ''بے پناہ قتل کر کے سب کو ختم کر دو'' وغیرہ وغیرہ کام نہیں آتیں۔ ہلاکو اور چنگیز نے بے پناہ قتل عام کیا مگر عالمگیر نہ بن سکے، ہٹلر اور نپولین اور اسکندر کچھ کم نہ تھے مگر کچھ قائم نہ رکھ سکے۔ اس حساب سے فطرت کے نرے خشک احکام ہر جگہ کام نہیں آ سکتے کیونکہ فطرت سے اخذ کئے ہوئے احکام تمام کائنات کی مخلوق کے لئے عام ہیں اور ان میں انسان کے مخصوص اور لطیف جذبوں کا عنصر موجود نہیں۔ یہ شے صرف وہ رحمان ورحیم خدا وحی کی ھدی کے ذریعے سے دے سکتا ہے، یا انسان کو صدیوں کے تجربہ اور علم سے حاصل ہو سکتی ہے، یا خدا اور انسان کو پہچاننے والے انسانوں کے ذریعے سے ہی مل سکتی ہے۔ عالمگیر قوم ہونے کے لئے روادار ہونا انتہائی طور پر لازمی ہے۔ قران عظیم نے باقی اقوام کے ساتھ اس قدر رواداری اختیار کرنے کا حکم دیا کہ ہر قوم کے عبادت خانوں کے متعلق اقرار کیا کہ اُن میں خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اور منع کیا کہ اُن کو ایک دوسرے پر فتح حاصل کرنے کی کشمکش میں گرایا جائے: **الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ط ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوت ومسجد یذکرو فیھا اسم اللہ کثیرا ط ولینصرن اللہ من ینصرہ ط ان اللہ لقوی عزیز o**:☆ (۲۲/۶) یہ حکمت کہ کن ہتھیاروں سے ایک اُمّت عالمگیر اُمّت ہو سکے اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ انسان کو دوسری قوموں کے بارے میں وہی فراخ دلی اور وسیع نظری حاصل ہو جس کی تلقین قران عظیم نے کی۔ قران نے صاف اقرار کیا کہ بُت خانوں اور گرجاؤں میں بھی خدا ہی پکارا جاتا ہے۔ قران نے زکوٰۃ کا ایک اہم حصّہ دوسری قوموں سے تالیف قلوب کے لئے وقف کر دیا: **والمؤلفۃ قلوبھم**: (۹/۸) (التوبہ: ۶۰) واضح حکم دیا کہ دوسری قوموں کے بُتوں کو بھی گالی نہ دو کہ وہ تمہارے خدا کو گالی نہ دیں۔ **ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا للہ عدوا م بغیر علم ط** (۶/۱۳)

قائم کرنے کیلئے ہیں اور ھدی میں داخل ہیں۔ الغرض انفرادی طور پر ہر اُمّت اپنا مقامی غلبہ قائم رکھنے کیلئے ان اصول پر چل سکتی ہے مگر دین اسلام یہاں پر بس نہیں ہوتا۔ دین فصرت (یعنی دین اسلام یا دین الحق) تمام باقی ادیان (یعنی اقوام عالم) پر مستقل غلبہ حاصل کر لینے کے بعد تمام انسانوں کی ایک اُمّت چاہتا ہے اور اس عالمگیر حیثیت کو حاصل کرنے کے لئے مزید ھدیٰ پیش کرتا ہے۔ وہ ھدیٰ یہ ہے کہ عالمگیر غلبہ حاصل کرنے والی قوم روئے زمین پر صرف خونریزی کر کے غلبہ حاصل نہ کرے اور باقی سب اُمّتوں کو نیست و نابود کر دے

☆ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے اُس پر کہ وہ کہتے تھے کہ خدا ہمارا پروردگار ہے اور اگر خدا بعض لوگوں کو دوسرے لوگوں سے دور نہ رکھتا تو بت خانے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں خدا کا نام اکثر لیا جاتا ہے ڈھا دیئے جاتے اور اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو خدا (کے نصب العین) کی مدد کرتے ہیں (کیونکہ بے شک خدا قوت اور عزت والا ہے)

ضدی قوموں کو جو باوجود تمام رواداری کے عالمگیر اخوت میں شامل نہیں ہوتیں کہلوایا کہ تم ہماری طرف تو نہیں آتے، نہ آؤ لیکن ہمارے تم سے مل جانے کی امید بھی چھوڑ دو، البتہ ہم تمہارے دین کو نہیں چھیڑیں گے: **لکم دینکم ولی دین:** (۱۰۹/۱)

(۲) اس سے بڑھ کر جو عظیم الشان رواداری دین اسلام نے انسان کو عالمگیر غلبہ حاصل کرانے اور فطرت کا منشا پورا کرنے کے لئے دی یہ تھی کہ علی الاعلان کہہ دیا کہ تمام انبیا ایک ہی پیغام لائے، وہ سب کے سب خدا کی طرف سے تھے۔ ہر فرقہ میں خدا کا کوئی نہ کوئی پیغمبر آیا، ہر اُمّت میں کوئی نہ کوئی نذیر خدا کی طرف سے پہنچا، سب پیغمبروں کی شان یکساں تھی، جو لوگ ایک پیغمبر اور دوسرے پیغمبر کے درمیان فرق کرتے ہیں وہ گویا خدا اور پیغمبروں کے درمیان پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں اور وہی دنیا میں سچے کافر ہیں: **اولٰئک هم الکافرون حقاً:** (۴/ ۲۱) دین فطرت کی یہ بے مثال رواداری باوجود اس کے تھی کہ آج کسی ایک مذہب اور دوسرے مذہب میں ظاہرا طور پر کوئی یکسانیّت نظر نہیں آتی۔ ایک مذہب نے خدا کا بیٹا بنایا ہوا ہے، دوسرا درختوں اور دریاؤں کو پوج رہا ہے، کسی نے پتھر کے بُت بنائے ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسلام کی غرض یہ تھی کہ انسان جیسی خود سر مخلوق میں کم سے کم ٹکراؤ پیدا ہو اور اس بدقسمت زمین پر جس پر نسل آدم (باقی تمام مخلوق خدا کی فطرت اور عادت کی صریحاً خلاف ورزی کر کے) اپنی ہی نوع اور اپنی ہی جنس کے افراد کے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کا خون آئے دن بہا رہی ہے، **اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدمآء:** (۲/ ۴)، مذہب کی تفریق کے بارے میں خوشگوار صورت پیدا ہو اور اتحّادِ عالم کا منظر جو خدا کا حقیقی منشا ہے، پیدا ہو۔ مسلمانوں نے تمام انبیا کو یکساں سمجھنے میں، تاریخ شاہد ہے، کہ ماسوا قرن اوّل کے (جب کہ تمام عرب مسلمان ہو گیا تھا) کوئی خصوصی سرگرمی، اس کے بعد نہیں دکھلائی) اگرچہ قرن اوّل کے بعد بھی قوموں کی قومیں مسلمان ہوتی رہیں اور ہندوستان میں خواجہ معین الدّین اجمیریؒ وغیرہم نے تبلیغ کے سلسلے میں ہندوؤں کے گیروے کپڑے پہن کر اور ان کی بود و باش اختیار کر کے ہی ہندوستان میں اسلام کے لئے دروازے کھول دیئے اور لکھو کھہا انسان انہی کے عہد میں اسلام میں داخل ہو گئے لیکن اگر مسلمان فتح و ظفر کے ابتدائی سیلاب میں اس خاص رواداری کے بارے میں خاص طور پر کشادہ قلب ہوتے اور وہ دوسری قوموں کا رنگ و روغن اختیار کر کے ان کے نبیوں کو اپنا سچا نبی صدق دل سے مان لیتے تو کیا عجب ہے کہ تمام دنیا دائرہ اسلام میں اُسی وقت

بلکہ اس کو یقین ہو کہ تمام بنی نوع انسان بلالحاظ رنگ و نسل اور بلالحاظ مقام و قومیّت ایک ہی نسل ہیں، یقین ہو کہ وہ سب کے سب ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا ہوئے اس لئے ان سب کو ایک اخوت کے حلقہ میں داخل کرنا لازمی ہے۔ جو قومیں مغلوب ہونے کے بعد اس دائرے میں شامل ہو جائیں ان کو حقیقی معنوں میں بھائی بنا لینا اور فاتح اور مفتوح کے درمیان کوئی فرق نہ کرنا لازمی ہے۔ قران کے نزدیک اشدآء علی الکفار ہونے کے بعد رحمآء بینهم کا ماحول پیدا کرنا ہی غلبے کے اثر کو وسیع کر سکتا ہے۔ غلبہ حاصل ہونے کے

داخل ہو جاتی۔

قران حکیم نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ تورات اورانجیل میں ہدایت اورنور ہے:فیـــہ ھـدی و نـور☆ (۵/۷)
یہاں تک کہہ دیا تھا کہ تورات اورانجیل سے بڑھ کر کوئی ہدایت والی کتاب لاؤ:قل فـاتوا بکتب من عند الله ھوا ھدیے منھما: (۵/۲۸) رسولِ عربی سے یہاں تک کہلوادیا کہ مجھے بھی وہی کچھ کہا گیا جو پہلے رسولوں کو کہا گیا تھا:ما یقال لک الاماقـد قیـل لـلـرسل من قبلک ط : (۵/۴۱) وغیرہ وغیرہ۔لیکن ابتدائی مسلمانوں نے بھی مذہب کے بارے میں انسانی ضد کچھ نہ کچھ ضرور کی اوران احکام پر پورے طور سے عامل نہ ہوسکے۔اسی لئے وہ عالم آرا اُمّت نہ بن سکے۔

۵۔عالمی مرکز کا قیام

(۴۰) عالمگیر غلبہ کی دعویدار اُمّت کے لئے لازم ہے کہ اس کا ایک عالمی مرکز ہوتا کہ اقطار عالم کے سب مکین اُس ایک مرکز کی طرف رجوع کریں اوراتحاد عالم کی عملی صورت پیدا ہو۔اسی مقصد کے لئے قران نے بیت المقدس کے قبلے سے ہٹا کر مسلمانوں کو مکّہ کا نیا قبلہ اختیار کرنے کا حکم دیا اورصاف کہہ دیا کہ صرف بیوقوف لوگ ہی اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں قبلہ بدلا گیا:سیـقـول السفـھـآء مـاولھـم عـن قبلتھم التی کانوا علیھا ط قـل لـلـہ الـمشرق والمغرب: (۲/۱۷) وہ اس کی حکمت ہی نہیں سمجھتے کہ اگرچہ مشرق اورمغرب دونوں خدا کے ہیں لیکن اس نئے قبلہ کے ساتھ کسی قوم کا دیرینہ تعصّب وابستہ نہ ہوگا بلکہ وہ واد غیـــر ذی ذرع :(۶/۱۴) میں واقع ہے تا کہ اُس تک پہنچنا صرف تکلیف بردار لوگوں کا خاصہ بن جائے اورقوم کی طاقت برداشت اورمجاہدانہ قوتوں میں اضافہ ہو۔سب کا ایک صبغۃ ہو:ومن احسن مـن الـلـہ صبغۃ: (۲/۱۶) یأتین من کل فج عمیق ہ: (۴/۲۲) کا منظر ہروقت لگا رہے۔پھرلوگ اس مرکز کو دنیا کی تمام ترقیوں کا گھوارہ بنا کر اس کو انسانی اتحاد کی زندہ تصویر ثابت کردیں اور بنی نوع انسان کے ایک اُمّت ہونے کے بارے میں جو جانکاہ مشکلات درپیش ہیں ان کا کچھ نہ کچھ حل اس ایک مرکز بنانے کی تجویز سے بھی ہو۔

۶۔موجودہ عالمی مشکلات کا حل

۱۔علم کا حُکم

(۴۱) متذکرہ صدر تمام تصریح وتشریح میں جوروئے زمین پرایک غالب اورعالمگیر اُمّت کے قیام کے بارے

بعد کمزورقوموں کو نیست ونابود کردینا یا نسلی تفوق کی بناپر صرف جسمانی زور سے غلبہ حاصل کرنا ازروئے اسلام کوئی غلبہ نہیں اورنہ وہ غلبہ عالمگیر ہوسکتا ہے۔الغرض انسانی مساوات اوراخوت کے تخیل کو عالمگیر کرنے کے بعد دین فطرت کی تجویز یہ ہے کہ عالمگیر غلبے کی مدّعی قوم انسان کی مالی تفریق (یعنی امیر اورغریب کے فرق) کو مٹانے کی حتی الوسع کوشش کرے کسی کے حق ملکیت کو چھیڑنے کے بغیر ایسا نظام قائم کرے جس سے امیر کی دولت کا ایک مستقل حصّہ غریب کی بہتری میں ہمیشہ کے لئے صرف ہو۔دین فطرت کا یہ نظام زکوٰۃ کا عظیم الشان نظام ہے جوامیر سے اس کی بچت کا چالیسواں

☆ یہ انجیل کے بارے میں ہے اوراسی سورت اوررکوع میں ۵۰۴ توراۃ کے بارے میں فیھا ھدی و نور (۵/۷) ہے۔

میں کی گئی، دینِ فطرت کی اُس ھــدیٰ کو واضح کیا گیا تھا جو قران حکیم بہ حیثیت آخری کلام دنیا میں لے کر آیا۔ ہر صاحب نظر اس تشریح سے جو اوپر ہوئی، صاف اخذ کر سکتا ہے کہ روئے زمین کی بے شمار مختلف المزاج قوموں کی ایک غالب اور عالمگیر امت کا قیام جو لیظھره علے الدین کله (۹/۵) کے الفاظ سے مقصود تھا، صرف اسی ھدیٰ سے ممکن ہے جو قران نے دی اور قل ان ھدی الله ھو الھدی (۱۴/۲) کے ربّانی الفاظ قطعی طور پر حقیقت ہیں۔ مسلمانوں نے ابتدا میں اس ھــدی پر عمل کیا اور وہ چشم زدن میں عالمگیر ہوتے گئے۔ اب بھی کہ مسلمان زوال کے انتہائی مرحلوں تک پہنچ چکا ہے اور وہ ھــدیٰ قطعاً ختم ہو چکی ہے، مسلمانوں کی اُمّت میں عالمگیر اُمّت ہونے کے نشانات اَور قوموں کے بالمقابل زیادہ ہیں اور وہ اگر اس ھــدی کو پھر پکڑ لیں تو پھر عالمگیر ہو سکتے ہیں لیکن امریکہ اور انگلستان یا روس کی نئی پیدا کردہ کمیونزم کے متعلق گمان کرنا کہ وہ تمام روئے زمین کو ایک اخوّت میں جکڑ سکیں گے از بس محال ہے۔ جو امکان اس وقت ان طاقتوں کے روّیے سے ظاہر ہے یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کا عالمگیر غلبہ ہو گیا تو وہ تمام باقی اقوام کو کچل کر رکھ دے گی لیکن عالمگیر اخوّت پیدا کر کے تمام انسانوں کو ایک حلقہ میں لانا کبھی گوارا نہ کرے گی۔ با ایں ہمہ موجودہ حالات میں کہ بنی نوع انسان کے ایک اُمّت بننے کے عنوان نظر نہیں آتے اور نہ موجودہ انسانی اُمتوں کے انداز اس قطع کے ہیں کہ وہ نسل، رنگ، جغرافیائی حدود، قومی عصبیّت، تاریخی روایات، مذہبی تعصّبات وغیرہ کے جھمیلوں سے نکل کر انسانی نوع کو کسی بلند افق نظر سے دیکھیں اور پست کن تعصّبات سے بالاتر ہو کر روئے زمین کے باشندوں کا کوئی روشن مستقبل وضع کریں، قران عظیم قوموں کی باہمی کشمکش کا تہدیدی علاج یہ تجویز کرتا ہے کہ اگر انسان ایک اُمّت نہ بنے اور جس مقصد کے لئے ان کو پیدا کیا گیا پورا نہ ہوا تو نہ صرف یہ کہ جو اُمتیں غیر صالح ہونگی وہ روئے زمین سے پے در پے مٹتی جائیں گی جیسا کہ پہلے سے دستور چلا آ رہا ہے بلکہ انسان کی کثیر آبادی کو اس آپس کے افتراق کی خونریز فضا میں کافی طور پر رکھ کر، فســاد فــی الارض کے سبب کو اس قدر ہولناک بنا دیا جائیگا کہ انسانوں کی کثیر ترین مخلوق کو کسی جابر قوم کے ذریعے سے ولــنبلــونکــم بشیئ مــن الــخــوف والــجــوع ونقص من الاموال: (۱۹/۲) کے ماحول میں مبتلا کر کے غلامی، دُکھ، افلاس، موت، بھوک، ننگ کے جہنّم میں ڈال دیا جائے گا۔ دنیا کی کثیر ترین آبادی میں خوف اور حزن کا یہ منظر سائنس کی نئی نئی ایجادوں اور ایٹم بم کے

حصہ ہر سال حکومت کے خزانے میں ڈال دیتا ہے اور چالیس برس کے اندر اندر کسی شخص کے پاس اس کی جمع کی ہوئی دولت میں سے کچھ نہیں رہ سکتا۔ لیکن چونکہ دینِ فطرت ہر انسان کو اس کی جائز کمائی پر پورا حق ملکیّت دیتا ہے اور ہر دولت مند کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنی کمائی کو جس طرح چاہے اپنی ذاتی زیب و زینت پر خرچ کرے اس لئے زکوٰۃ کا نظام امیر اور غریب کے فرق کو پورے طور پر نہیں مٹاتا بلکہ صرف ایک حد تک کم کر دیتا ہے۔ اس فرق کو اَور مٹانے کے لئے (بلکہ ایک نقطہ نظر سے قطعی طور پر مٹا دینے کے لئے) دین

باعث اب پچھلے پچاس برس سے خاص طور پر پیدا ہو رہا ہے اور یورپ اور ایشیا کی کئی غیر صالح قوموں کے مٹنے کے بعد امریکہ اور روس کی دو طاقتیں آخری نبرد آزمائی کے لئے اس لئے نمودار ہوئی ہیں کہ زمین کے مادی وسائل پر قبضہ کر کے باقی سب قوموں کو نیست و نابود کر دیں اور زمین کی اجارہ داری کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ یہ منظر ظاہر ہے کہ نوع انسانی کی نجات اور فلاح کا منظر نہیں اور نہ اس سے آفرینش کا مقصد پورا ہو سکتا ہے جو اس سے بہت بلند تر ہے کہ چند کروڑ انسانوں کی ایک مخلوق باقی کروڑ در کروڑ انسانوں کو اپنے مادی زور سے ہلاک کر دے اور یہ زمین قطعاً بے آباد ہو جائے۔ امریکہ یا روس کے سولہ یا سترہ کروڑ انسان اگر باقی زمین کے دو سو کروڑ انسانوں کو ہلاک کر کے اس زمین کی بادشاہت کی اجارہ داری لیں گے تو اوّلاً یہ زمین اس چھوٹی سی آبادی کے لئے غیر موزوں طور پر وسیع ہو جائے گی اور وہ کشمکش جو رزق کی تلاش کے باعث اس وقت قوموں میں جاری ہے اور جس کے باعث سے تمام ترقی ہے، قطعاً ماند پڑ جائے گی امریکہ یا روس کے لئے رزق کی فراوانی کے باعث کوئی کام کرنے کا باقی نہ رہے گا۔ روئے زمین کے مادی وسائل کی جستجو جو اس وقت زمین کے کونے کونے میں ہو رہی ہے اور جس سے فطرت کے نئے نئے حقائق روز بروز واضح ہو رہے ہیں۔ صرف پندرہ بیس کروڑ انسانوں کے باقی رہ جانے سے ختم ہو جائیگی اور نسلی تفوّق کا نصب العین جو قوموں نے دین فطرت سے منحرف ہو کر اختیار کیا ہے بالآخر اس چھوٹی سی قوم کی بھی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ دین اسلام یا دوسرے الفاظ میں دین فطرت تمام بنی نوع انسان کی مشترک اخوت چاہتا ہے اور نسلی تفوّق کا قطعی طور پر دشمن ہے (ان اکرمکم عند اللہ اتقکمط) (۲/۴۹)

الغرض ان خطرناک حالات میں جو روئے زمین پر سرمایہ داری، مشینی ایجادات، لا مذہبیّت اور نسل، قومیّت اور وطن کے نئے تراش کردہ بتوں کی پرستش سے اب پیدا ہوئے ہیں دین اسلام کا پیش کردہ علاج یہ ہے کہ بنی نوع انسان کے مختلف گروہوں میں حکومت کی بنیاد **علم** پر کر دی جائے، اور سرمایہ داری قومی عصبیّت نسلی تفوّق یا کسی دوسرے محرّک کی پیدا کردہ سیاست کو قطعاً ختم کر دیا جائے۔ **و کلا اتینا حکماً و علماً** ☆ (۲/۲۱)، **علم** کا پیدا کیا ہوا حکم دین فطرت کے نزدیک صحیح **حُکم** ہے اس **حُکم** کی بنیاد صحیفہ فطرت کے اس علم پر ہے کہ سب انسان برابر ہیں، کسی قوم کے اغنیا کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے سرمایہ کے زور سے غریبوں کی دوٹیں خرید یں، غریب کی ہر ملک میں بے پناہ اکثریت کے باوجود حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر غریب کو کچلتے رہیں، اور ''جمہوریت'' کا لفظی ڈھونگ رچا

فطرت نے الصلوٰۃ کا نظام تجویز کیا ہے کہ امیر اور غریب دن میں پانچ وقت ایک قطار میں کھڑے ہوں اور خدا کے آگے سجدہ کریں تا کہ دولت کا غرور مٹے اور امیر کا غریب سے عملی تعاون اَور نمایاں ہو۔ دین فطرت یہاں پر بھی بس نہیں ہوتا بلکہ انسانی اخوّت کو اور مستحکم کرنے کے لئے عام رواداری اور تالیف قلوب کے احکام دیتا ہے۔ مطلق طور اعلان کرتا ہے کہ سب انبیا برابر درجے کے رہنما تھے، وہ یہودیوں اور نصرانیوں اور محمدیوں کا کوئی الگ الگ فرقہ بنانے نہ آئے تھے، ان کا مقام خدا کے نزدیک یکساں ہے جو نبیوں کے مابین فرق کرے

☆ یعنی ہم نے ان تمام قوموں کو جن کے رہنما ہمارے انبیا اور بھیجے ہوئے رسول تھے۔ علم دیا تھا اور حکومت بھی دی کہ وہ اس علم کے زور پر انسانوں پر حکومت کریں۔

کوسرمایہ اور دولت کو انسان پر حکمران کردیں۔قران عظیم نے اسی رُوسے کسی قوم کے امیر مقرر کرنے کا معیار صرف **علم** اور **جسم** قرار دیا۔ **زادہ (اللہ) بسطۃ فی العلم والجسم**: ط (۲/ ۳۲) کو امارت کی صحیح بنیاد قرار دے کر یکسر فیصلہ کردیا کہ دولت میں وسعت یعنی سرمایہ داری امارت کے لئے کوئی اہلیّت نہیں (**انی یکون لہ الملک علینا ونحن احق بالملک منہ ولم یوت ☆ سعۃ من المال** ط : (۲/ ۳۲) الغرض ان حالات میں کہ دنیا کی کوئی ایک قوم باقی تمام اقوام پر مادّی زور سے غالب آکر روئے زمین کی اجارہ داری چاہتی ہے، دین فطرت کا اوّلین منشا یہ ہے کہ **علم** کی حکومت ہو اور چونکہ صحیفہ فطرت کا **عالم** فطرتاً غریب طبقے کا فرد ہوتا ہے اسلام چاہتا ہے کہ سرمایہ داری کی حکومت کو فنا کرنے کے لئے بنی نوع انسان کے **دو طبقے یعنی غریب** اور امیر ہر ملک میں الگ کردیئے جائیں اور چونکہ غریب کی اکثریت ہر ملک میں ہے، **عالم** کو ہر ملک میں **حکمرانی** کے لئے **وقف** کردیا جائے۔

اسی نقطہ نظر سے مزدور طبقہ بھی دنیا میں حکمرانی کے لائق اس لئے نہیں کہ وہ بے علم ہے اور بے علم کو دنیا کی حکمرانی سپرد کردینا خلاف فطرت ہے۔اُدھر اگر غور سے دیکھا جائے تو چونکہ دنیا کی کوئی مادی ترقی **عالم** کے **علم** کے بغیر نہیں ہو سکتی۔اور مزدور صرف **عالم** کی ایجادوں کو اپنے ہاتھوں کے زور سے اس کی ہدایت کے مطابق بنانے والا ہے اور سرمایہ دار صرف روپیہ خرچ کر کے ان ایجادوں کو وسیع پیمانہ پر دنیا میں پھیلانے والا ہے، انسان کے ہاتھ اور انسان کا سرمایہ دونوں **عالم کے علم کے ماتحت ہیں**، عالم پر حاکم نہیں ہو سکتے۔اسی نقطہ کو پیش نظر رکھ کر قران حکیم نے گذشتہ اقوام کے انبیا حکمرانوں کو جو اپنے اپنے زمانوں میں صاحب **علم** تھے (باوجود اس کے کہ دوسری سلطنتوں سے بلائے ہوئے گرانڈیل مزدوران کا صنعتی کام کیا کرتے تھے) **ذوالاید والبصر** کہا۔گویا کہا کہ یہی انبیا ہاتھوں والے بھی تھے اور بصیرت والے بھی۔دوسرے لفظوں میں مزدوری بھی ان کی بصیرت کے تابع ہی تھی۔

القصّہ روئے زمین کے موجودہ دُکھ کو دور کرنے کے لئے دین فطرت کا صحیح نسخہ یہ ہے کہ تمام انسانی اقوام میں **عالم** کی حکومت قائم کی جائے اور مزدور اور سرمایہ دونوں کو **عالم** کے **حکم** کے ماتحت کردیا جائے۔جب سب اقوام میں **عالم** حکمران ہونگے، مزدور طبقہ اُن کو غریب طبقے کا رکن سمجھ کر خود بخود اور بہ طیبِ خاطر اپنا حکمران منتخب کرے گا تو تمام دنیا کے **عالم** حکمرانوں کا واحد مقصد یہ ہوگا کہ

وہ سچا کافر ہے وغیرہ وغیرہ۔یہ اس لئے کہ مغلوب قوموں میں غالب قوم سے الفت پیدا ہو اور وہ پورے طور پر اس اخوت میں شامل ہو جائیں زکوٰۃ سے حاصل کردہ مال کے ایک حصّے کو مغلوب قوموں کے ساتھ تالیف قلوب پیدا کرنے کے لئے مقرر کیا، اُن سے **لکم دینکم ولی دین** کی حکمت عملی پر عمل کرنے کے لئے کہا۔وغیرہ وغیرہ۔بنی نوع انسان کو ایک اُمّت بنانے کے سلسلے میں دین فطرت نے ان تمام ترکیبوں کے بعد یہ نظام بھی قائم کیا کہ غالب قوم کا ایک مرکز ہو جس کی طرف تمام باقی قومیں رجوع کریں تاکہ مزید استحکام پیدا ہو۔الغرض

☆ طالوت کی قوم نے کہا کہ کس طرح وہ ہم پر حاکم ہوسکتا ہے حالانکہ ہم حکومت کے زیادہ اہل ہیں اور اس کو تو دولت میں فراخی نہیں دی گئی۔

بنی نوع انسان کی مجموعی بہبودی کے لئے زمین پرحکومت کی جائے، سیاسی مقاصد یا نسلی تفوّق کو مدِّ نظر رکھ کر دنیا کی قوموں کو آپس میں نہ لڑایا جائے۔ صحیفہ فطرت کے عالم کا منتہائے نظر صرف صحیفہ فطرت ہے، اس کی نگاہ ان پست تعصّبوں سے بلند تر ہے جو انسان کی موجودہ زندگی کو جہنّم بنا رہے ہیں، قران عظیم کے مشہور فیصلے **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمآء ط:** (۴/۳۵) کے مطابق صرف **عالم** ہی ہے جو خدا سے صحیح معنوں میں ڈرتا ہے **عالم** ہی انبیا کی طرح نہ یہودی ہے، نہ عیسائی، نہ محمدی اور وہ انسان کی سب سفلی ضدوں سے پاک ہے اس لئے اقوام کو موجودہ جہنّم سے نکالنے کے لئے کوئی نسخہ سوائے قران عظیم کے نسخے کے باقی نہیں رہا کہ **علم** کی حکومت ہو اور دنیا کو ہر قسم کی سرمایہ داری کی لعنت سے پاک کیا جائے، نہیں بلکہ دنیا میں **مغربی جمہوریت** اور **مشرقی کمیونزم** کی دونوں **لعنتوں کو** جو غریب انسانوں اور کمزور اقوام کو کچلنے اور ایک قوم کی اجارہ داری کو قائم کرنے کے ڈھکوسلے ہیں، **غریبوں کے حلقے امیروں سے الگ کر کے** منطقی طور پر کچل دیا۔ جائے غریب جس وقت امیر سے سیاسی طور پر الگ ہو گیا سرمایہ داری اور مزدوری کے دونوں مسئلے صحیح طور پر حل ہو جائیں گے۔ غریب اپنی کثرت تعداد کے باعث جمہوری اصول کے مطابق حکمران ہوگا۔ امیر غریب کو زور زر سے کچلنے کی بجائے اپنی قلت تعداد کو پیش نظر رکھ کر ہر دم اس سعی میں لگا رہے گا کہ **امیروں کی تعداد غریبوں سے زیادہ ہو جائے** تا کہ وہ اصول جمہوریت کے مطابق دنیا پر پھر حکمران ہو سکے۔ قران حکیم نے انسانوں کی فطری تقسیم صرف دو طبقوں میں کی ہے یعنی اغنیا کا طبقہ اور فقرا کا طبقہ اور منع کیا ہے کہ مال کی گردش صرف دولت مندوں میں ہو: **کی لا یکون دولۃ بین الاغنیآء منکم ط** :(۵۹/۱)

حکومت کا طبعی تعلق **عالم** سے اور اس کی طبعی نفرت سرمایہ سے اس لئے ہے کہ سرمایہ دار حاکم کے سامنے سونے چاندی (یعنی **یکنزون الذھب و الفضۃ**) کی پرستش عجل ہے۔ عالم غریب طبقے سے ہے اور ''غریب دل'' بھی ہے کیونکہ اس کا دل اس کے **علم** اور وسعت نظر کے باعث بہبودی انسان کی طرف مائل ہے۔ اسی لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی انجیل میں کہا تھا کہ ''مبارک ہیں غریبِ دل لوگ کیونکہ زمین کی وراثت اُن کی ہے۔'' انسان جیسی ذیشعور مخلوق پر حکومت کرنے کے فرض کو دولتمندوں کے درندہ طبقے کے سپرد کر دینا یا چند انسانوں کو یہ اختیار دے دینا کہ وہ اپنی رعیّت کی تمام دولت کو جمع کر کے خود بڑے سرمایہ دار بن جائیں (جیسا کہ کمیونزم میں ہے) فطرت کے خلاف وہ گناہ عظیم ہے کہ قران حکیم اس کو کسی معنوں میں برداشت نہیں کر سکتا۔ قران نے اس کا علاج طبعی طور پر یہ تجویز کیا ہے کہ تمام انسان بلا

کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے پانچ عمل جن کو دین کے ارکان کہا گیا ہے، اگر غور سے دیکھا جائے تو بنی نوع انسان کو ایک اخوّت میں شامل کرنے کے مختلف وسیلے تھے جن کی وجہ سے قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی عالمگیری میں حیرت انگیز ترقی ہوئی اور قوموں کی قومیں چشم زون میں ''مسلمان'' ہوتی گئیں۔ آج کل کی غالب قومیں جو درندگی میں یکتائے ہیں ان سے توقع رکھنا کہ وہ تمام بنی نوع انسان کو ایک اُمّت بنا سکیں گی، قریباً محال ہے، اس نقطہ نظر سے کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک دین فطرت کا مسلمانوں سے تعلق ہے انہوں

لحاظ دولت و رنگ و نسل برابر ہیں، وہ ایک قطار میں روزانہ کھڑے ہوں تاکہ ان کی برابری کا حس ہر دم قائم رہے۔ اسی برابری کی وجہ سے حکومت اسی گروہ کی ہے جو اکثریت میں ہے اور وہ طبقہ غربا کا ہے اور چونکہ غربا میں سے سب سے زیادہ مناسب وہ لوگ ہیں جو صاحب علم ہیں اس لئے حکم یعنی حکومت کا فطری تعلق علم سے ہے، مال و دولت سے نہیں۔

۲۔ علم کے ذریعے مسئلہ وحدت مذہب کا حل

(۴۲) مادی ترقیوں کے باعث جو آج کل اکناف زمین میں ہو رہی ہیں، مذاہب عالم کے اکثر واہی اور لایعنی عقائد کا اثر اگرچہ انسان کے دلوں پر کم ہو رہا ہے لیکن مذہب یا مذہب کی پیدا کی ہوئی عصبیّت کا مجموعی تعصب اس تمام تنوّر کے باوجود قوموں میں کم ہوتا نظر نہیں آتا اور اس تعصّب کا خصوصی اثر اب تک موجودہ سیاسی رہنماؤں پر بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ پچھلے زمانوں میں تھا۔ قومیں اب تک دوسری قوموں سے اکثر سیاسی معاملات ''عیسائی'' اور ''مسلمان''، ''بدھ'' اور ''ہندو'' ہونے کی حیثیت میں کرتی ہیں اور وہ وسعت نظر جو بنی نوع انسان کو کسی بلند نقطہ نظر سے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے، اکثر معاملات میں غائب ہے۔ دین فطرت کا تقاضا ہے کہ سطح زمین کے تمام موجودہ مذاہب کے تعصّب کو بالائے طاق رکھ کر ایسی فضا پیدا کی جائے جس میں روئے زمین کے انسانوں کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے اسی تعصّب کو عملاً نیست و نابود کرنے کے لئے دین فطرت کا اعلان ہے کہ تمام انبیا کا پیغام ایک تھا مگر قوموں کا تعصّب علمی تنوّر کے باوجود نہیں مٹا۔ اس تعصب کو مٹانے کے لئے بھی **علم** کی دنیا پر حکومت لازمی امر ہے۔ دنیا کے ہر ملک کے **عالم** حکمران ہی آپس میں بیٹھ کر عام اعلان کر سکتے ہیں کہ دنیا کی سب قوموں کے مذاہب ایک ہیں، ان میں کوئی بنیادی فرق نہیں، وہی قوموں کو اس مشترک یقین پر لا سکتے ہیں کہ سب پیغمبران دین ایک خدا کی طرف سے آئے تھے، ان کے مابین کوئی فرق نہیں، ان کو یکساں ماننا ہر فرد بشر پر لازم ہے، ان کی یکساں تعظیم و تکریم ہر قوم پر واجب ہے۔ یہ سب اس لئے کہ صرف **عالم** فطرت ہی وہ شخص ہے جس کو کسی خاص مذہب کا تعصّب نہیں وہ تمام انبیا کو اپنے ہی گروہ کا ایک عضو سمجھتا ہے، **علماء امتی کانبیاء بنی اسرآئیل** کا محاکمہ بھی صرف عالمان فطرت پر پورا اُتر سکتا ہے۔ **عالم** ہی دل سے یقین کرتا ہے کہ انبیا، اگر وہ درحقیقت خدا کے بھیجے ہوئے پیغامبر تھے، تو وہ ہرگز ہرگز انسان کی گروہ بندی کے لئے نہ آئے ہوں گے، ان کا واحد مقصد قانون فطرت کو ظاہر کرنا ہوگا۔ وہ صحیفہ فطرت سے ہی اخذ کئے ہوئے کسی قانون کو بنی نوع انسان

نے اس کو صرف چند قرنوں تک اپنے ابتدائی دَور میں جزوی طور پر اختیار کیا تھا لیکن جلد ہی وہ ان **قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا ٥**: (۲۵/۳) (یعنی قران کے دستور العمل کو ترک کر دینے کے جرم میں) پہلوں کی طرح انبیا سے عداوت کرنے کے مجرم بن گئے (**کذالک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین** ط) اور اب جب تک قران حکیم کو پھر زندہ کرنے کی کوئی عالمگیر کوشش کسی ایماندار اسلامی حکومت کی طرف سے نہ ہو، رسول خدا صلعم کی روز قیامت کو ان کے حق میں شفاعت بہ باعث اس عداوت کے قطعی طور پر ناممکن ہے!

پرواضح کرنے کے لئے آئے ہوں گے اور انسانوں کو صحیح راستے پر لگانا ہی ان کا مطمح نظر ہوگا۔ الغرض موجودہ حالات میں صرف عالم کی حکومت ساکنان زمین کو ایک مذہب پر لاسکتی ہے اور مذاہب کا خطرناک حادثہ جس نے روئے زمین پر سب سے بڑی خونریزی انسان کی پوری تاریخ میں برملا کی ہے، روئے زمین پر سے ہمیشہ کے لئے ٹل سکتا ہے۔ انسان کی تاریخ میں یہ انقلاب کہ سب دنیا کے مذاہب نیست و نابود ہو جائیں اور صاحب علم حکمرانوں کے باہمی اتفاق سے دنیا کا ایک مذہب دین فطرت ہو جائے، دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ لازماً ہوگا اور یہ وہ وقت ہوگا کہ بنی نوع انسان کئی ہزار سالوں کے فساد فی الارض کے بعد کہہ سکے گی کہ روئے زمین پر انسان کی پیدائش کا پہلا مرحلہ ختم ہوا اور اب انسان کو منشائے فطرت کو پورا کرنے کے لئے اگلا قدم اٹھانا چاہیے!

انسان اس روئے زمین پر (بلکہ تمام کائنات میں) واحد ذمّہ دار اور باشعور وجود ہے۔ وہی اس کائنات کے رنگ و روغن کو سمجھ سکتا ہے، وہی سمجھ سکتا ہے کہ کائنات کا رُخ کیا ہے، وہ کس طرف جا رہی ہے اور انسان کو کس طرف لے جانا چاہتی ہے۔ دوسری کسی مخلوق سے اس قسم کی کوئی توقع رکھنا عبث ہے۔ اُدھر اس نمایاں حیثیت کے باوجود انسان ابھی تک اس قدر پست خیالات میں پھنسا ہے کہ اُن سے نکلنے کی کوئی ظاہرا امید نظر نہیں آتی۔ ان حالات میں انسان کی آخری امید علم کی حکومت ہے۔ حکومت کو سیاسی درندوں کے ہاتھ میں دے دینا کہ وہ عالمانِ فطرت کو اپنی گندی سیاست کا آلۂ کار بنائے رکھیں، ان لوگوں کو جنہوں نے ہزارہا برس سے دن رات ایک کر کے اپنی ایجادوں سے زمین کو دُلہن کی طرح سجا دیا ہے، نہایت ادنیٰ تنخواہیں دے کر ملازم اور بے زبان بنائے رکھیں، وہ آشکارا بدمعاشی ہے کہ اس سے بڑی بدمعاشی اس روئے زمین پر موجود نہیں۔ ذی شعور انسان پر حکومت کرنے والا صرف ذی شعور انسانوں کا طبقہ ہو سکتا ہے اور قرآن حکیم میں علم کی حُکم سے پیوستگی وہ عظیم الشان ربّانی حکمت ہے جس سے بڑھ کر حکمت اس روئے زمین پر موجود نہیں۔

۳۔ علم کا میدانِ عمل تمام کائنات ہے

(۴۳) بنی نوع انسان کو لامحالہ واحد غالب اُمّت بنانے کی غرض و غایت خدا کے نزدیک یہ معلوم دیتی ہے کہ انسان آپس کے باہمی فساد اور آئے دن کی خونی لڑائیوں سے ہٹ کر اپنی پیدائش کے اصلی مقصد کی طرف توجہ کرنے کے قابل ہو

گویا جہاں مسلمانوں کی دنیا یقینی طور پر خراب ہوئی اب ان کی عاقبت بھی خراب ہے۔ اُدھر جہاں تک دین فطرت کا تعلق موجودہ قوموں سے ہے انہوں نے اس کو قطعاً اختیار نہیں کیا اور وہ درندہ پن کے اصول پر چل کر بنی نوع انسان کو ایک ایسے جہنّم کی طرف دھکیل رہی ہیں جس میں اکثر قومیں کسی ایک غالب قوم (مثلاً امریکہ یا روس) کی محکومیّت میں ہو کر ابدالآباد تک غلامی، دُکھ، افلاس، بھوک، اور ننگ کے جہنّم میں پڑی سسکتی رہیں گی اور بالآخر سب کی سب مٹ جائیں گی جیسا کہ یورپ اور امریکہ کی استعماری حکمت عملی کی پوری پوری

اور وہ اصلی مقصد دنیا کی واحد حقیقت یعنی صحیفہ فطرت کی ماہیّت کی دریافت ہے۔ خود زمین کی وسعت اور بیکرانی اس قدر مسلّم ہے کہ انسان کی چھوٹی سی مخلوق ابھی تک، علم کی اس حیران کن ترقی کے باوجود، اس چھوٹے سے کُرے کے کونے کونے تک نہیں پہنچ سکی اور انا جعلنا ما علی الارض زینة لها لنبلوهم ایهم احسن عملاo : (۱۸/۱) کا خدائی ارمان بھی ابھی تک انسان نے پورا نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی باہمی جنگوں کے سلسلے میں زمین کی بہت سی اشیا کا علم انسان کو حاصل ہوتا رہا ہے اور قران نے خونریزی اور جہاد کو بھی قوموں کی حیات کا بڑا باعث لکم فی القصاص حیوة یا اولی الالباب: (۲/۲۲) کے الفاظ کہہ کر قرار دیا ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ کروڑوں اور اربوں آسمانی کُرّوں کی اس کائنات میں جو سب کی سب ناتلاش کردہ پڑی ہے اور جس کے متعلق ابھی تک یہ بھی تحقیق نہیں ہوا کہ ان میں کونسی مخلوق بس رہی ہے، انسان کا واحد باشعور مخلوق ہو کر صرف آپس میں لڑتے رہنا اور یفسد فیھا اور یسفک الدماء کا مصداق ہونا جیسا کہ ملائکہ نے انسان کے بارے میں طنزاً کہا تھا اور ونحن نسبح بحمدک و نقدس لک کے بلند تر مقصد کا جو انہوں نے اپنے متعلق ظاہر کیا تھا، مصداق نہ ہونا، انسان کی پیدائش کا منتہا نہیں ہوسکتا۔ جہاں زمین کے پیدا کرنے کا مقصد قران نے اس کی زینت اور آرائش رکھا ہے اور وہ بھی اس غرض سے کہ بنی نوع انسان کو آزمایا جائے کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ حسنِ عمل کرتا ہے، وہاں آسمانوں اور زمین کی تمام کائنات کی پیدائش کا مقصد بھی اُسی قران نے یہ رکھا ہے کہ انسانوں کی مخلوق کو یہ تمام کائنات ان کے حُسنِ عمل کے عوض میں بطور انعام دی جائے: لیجزی الذین اسآء و بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ o ج:☆ (۲/۵۳) یہ عظیم الشان معاملہ اس وقت انسانی فہم و فراست سے اس قدر بعید اور بالاتر ہے کہ انسان اپنی ان ممکنات کو دیکھ کر کہ وہ آسمانوں کی مخلوق پر بھی بالآخر قبضہ کر کے رہے گا۔ فی الحقیقت سٹ پٹا جاتا ہے۔ اس کے محدود ذہن میں ابھی تک آ ہی نہیں سکتا کہ وہ کیونکر اور کن وسائل سے اس گوشت پوست والے جسم کے ساتھ جو وہ اب رکھتا ہے اور ان گھومنے والی مشینوں کے ساتھ جو اس وقت اسے میسّر ہیں، نزدیک سے نزدیک ستارے تک بھی پہنچ سکتا ہے اور پھر وہاں پہنچ کر اپنی زندگی کو قائم رکھ سکتا ہے۔ ابھی ابھی اس کو تجربہ ہوا ہے کہ زمین سے صرف پانچ میل اوپر جا کر اس کی گوشت پوست

تاریخ ثابت کر رہی ہے۔ اس صورت میں یہ تمام زمین بے آباد ہو جائے گی اور صرف ایک قوم جس کی آبادی زیادہ سے زیادہ پندرہ یا بیس کروڑ ہو گی اس زمین کی واحد مالک ہو گی۔ قران حکیم نے اسی دردناک منظر کو سامنے رکھ کر غالبًا کہا تھا۔ یا عبادی الذین امنوا ان ارضی واسعة فایای فاعبدون o کل نفس ذائقة الموت قف ثم الینا ترجعون o : (۲۹/۲) یعنی اے وہ میرے بندو جو ایمان لے آئے ہو (اگر غور کرو تو) میری زمین بے شک بڑی وسیع ہے (اس میں ہر قوم، رنگ، نسل، مذہب کی قوموں کی گنجائش

☆ اس پوری آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر شے پیدا ہی اس لیے کی گئی ہے کہ انسان کو اس کے سعی و عمل کے پاداش میں بطور انعام دے دی جائے۔ دیکھو صفحہ ۵۷، ۵۸

کی زندگی بڑی مدّت کے لئے محال ہو جاتی ہے۔ اس کو تجربہ ہوا ہے کہ بیس پچیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہی اس کی نسوانی خواہشیں مٹ جاتی ہیں حتیٰ کہ اس کو زمینی خواہشات مثلاً تمبا کو پینا یا شراب پینا یا فرضی قصّوں کا مطالعہ کرنا وغیرہ کا میلان بھی چنداں نہیں رہتا اور وہ اپنے آپ کو ایک نئے عالمِ اجسام میں متصوّر کرتا ہے۔ جب یہ معاملہ صرف چند ہزار فٹ کی چڑھائی پر ہے تو لاکھوں بلکہ کروڑوں میل اوپر چڑھ کر جو انقلاب اس کی جسمی ہئیت میں ہونا لازم ہے، ظاہر ہے۔

الغرض روئے زمین پر **علم** کی حکومت قائم کرنے کے بعد انسان کے سامنے دوسرا مسئلہ **آسمانوں کی تسخیر** کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کو علمی حدود کے اندر لانے کے لئے انسان کا موجودہ **علم** اس قدر ناقص ہے کہ اس پر بحث کرنا بھی چھوٹا منہ اور بڑی بات کے مترادف معلوم ہوتا ہے مگر قرانِ عظیم بے دھڑک اور بے خوف وخطر اس امر کا دعویٰ کر رہا ہے کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کی ہر شے انسان کے استعمال کے لئے مسخّر کر رکھی ہے، نہیں بلکہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے اس لئے ہے کہ ایمان اور عمل صالح والے انسانوں کو ان کے حسنِ عمل کے بدلے میں بطور انعام دے دیا جائے۔ دینِ فطرت کا یہ بلند بانگ دعویٰ حقیقت کے قریب اس قدر ہے کہ دنیا کی کوئی دوسری حقیقت اس سے زیادہ سچی دکھائی نہیں دیتی۔ یہ امر انتہائی طور پر غیر غالب ہے کہ صحیفہ فطرت جس کا زمینی حصّہ آئے دن **عالم** فطرت کو وہ حیرت انگیز عجوبے دکھلا رہا ہے کہ انسان اپنی انگلیاں منہ میں لئے ہوئے ہے، اُس صحیفہ فطرت کے لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں ستارے اور کُرے بیکار ہوں، ان میں کوئی ایسی شے نہ ہو جو انسان (یا انسان سے بھی زیادہ افضل مخلوق) کے استعمال میں آسکتی ہو، وہ صرف رات کو چمکنے اور انسان کی آنکھوں کو ٹھنڈک دینے کے لئے بنائے گئے ہوں، ان کا مقصد انسان کو صرف تماشا دکھانا ہو اور بس۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے انسان صرف اپنے عالمِ تخیّل میں اندازہ لگا سکتا ہے کہ بہ حیثیت اشرف الخلق ہونے کے اس کے سامنے سعی وعمل کا کیا حیرت افزا اور زہرہ گذار میدان ہے اور فطرت کا بتایا ہوا دین انسان کے لئے کس قدر بلند افق پیش کرتا ہے۔ نہیں بلکہ اگر بلند افق نظر سے دیکھا جائے تو ہر ہوش مند انسان اس نتیجے پر لامحالہ پہنچتا ہے کہ جب انسان کے سوا کوئی ذی شعور مخلوق اس دنیا میں نظر نہیں آتی اور فطرت کا صحیفہ انسان کی سمجھ دار آنکھ کو روز بروز محوِ حیرت کر رہا ہے تو دنیا میں نہ صرف انبیا کا لایا ہوا کوئی دین، بلکہ منتہائے آفرینش کے متعلق دنیا کے تمام عالموں کی سوچی ہوئی رائے

ہے) اس لئے قوموں اور قبیلوں کو نیست ونابود کرنے کی کوشش کر کے اپنے لئے زمین کی نعمتوں اور اس کے پیدا کئے ہوئے رزقوں کو صرف اپنے لئے مخصوص کرنے کی ظالمانہ سعی نہ کرو اور صرف میرے چلائے ہوئے فطری قانون اور دین فطرت پر عمل کر کے) میرے ہی ملازم بنے رہو۔ ہر متنفّس (ایک نہ ایک دن) موت کا شکار ہوگا پھر تم ہماری طرف لوٹا دیئے جاؤ گے (کہ اپنے اعمال کا حساب دو) ان آیات ربّانی کی یہ تشریح جو میں نے کی ہے اس لئے صحیح ہے کہ دو آیتوں کے بعد آگے چل کر اسی رزق کا جھگڑا بیان کیا: وکاین من دابۃ

ماسوا اس کے ہو نہیں سکتی کہ یہ تمام ہنگامہ کائنات جس میں کروڑوں اور اربوں میل دور ستارے اور نہ صرف نظام شمسی بلکہ اس سے پرے کی بیکراں کائنات جس میں ہزاروں ستارے سورج سے ہزاروں گنا بڑے ہو کر اپنا اپنا الگ نظام بنائے ہوئے ہیں، صرف اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ انسان ان کو اپنے دست تصرف میں لا کر اس قدر بلند ہو جائے کہ وہ **فاطر السموات والارض** کے قریب تر ہو۔ اس کے سوا انسان کا کسی اور فطری مذہب کا حامل اس دنیا میں ہونا عقل وادراک کے منافی ہے۔

۴۔ علم کے ذریعے سے انسانی نجات

(۴۴) روئے زمین پر **حکم** یعنی حکومت کی **علم** سے پیوستگی نہ صرف یہ کہ دنیا کی تمام قوموں کو مشترک ترقی اور تقدّم کی کشادہ راہوں پر لازماً لگا دیگی اور ساکنان زمین کو آپس کی کشمکش کی اُلجھنوں سے نکال کر اُس صراط مستقیم پر لے جائیگی جس پر چل کر علم کا عام طور پر بول بالا ہوگا بلکہ یقین ہوتا ہے کہ روئے زمین پر **عالم** کی عام حکومت کروڑ در کروڑ انسانوں کے سمع وبصر کو بھی صحیفہ فطرت کی طرف متوجہ کر دے گی اور **عالم** حکمران کا اوّلین مقصد یہ ہوگا کہ انسانوں کو آپس میں قتل کروانے اور زمین کی آبادی کم کرنے کی بجائے، زیادہ سے زیادہ انسانوں کا شغف صحیفہ فطرت سے کر دیا جائے تاکہ فطرت کے زیادہ سے زیادہ راز جلد از جلد کُھل سکیں، باہمی اخوّت اور مسامحت سے زمین کی آبادی بے اندازہ طور پر بڑھا دی جائے تاکہ باشندگان زمین میں آسمانوں کی نئی زمینوں پر قبضہ کرنے کی اجتباری خواہش پیدا ہو۔ **عالم فطرت** ہی سمجھ سکتا ہے کہ روئے زمین پر کسی ایک چھوٹی سی قوم کا قبضہ باقی تمام اقوام کو چند قرنوں میں نیست و نابود کر دے گا۔ وہ ذہنی نقصان جو سیاسی طور پر کمزور قوموں کو نیست و نابود کرنے سے روئے زمین پر پیدا ہوگا، بنی نوع انسان کا مجموعی نقصان ہوگا۔ اس نقصان سے صحیفہ فطرت کی تلاش کا کام ماند پڑ جائیگا۔ زمین کو تنگ گذرانی کے باعث چھوڑ کر آسمان کے ارب در ارب کُروں تک جانے کی ہوس ختم ہو جائیگی نہیں بلکہ غلبے کے بعد بنی نوع انسان کے ایک چھوٹے سے حصّے میں یہ اعضائی جمود نسل انسانی کے ارتقا کے راستے میں سنگ گراں ثابت ہو کر رہے گا۔ **علم** کی بنی نوع انسان پر لازوال بخششوں کو چند روپوں کے عوض خرید کر عالموں کو سیاسی درندوں کا غلام بنا دینا **علم** کی صریح توہین ہے **علم** کی حکومت ہی بنی نوع انسان کو اُس راہ پر لے جا سکتی ہے جس راہ پر چل کر انسان بہ حیثیت مجموعی صحیفہ فطرت کے عظیم الشان راز کو کھولنے کے لئے بین الاقوامی اور اجماعی جدّ وجہد کر سکتا ہے، انسانوں کے انسانوں کو قتل کرنے کے اوزار ایجاد کرنے کی بجائے ''صحیفہ فطرت سے جنگ کرنے'' کے ہتھیار بنا سکتا ہے۔ گھومنے والی مشینیں بنانے کی بجائے جو انسان کو ایک انچ

لا تحمل رزقها ق صلے الله یرزقها وایاکم زصلے **وهو السمیع العلیم ۝**: (۲۹/۶) گویا دلیل کے طور پر کہا کہ (اسی روئے زمین پر) ہزار در ہزار حیوانات ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، انہیں اللہ ہی رزق دیتا ہے اور (اسی طرح) تم قوموں کو (جو رزق کی خاطر دوسری قوموں کو تباہ کر رہی ہیں) بھی اللہ ہی رزق دے گا اور وہ (ہر قوم کی ضروریات کو) سمجھنے والا اور (تمام زمین کی معاشی حالت کو) جاننے والا ہے۔ الغرض موجودہ قوموں کے ذریعے سے روئے زمین پر کسی طرح عالمگیر اخوّت یا ایک اُمّت کا پیدا ہو جانا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔

''فطرت کی روح'' کی طرف نہیں لے جاتیں، جن کا واحد مقصد نفع اندوزی اور فراہمی سرمایہ ہے، جن کی بنیاد یونان کے تین ارضی بُتوں یعنی نقطہ، خط مستقیم اور دائرہ پر ہے اور جو زمین سے چند میل اوپر ''روح'' کی آسمانی فضا میں جا کر بیکار ہو جاتی ہیں، اُن ''زندہ اشیاء'' کا خالق بنا سکتا ہے جو انسان کو خدا سے قریب تر کرنے میں مدد دیں، فاطر زمین و آسمان کے نئے اوصاف نسل انسانی میں پیدا کریں، موجودہ ناقص **علم** سے ہٹا کر جس کی پیمائش، مساحت، شمار اور حساب کی تمام اکائیاں غیر فطری ہیں جو ہزار ہا سال کی تحقیق و تدقیق کے باوجود اب تک یہ دریافت نہیں کر سکا کہ **زندگی** کیا شے ہے، جو یہ عظیم الشان عمل بھی سمجھ نہیں سکا کہ ایک ہی قسم کے خلیّوں کا اجتماع و استعمار کیونکر اور کس قطع کے تعاون سے کسی جاندار کے بدن کے مختلف حصّوں میں بہ یک وقت دل، جگر، دماغ، آنکھ اور کان بن جانے کی کیفیت پیدا کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ، **علم** کے متعلق فکر و تخیّل کی وہ نئی راہیں کھول سکتا ہے، جو نئے ولولے سے صحیفہ فطرت کو مسخر کر سکیں اور انسان کو آج کل کی تخریبی ڈگر سے ہٹا کر کسی بالکل نئی تعمیری ڈگر پر چلا دیں۔

کسی گروہ کے ہاتھ میں حکومت کا ہونا ہی اُس گروہ کے تخیّل کو انسانوں کی کسی جماعت پر حاوی کر سکتا ہے۔ **حکم** کے بغیر کسی انسانی ہیت اجتماعی میں اصلاح یا انقلابِ تخیّل محال ہے۔ **رب اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی:** (۳/۳۸) **رب ھب لی حکما والحقنی بالصلحین**o**لا** (۵/۲۶) کی دعاؤں کا جو انبیا نے کیں، یہی منتہا و مقصد تھا کہ وہ حکومت ہاتھ میں لے کر قوموں کو نئی راہوں پر چلانے کے قابل ہو جائیں۔ **عالم** کی دنیا پر حکومت ہی دنیا کو علم کی راہ لگا سکتی ہے اور یہی بنی نوع انسان کے کثیر ترین افراد کو **سمع و بصر** اور **قلب** کے صحیح استعمال سے علم کی راہ پر لگانا **قوموں کی نبوت** ہے۔ قوموں کی ترقی اور فضیلت کی اسی کیفیّت کو قران حکیم نے **اولئک**☆ **الذین اتینھم الکتٰب والحکم والنبوۃ:** (۶/۱۰) کے انتہائی طور پر جامع اور مانع الفاظ میں ادا کیا تھا اور مقصد یہ تھا کہ **حُکم** (یعنی حکومت) کے ذریعے سے بنی نوع انسان میں **علم** اس قدر عام ہو جائے کہ قوموں کی قومیں **نبوّت** (یعنی **سمع و بصر** اور **قلب** کے استعمال سے انتہائی باخبری) کے درجے تک پہنچتی جائیں اور انسانی نسل کا **کثیر ترین حصّہ**! اس عذاب جہنم سے بالآخر بچ جائے جس کے متعلق خدائے عالمیاں نے انتہائی وضاحت اور تعمدّ سے اشارہ سورۂ الاعراف کے حسب ذیل الفاظ میں کیا تھا اور جن الفاظ کو بار بار پڑھ کر قران حکیم کا طالب العلم بار بار حیران ہو جاتا ہے کہ خدا

اور بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ تمام جن و انس کو جہنم سے بھر دینے کا واقعہ ضرور ہو کر رہے گا۔ آئے دن یورپ اور امریکہ کی ترقی یافتہ قومیں اس ہولناک سازش میں لگی ہیں کہ دنیا کی کمزور قوموں کو جن کے پاس ضروریات زندگی اور رزق کی کثرت ہے (اور یہ ایک امر واقع ہے کہ وہی قومیں اکثر کمزور ہیں جن کے پاس رزق کی کثرت ہے اور یہی اُن کی کمزوری کا باعث ہے) علم کی پیدا کی ہوئی ایجادات کے زور سے ہلاک کر دیا جائے اور دنیا میں بالآخر صرف ایک قوم کا بول بالا ہو۔ آئے دن بڑی بڑی طاقتور قومیں (مثلاً جرمنی، اٹلی، جاپان، فرانس) اپنے سے زیادہ طاقتور قوموں

☆ چنانچہ سورۂ حدید میں ہے:۔ **ولقد ارسلنا نوحاً وابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتٰب** (۵۷/۴) یعنی نوح اور ابراہیم کی تمام قوم میں نبوّت تھی اور وہ سب قوم کی قوم الکتٰب یعنی علم میں شرابور تھی۔

نے جنّ وانس کی تمام مخلوق کوصرف اس جُرم میں کہ ان کو کان دیئے گئے مگر وہ صحیح معنوں میں سنتے نہیں، آنکھیں دیں مگر وہ صحیح معنوں میں دیکھتے نہیں، ذہن دیا مگر وہ صحیح معنوں میں سمجھتے نہیں، کیوں ابدالاباد تک جہنّم کو بھر دینے کا پورا عزم ظاہر کیا اور بار بار کہا کہ میرا یہ قول پورا ہو کر رہے گا بلکہ ما یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید o: (۲/۵۰) کہہ کر بتلا دیا کہ میں اپنے قول کو بہر حال پورا کر کے رہتا ہوں اور میں انسان کو جو سزائیں دیتا ہوں ظلم سے نہیں بلکہ عدل وانصاف سے دیا کرتا ہوں☆۔ سورۂ الاعراف کے یہ الفاظ اس سے پہلے کئی بار حدیث القران میں آ چکے ہیں۔ اور اب پھر غور وخوض کے لئے یہاں دہرائے جاتے ہیں۔ دیکھو (۲۶)۔(صفحہ۱۹۔ ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس زصلے لھم قلوب لا یفقھون بھا ز ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل اضل ط اولئک ھم الغافلون o: (۷/۲۲) (ترجمہ کے لئے دیکھو صفحہ ۱۹) ہر صاحب نظر جس قدر غور کرے گا لامحالہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ صحیفہ فطرت کو پورے غور وخوض سے نہ دیکھ کر خدا تک نہ پہنچنے کا جُرم ہی وہ عظیم الشان جرم ہوسکتا ہے جس کی سزا پوری بنی نوع انسان کو جہنّم میں جھونک دینے کی ہوسکتی ہے اس سے کمتر جرم پر یہ سزا ناممکن ہے☆☆۔

۵۔ اقوام کی نبّوت اور صحیفہ فطرت کے ذریعے سے خدا کی تلاش!

(۴۵) اقوام کو نبوۃ کے بلند درجے تک پہنچانے سے قران حکیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان باہمی خونریزی اور فساد کے پست تخیّل سے نکل کر صحیفہ فطرت کی تسخیر وتلاش کے بلند درجے تک پہنچے۔ اس منزل پر پہنچ کر انسانی آنکھیں جو عدم بصیرت کے باعث اب تک نہایت ادنیٰ نصب العینوں پر لگی ہیں اور روس اور امریکہ، جرمنی اور جاپان، مصر اور ایران کے نہایت خسیس جھگڑوں میں پھنسی ہیں، بلند تر ہو کر صحیفہ فطرت کے ''جھگڑے'' میں لگیں جو اس کائنات کا سب سے بڑا ''جھگڑا'' ہے، جس جھگڑے کو انسان نے ابھی تک یہ کہہ کر ٹالا ہے کہ صحیفہ فطرت کے راز کا کھوج لگانا انسان کے بس کی بات نہیں، جس کی بابت انسان کا تخّیل، آنکھیں ہوہوا کر، اس شرمناک طور پر پست ہے کہ وہ خدا کو صرف ''ہاتھ جوڑنے''، ''سجدہ کرنے'' اور ''پوجنے'' کی شے سمجھتا ہے اور باوجود یہ کہ خدا نے خود کہہ دیا ہے کہ میں نے انسان میں اپنی روح پھونک

مثلاً روس امریکہ اور انگلستان کے سامنے ہتھیار ڈال کر ثانوی درجے کی طاقتیں بن رہی ہیں اور وہ قومیں جنھوں نے صحیفہ فطرت سے کوئی علم حاصل نہیں کیا ان کی ہستی صفر کے برابر ہو رہی ہے۔ اس وقت صحیح حالت بنی نوع انسان کی یہ ہے کہ دنیا کی دو سو کروڑ کی آبادی امریکہ یا روس کی بیس کروڑ آبادی سے سخت ہراساں ہے اور اس انتظار میں ہے کہ کسی روز امریکہ اور روس کے ایٹم بموں سے چشم زدن میں ہلاک کر دی جائے۔ قران حکیم کا چونکہ اپنے متعلق دعویٰ ہے کہ اس میں دین فطرت کی تکمیل ہو چکی ہے: الیوم

☆ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا قران میں بار بار ہے دیکھو (۳/۱۹، ۸/۸، ۲۲/۷، ۱/۴۱، ۶/۴۱)۔

☆☆ اسی سورۂ ق میں ہے یوم نقول لجھنم ھل امتلات وتقول ھل من مزید o (۲/۵۰) اُس دن ہم جہنّم سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گا کچھ اور ہے تو لے آؤ!

دی، یا از روئے انجیل کہا کہ ''خدا نے انسان کو اپنی تصویر پر پیدا کیا''، باوجودیکہ خدا نے نہایت فراخدلی سے اُس وقت کہ انسان **لم یکن شیئا مذکورا٥: (٧٦/١)** تھا، اعلان کر دیا کہ انسان اس زمین پر میرا خلیفہ اور قائم مقام ہے، انسان نے کوئی اجتماعی کوشش اس بارے میں نہیں کی کہ صحیفہ فطرت کے ذریعے سے خدا کو تلاش کیا جائے۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اس قدر مکمّل اور کاربرآر کر دیا جائے کہ ہم خدا کو معلوم کر سکیں اس کو عیاں طور پر محسوس کریں، اس کو پا سکیں۔ خدا کی طرح **سمیع و بصیر** ہو کر خدا کی طرح **جبّار و قہّار** ہو کر اس روئے زمین پر وہ بے اندازہ ایجادیں، وہ دنگ کر دینے والی مخلوقِ خدا پیدا کریں کہ خدا معاذ اللہ بے اختیار ہو کر پردے سے باہر نکل کھڑا ہو! جس بے پناہ طور پر اس نے تحسین و آفرین کے نعرے آج سے کئی ہزار برس پہلے انبیا کے چھوٹے چھوٹے اعمال پر (جن کی کوئی حقیقت آج کل کی ایجادوں کے بالمقابل نہیں) لگائے ہیں اور ان پر اپنا سلام بھیجا ہے، اس سے کئی ہزار گنا زیادہ بے پناہ ولولے سے وہ پردہ سے نکل کر ماہرین فطرت کو **سلام علیکم طبتم: (٣٩/٨)** کے الفاظ کہہ کر مصافحہ کرے اور تخلیق کائنات کا مقصد پورا ہو۔ لقائے ربّ کی یہ وہ ہنگامہ خیز منزل ہے جو بنی نوع انسان کی نجات کی فی الحقیقت آخری منزل ہے!

٦۔ علم کی حکومت سے اقوام عالم میں نبوّت کا ہیجان

(٤٦) دنیا کی حکومت صحیفہ فطرت کے اُن ماہرین کے ہاتھ میں دے دینا جنہوں نے اس زمین کی ہر شے کو جو اس کے کونے کونے میں بیکار پڑی تھی، زمین کی زینت اور زیور بنا دیا ہے، عدل و انصاف کا پہلا تقاضا ہے۔ یہی مردانِ حق اپنی نکوکاری اور سادہ بلکہ غریبانہ زندگی سے جو ہر متلاشی حقیقت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، دنیا کو قسط و عدل کی راہ پر لگا سکتے ہیں، اُس رَو کو دریافت کر سکتے ہیں جس رَو پر فطرت انسان کو چلانے کی خواہاں ہے۔ نسل انسانی کو مجتمع اور متحد الغرض کر کے اُس میں وہ نبوت اور باخبری پیدا کر سکتے ہیں جس سے بنی نوع انسان کا مجموعی ارتقاء کسی اعلیٰ مخلوق یعنی **خلق جدید** تک ہوتا جائے۔ فطرت کی حیوانی جنسیں ایک جنس سے دوسری جنس تک ارتقا بحیثیت مجموعی ہی کرتی رہی ہیں۔ اگر غیر مفصّلی مخلوق کی کسی جنس نے (یعنی اس مخلوق نے جس میں ریڑھ کی ہڈی نہ تھی) لاکھہا یا کروڑہا برسوں پہلے کشمکش حیات کے

اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی: (٥/١) اس لئے ناممکن تھا کہ خدا کے بھیجے ہوئے آخری رسول کا لایا ہوا دین ان پیچیدہ حالات میں کوئی مکمل اور آخری علاج تجویز نہ کرتا۔ چنانچہ قرآن نے بار بار پچھلی قوموں کی مثالیں دے کر جن کے رہنما انبیا تھے واضح کیا کہ ان قوموں کے رہبر صاحبِ علم لوگ تھے اور اسی علم کے باعث انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو تمام دنیا کی قوموں پر فضیلت دلائی تھی:۔ **ولقد اتینا داؤد و سلیمن علما ٥ وقالا الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المؤمنین٥: (٢٧/٢)** یہاں جو نکتہ انتہائی طور پر قابل غور ہے یہ ہے کہ انبیا کا علم خدا کے نزدیک اُس زمانہ کی ترقی کے لحاظ سے باقی قوموں کے رہنماؤں سے اس

عظیم الشان معمل میں ہزار ہا یا لاکھ ہا برس کی مسلسل جد و جہد کے بعد مچھلی کی مفصلی مخلوق کی طرف ارتقا کیا تھا تو پوری جنس نے بہ حیثیت مجموعی کیا تھا۔ پوری جنس کی جنس کشمکش حیات کی ایک جانکاہ منزل پر ناگزیر ''سمجھ'' رہی ہوگی کہ اُس جنس کے ہر فرد کے جسم کے اوپر کے حصّے میں کوئی ٹھوس مگر جسم کو ہر طرف آسانی سے موڑنے والی ہڈیاں ہوں جو جسم کو پیٹ کے بل رینگوانے کی بجائے اس میں اپنے آپ کو ''کھڑا'' ہونے کی اہلیّت پیدا کردیں۔ کشمکش حیات کے زہرہ گداز عمل نے اِس نوع کو ضرور سبق دیا ہوگا کہ جب تک جسم میں کسی سخت ڈھانچے پر کھڑا ہونے کے سامان پیدا نہ ہوں، پیٹ کے بل رینگ رینگ کر اپنے آپ کو قائم رکھنا اور اُس خوراک کی تلاش کرنا جو کوسوں دُور ہے، محال ہے۔ اُس عام احساس سے جو تمام نوع میں ہوا ہوگا فطرت نے رینگنے والے جانوروں کی ''کمر'' پر آہستہ آہستہ ''سختی'' پیدا کی ہوگی اور یہ ''سختی'' ہزار ہا برس کی مزید تگ و دو اور ''باطنی احساس'' سے ہڈیوں میں بدل گئی۔ ریڑھ کی ہڈیاں پیدا ہوتے ہی دوسرا احساس مچھلیوں کو یہ ہوا ہوگا کہ جب ہم پانی کی تہ سے ''اٹھنے'' کے قابل ہو گئے ہیں تو اب ہمارے پاس دو (۲) پر بھی ہونے چاہئیں۔ تا کہ ہم پانی میں حرکت کر کے اپنی خوراک آسانی سے ڈھونڈ سکیں۔ پھر یہی مچھلی کے دو پَر آگے چل کر دو (۲) پاؤں ہو گئے اور جب کشمکش حیات کی جانکاہ منزلوں میں دو پاؤں کا ہونا خوراک کی تلاش کے لئے ناکافی نظر آیا تو یہی بالآخر چار پاؤں بنتے گئے اور اعضا کی تقویم پوری ہوئی۔

الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو نسل انسانی کا انسان سے بہتر مخلوق کی طرف ارتقا بھی اسی ''مجموعی احساس'' سے ہوسکتا ہے جو سب حیوانی اجناس میں روزِ آفرینش سے اب تک ہوتا چلا آیا ہے اور یہی ''مجموعی احساس'' انسانی اقوام کی ''**نبوت**'' ہے۔ یہی وہ بڑی باخبری ہے جس سے انسان کی آئندہ ضروریات کے مطابق اس کے موجودہ اعضا میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوسکتی ہے۔ انسانی اقوام جب تک آپس کی کشمکش میں لگ کر ایک دوسرے کو قتل کرنے میں لگی ہیں وہ مجموعی احساس پیدا نہیں ہوسکتا جو جنسوں کو دوسری جنسوں میں تبدیل ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ مثلاً جب تک نسل انسانی کو یہاں اس زمین کے خزانے کافی ہیں، انسان کو کیا پڑی ہے کہ وہ بہ حیثیت مجموعی اس زمین سے نکل کر خدا کی بنائی ہوئی دوسری زمینوں پر جو آسمان میں ہیں قبضہ کرے۔ نہیں بلکہ اس خواہش کے اُبھرنے کے دوران میں ہی کہ سطح زمین انسانی ضروریات

قدر زیادہ مکمل تھا کہ ان کی قوموں کو دنیا کی باقی مومن قوموں سے بھی زیادہ فضیلت دی گئی تھی۔ اسی طرح بار بار حکومت کو علم سے پیوست کر کے قرآن حکیم نے یہ معنی خیز اشارہ کیا کہ صاحب علم لوگوں کی حکومت کے بغیر قومیں فضیلت کی کسی منزل تک نہیں پہنچ سکتیں چنانچہ سلیمانؑ اور باقی سب انبیا کے بارے میں وکلا اتینا حکماً وعلما: (۲۱/۶) کہا، حضرت لوطؑ اور یوسفؑ کے بارے میں بھی یہی اتینہ حکماو علما: (۲۱/۵، ۷/۳، ۳/۳) کہا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب معنی خیز ہدایات کا مقصد فاطر زمین وآسمان کے نزدیک ایک ہی تھا کہ زمین پر علم

کے لئے ناکافی ہے تمام نسل انسانی کے جسموں کے اعضا میں وہ تبدیلی آہستہ آہستہ ہوتی جانی چاہیے جو اس کے فاضل حصے کو جو زمین پر اپنی زندگی برقرار نہیں رکھ سکتا، زمین سے باہر کسی دوسرے ستارے تک (بذریعہ مشین یا کسی اَور طرح) اُڑ کر پہنچنے کی اہلیت پیدا کر دے۔ ابھی ابھی کہ صحیفہ فطرت کے عالموں نے قرنوں کی جدوجہد کے بعد زمین سے صرف پانچ میل اوپر کوہ ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھ کر اس کو سَر کیا ہے، ان کو محسوس ہوا ہے کہ اس چھوٹی سی بلندی پر جا کر ہی انسان کے بعض سفلی محسوسات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ان لوگوں کو محسوس ہوا ہے کہ عورت سے ہم بستری کی خواہش اوپر جا کر کالعدم ہو جاتی ہے، سگریٹ پینے کی خواہش ماند پڑ جاتی ہے، انسانی اعضا مثلاً ہاتھ پاؤں اُس آب و ہوا کو برداشت نہیں کر سکتے اور ان پر کُہر کی وجہ سے شدید زخم ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ پس جب انسان بہ حیثیت مجموعی اپنی خوراک یا ضروریات زندگی کی تلاش میں زمین سے اوپر جایا کرے گا تو نہ معلوم کیا انقلابات اس کے اعضا میں اُس وقت تک ہو جائیں گے تاکہ وہ اس کا اہل بن سکے۔ یہ نکتہ صرف ان ماہرین فطرت پر واضح ہو سکتا ہے جنہوں نے طبقات زمین میں ہزاروں اجناس حیوانی میں حیرت انگیز اعضائی انقلاب ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک چڑھتے ہوئے بچشم خود دیکھے ہیں۔

۷۔ علم کی حکومت سے انسانی ارتقا

(۴۷) الغرض نوعی یا جنسی ارتقا کسی مخلوق میں بغیر کسی اشد شدید ضرورت کے پیدا نہیں ہو سکتا اور جب تک پوری نوع یا کم از کم اس کی کوئی اعلیٰ ترین جنس اس ارتقا کی ضرورت کو شدید طور پر محسوس نہ کرے، اعضائی انقلاب کا واقع ہونا محال ہے۔ سطح زمین پر انسانی ارتقا کی منزل اُسی وقت نمودار ہو سکتی ہے کہ ساکنان زمین سب سے پہلے آپس کے مذہبی، نسلی، مقامی اور جغرافیائی جھگڑوں سے جو ہزاروں سالوں سے زمین پر خون کی ندیاں بہا رہے ہیں، دست بردار ہو جائیں، نسل انسانی پہلے زمانے کے انبیا کی وجہ سے پیدا شدہ تفریق سے عقیدتاً اور عملاً آزاد ہو جائے، **روئے زمین پر صرف ایک اُمّت ہو**، نوع انسانی کا واحد منتہا صحیفہ فطرت کی تلاش ہو جو اس کائنات میں واحد حقیقت ہے، نہیں بلکہ منتہا یہ ہو کہ انسان آپس کی باہمی جنگوں اور فساد فی الارض سے ہٹ کر وہ عظیم الشان اور ہولناک ہتھیار صحیفہ فطرت سے جنگ کرنے اور اس کو مسخر کرنے کے تیار کرے جو فطرت

کی حکومت قائم کی جائے۔ چنانچہ ایک اور جگہ امارت اقوام کے مضمون کو طالوت اور جالوت کے سلسلے سے پیوست کر کے انتہائی طور پر واضح کر دیا کہ خدا کے نزدیک قوموں کا صحیح امیر وہی ہے جس کو کثرت کے ساتھ علم اور جسم عطا کیا گیا ہو: (زادہ اللہ بسطۃ فی العلم والجسم) (۲/۳۲) بلکہ کافی طور پر واضح کر دیا کہ صحیح امیر وہی ہے جو غریب طبقے سے ہو (ولم یوت سعۃ من المال ط: (۲/۳۲) الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو موجودہ خطرناک حالات میں جو روئے زمین پر ظاہر ہو رہے ہیں دین فطرت کا

کے راز کو یکسر کھول کر انسان کو خدا کا ہمسر کر دیں اور کائنات کا یہ ہنگامۂ عظمیٰ بالآخر اس مرحلہ پر آ کر ختم ہو کہ کائنات کی آفرینش کا مقصد پورا ہو گیا اور انسان کے خدا تک پہنچنے کی منزل طے ہو گئی!۔

یہ عظیم الشان عمل ظاہر ہے کہ **علم** کی حکومت، اور **علم** کی حکومت کے بعد اقوام عالم کی انتہائی نبوّت کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ انسانی اقوام میں نبوّت کے وہ انداز بھر دینا جن سے انسان کا تن خدا کی تلاش میں اسی طرح گداز ہو جائے جس طرح پر کہ عرب کے آخری نبیؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تن آسمانوں کی طرف چڑھنے کے لئے معراج کی شب کو ہوا تھا۔ یا ان پر وہ کیف لے آنا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر زمین و آسمان کی ملکوت دکھلا دینے کے بعد طاری ہوا تھا۔(**کذالک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض**: (۶/۹) موجودہ درندگی کے عالم میں جو انسان نے اختیار کی ہے، محال ہے۔ اس درندگی میں سوائے اس کے کہ انسان نفس کی ادنیٰ شہوتوں کی طرف متوجہ ہو کر عالمگیر خونریزیاں کرے اور آفرینش کے مقصد سے قطعی طور پر غافل ہو جائے، اور کچھ امید رکھنا عبث ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی روزِ اوّل سے درندگی اس زمین پر کشمکشِ حیات کی وجہ سے ہے اور ہر قوم دوسری قوم کی زمین کو اس لئے چھیننا چاہتی ہے کہ اس کے لئے اس کے اپنے ملک میں جگہ نہیں رہی لیکن یہ سب منظر غیر فطری اس لئے ہے کہ سفلی حیوانی اُمتوں میں اعضا اور شکل وصورت کی مماثلت ہوتے ہوئے کسی ''بدترین'' جنس حیوانی نے بھی اپنی جنس کے افراد کے ساتھ مقاتلہ نہیں کیا، ہر جنس اپنی جنس کے افراد کے ساتھ عام طور پر نہ صرف کامل مصالحت سے رہی ہے بلکہ تلاش رزق کے معاملے میں ایک جنس کے گروہ نے اپنی جنس کے دوسرے گروہ کے ساتھ مسامحت روا رکھی ہے اور نوبت اس تلک نہیں پہنچی کہ وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھائیں۔ یہ وطیرہ بڑے سے بڑے درندہ حیوانوں نے بھی تنگ گذرانی کی کسی منزل پر اختیار نہیں کیا بلکہ تنگی معیشت کا فطرت میں عام طور پر یہ نتیجہ ہوا ہے کہ وہ تمام کی تمام جنس عام بھوک کے باعث آہستہ آہستہ چھوٹے جسم کی مخلوق بن کر بالآخر اس روئے زمین پر (افریقہ کے قصیر الجسم ہاتھی کی طرح) کمیاب ہو گئی ہے یا **الجدیدۃ الوسطی** ☆ کے خوفناک طور پر بڑے بڑے حرزونوں کی طرح قطعی طور پر ناپید ہو گئی۔ اس میں شک نہیں کہ انسانی مقاتلوں کے سلسلے میں جو زمین پر ہوتے رہے ہیں ایک قوم نے دوسری قوم کو اکثر اوقات اس قدر کچل دیا ہے کہ وہ ساری کی ساری **یاکلون کما تاکل الانعام**: (۴۷/۲) یعنی مویشیوں کی زندگی بسر کرنے یا کونوا

صحیح علاج یہ ہے کہ دنیا کی تمام قوموں اور علی الخصوص ان کمزور قوموں میں جو زور آور قوموں کے آئے دن کے مظالم سے سخت خوف و ہراس میں ہیں **عالم** کی حکومت قائم کی جائے اور **عالم** کو غریب طبقے سے منسوب کر کے غریب اور امیر کے حلقے ہر ملک میں الگ کر دیئے جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ پچھلے چار سو برس سے جو قیامت روئے زمین پر کمزور اقوام کے کچلنے کی برپا ہو رہی ہے اور جس کی وجہ سے ایشیا کا برّاعظم کئی پشتوں سے یورپ کا محکوم بن کر اپنی زندگی کے آخری دن کاٹ رہا ہے۔ اس کی تہہ میں تمام تر یورپ اور امریکہ کی بے پناہ سرمایہ داری ہے جو آئے دن کی ''سرد'' اور ''گرم'' عالمگیر جنگوں کی بنا بن رہی ہے۔ یہ سرمایہ داری وہ بے پناہ طاقت ہے

☆**الجدیدۃ الوسطیٰ**'' زمین کی پچھلی کروڑوں برس کی تاریخ کے سات زمانوں میں سے درمیانی زمانہ تھا۔ تذکرہ صفحہ ۳۰ تا ۳۶

قــردة خــاسئین o: (۸/۲) یعنی صرف انسان نما بندر بن جانے تک ہو کر رہ گئے ہیں لیکن یہ انقلاب مظلوم قوموں میں اعضائی انقلاب یا **خــلق جدید** کی حد تک نہیں پہنچا اور تاریخ انسان کی یہ داستانیں یا قران حکیم میں یہ حکائتیں صرف تمثیلی ہیں۔ اس لحاظ سے اگر غور سے دیکھا جائے تو انسانی جنس تمام روئے زمین پر رنگ، نسل، مذہب، مقام وغیرہ کے تمام اختلافات کے باوجود ایک ہے اور فطرت کا منشا اس تمام جنس کے بارے میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک اُمّت بن کر رہے، زمین پر جو تمام جنس کی مشترک وراثت ہے، کامل مصالحت سے رہے، اس زمین کی تمام اشیا کو جو اس کے استعمال کے لئے ہیں مشترک طور پر اور باہمی مصالحت سے استعمال کرے، اغنیا اور فقرا میں جہاں تک ممکن ہے دولت کی مساوات پیدا کر دی جائے، انسانی افراد کی خواہ وہ امیر ہوں یا غریب ذہنی مساوات ہر دم قائم رہے، اور جب آپس کی مصالحت اور رواداری سے انسانی آبادی روئے زمین پر اس کثرت سے ہو جائے کہ کھوئے سے کھوا چھلتا ہو اور زمین کی ہر غذائی اور غیر غذائی شے انسان کے مصرف میں پورے طور پر آ چکی ہو، انسان یا تو کمی غذا کے باعث اس قدر مجبور و مقہور ہو جائے کہ اپنی نا اہلی کے باعث آہستہ آہستہ پست قد یا قصیر الجسم ہوتا جائے حتیٰ کہ نابود ہو جائے یا اپنے **سمع و بصر** کے زور سے اتنا طاقتور ہوتا جائے کہ اس چھوٹی سی زمین سے باہر نکل کر آسمانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے اور اسی قبضہ کرنے کی کوششوں میں ہی اپنی حرکتوں، اپنی بود و باش، اپنے طریقہ ہائے رہائش، اپنے اعضائے جسمانی میں اس طور پر انقلاب پیدا کرتا جائے کہ وہ بہ حیثیت مجموعی اپنے سے زیادہ اعلیٰ ترین جنس کی طرف ارتقا کرے۔ قران عظیم میں ہے **وما لکم لا ترجون لله وقارا ج وقد خلقکم اطوارا o**: (۱۷/۱) یعنی جب تم انسانوں کا ارتقا نہایت ادنیٰ درجے کے حیوانوں سے شروع کر کے احسن الخلق انسان تک کیا ہے تو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے اَور زیادہ عزّت کی امید نہیں رکھتے! ایک دوسری جگہ ہے **فلا اقسم بالشفق oلا والیل وما وسق o لاوالقمر اذا تسق o لالترکبن طبقا عن طبق oط فمالھم لا یومنون oلا واذا قری علیھم القرآن لا یسجدون oط**: (۸۴/۱) یعنی انسان کا ایک درجہ سے دوسرے درجے تک چڑھنا چاند کی طرح مکمل ہوگا اور کیا ہو گیا ہے انسان کو کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتا اور جب قران کی عظیم الشان حقیقتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لڑکھڑا کر سجدے میں نہیں گرتا۔ تنگ بین نگاہوں میں جو حقائق مَیں یہاں پر کھول رہا ہوں محض نظریات (یعنی تھیوریز) معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر یہ سب کچھ جو میں نے سوچ سمجھ کر کہا نظریے ہیں تو پھر قرآن حکیم کی یہ آیتیں معاذ اللہ شاعری ہیں۔

جو کسی ملک میں بھی غریب کی حکومت کو قائم کرنے نہیں دیتی حالانکہ غریبوں کی تعداد ہر ملک میں اغنیا کے بالمقابل دس گنا زیادہ ہے۔ یہی سرمایہ داری روپیہ کے زور سے ''جمہوریت'' کے دعوے دار ممالک میں بھی غریب کی ووٹوں کو خریدتی ہے اور یہی سرمایہ داری روپیہ کے زور سے قوموں کے سیاسی حاکموں کو مجبور کر دیتی ہے کہ سرمایہ داروں کے ذاتی نفعوں کی خاطر وہ دنیا میں عالمگیر جنگیں آئے دن چھیڑیں اور کمزور ملکوں کی اقتصادی حالت کو تباہ کر کے ان کو موت کے گھاٹ اتاریں۔ سرمایہ کی پرستش انسان کی پیدائش کے پہلے دن سے ہی انسانی بربادی اور ہلاکت کا سب

۸۔طریق پیدائش انسان میں انقلاب وارتقا

(۴۸) اعضائی انقلاب کے سلسلے میں قران حکیم نے انسان کی پیدائش کے بارے میں بار باراس کی توجہ اس طرف دلائی ہے کہ وہ منی کے ناپاک پانی سے پیدا کیا گیا، کہا گیا کہ اس کو اپنی پیدائش پر شرم نہیں آتی اور باوجود اس کے کہ اس کی اصل اس قدر ذلیل ہے، وہ خدا کا کھلا دشمن ہے: فاذا ھو خصیم مبین O: (۱٦/۱، ۳٦/۵) ''کھلا دشمن'' ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انسان خدا کے قانون کو خاطر میں نہیں لاتا اور سخت ترین نافرمانیاں کرتا رہتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ آیتیں باریک مگر مضبوط اشارہ اس طرف ہوں کہ جب انسان خدا سے ''کُھلی دوستی'' کی طرف آجائیگا اور نہ صرف یہ کہ اس کے قانون کا ہمہ تن پابند ہوگا بلکہ خدا کو تلاش کرنے کی جدّ وجہد میں اس سے دوستانہ ملاقات کا آرزومند ہوتا جائے گا تو اس کی یہ ذلیل طور پر پیدائش بھی ختم کر دی جائے گی۔

انسان کی مرد اور عورت کے جسم کے پلید ترین حصّوں سے پیدائش اگرچہ سفلی حیوانات کی طرف سے کروڑوں برس پُرانا ورثہ ہے مگر اُس انسان کے لئے جو صحیفہ کائنات کی بلند ترین حقیقتوں کو اپنی جدوجہد سے تلاش کرنے کے بعد فاطر (اللہ تعالیٰ) زمین وآسمان کے عرش تک پہنچنے کا خواہاں ہے، فی الحقیقت باعث شرم ہے۔ انسان کے لئے فی الحقیقت یہ امر باعث ننگ ہے کہ نفخت فیہ من روحی اور انی جاعل فی الارض خلیفۃ کا مصداق ہوکر حیوانات کی طرح پیدا ہو۔ اُس راستے سے پیدا ہو جس راستے سے جسم کا تمام ردّ کردہ فُضلہ نکلتا ہو، اس کی پیدائش اور نمو جسم کے اُس حصّے میں ہو جہاں جسم کی تمام آلائش جمع ہوتی ہے، اس حصّے میں اس کا مسکن ہو جس حصّے کو انسان اس کی گندگی کی وجہ سے چھپائے پھرتا ہے، جس حصّے کو ننگا کرنے اس کا وقار جاتا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ قران حکیم کا بار بار اس نکتے کی طرف رجوع کرنا اور ساتھ ہی اپنے متعلق اپنی بے مثال کبریائی کو ظاہر کرنے کیلئے لم یلد ولم یولد: (۱۱۲/۱) کہنا، یعنی یہ کہنا کہ خدا وہ بے مثال و بے ہمتا اور ہمیشہ رہنے والا اللہ الصمد اور لم یکن لہ کفوا احد O: (۱۱۲/۱) ھے کہ نہ وہ آلہ توالد وتناسل کے ذریعے سے پیدا کرتا ہے اور نہ خود اس ذلیل طرح سے پیدا ہوا ہے، میری نگاہ میں صاف اس طرف اشارہ ہے کہ اگر انسان کو خدا تک پہنچنا ہے تو آگے چل کر اس کو اس طریق پیدائش سے مستغنی ہونا پڑیگا۔ وہ خدا سے دوبدو ملاقات کا تبھی اہل ہوسکتا ہے کہ خدا کی طرح

سے بڑا باعث رہی ہے اور یہ امر مسلّم ہے کہ روزِ اوّل سے ہی سرمایہ دار نے غریب کو کچلنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اب جبکہ پچھلی تین صدیوں سے افراد اور ان کے گروہوں سے قطع نظر، سرمایہ دار قومیں غریب قوموں کے بالمقابل خم ٹھونک کر میدان میں آئی ہیں اور افراد کی جگہ اقوام کی ہلاکت کی قیامت کبریٰ روئے زمین پر نمودار ہو رہی ہے، دین فطرت کا بنایا ہوا آخری علاج یہ ہے کہ **عالم** کی حکومت ہر ملک میں قائم اس لئے کر دی جائے کہ **عالم** ہمیشہ غریب طبقے میں سے رہا ہے، غریب طبقہ ہمیشہ سے امیر طبقہ کے

سمیع و بصیر ہوتے ہوئے اسی کی طرح لم یلد و لم یولد کا مصداق بھی ہو۔انسان کے طریق پیدائش کی طرف قرانِ حکیم کے یہ بار بار اشارے لازم ہے کہ کسی عظیم الشان حکمت کے حامل ہوں، اُن کو بے معنی سمجھنا یا شاعری کہہ کر ٹال دینا میرے نزدیک قرانِ عظیم کی روح کو نہ سمجھنا ہے، لیکن میرے نزدیک ان سے بدرجہا واضح تر الفاظ میں سورۂ طارق میں خدا نے آسمان اور اس کے عظیم الشان مناظر کو گواہ بنا کر یا بعض کی نظروں میں ان کی قسم کھا کر، انسان کی پیدائش کے متعلق حسب ذیل لرزہ خیز انکشاف کیا ہے جو انتہائی طور پر قابلِ غور ہے:۔

فلینظر الانسان مما خلق o ط خلق من مآء دافق o لا یخرج من بین الصلب والترائب o ط انه علی رجعه لقادر o ط:(۸۶/۱)

پس انسان کو چاہیے کہ اس پر غور کرے کہ وہ کس شے سے پیدا ہوا وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا ہوا جو پیٹھ اور پسلیوں میں سے نکلتا ہے، بے شک اور بالضرور انسان اس پانی کو واپس کر دینے پر قادر ہے۔

آگے چل کر اسی عظیم الشان حقیقت کے متعلق انه لقول فصل o ج وما هو بالهزل o:☆ (۸۶/۱) کے الفاظ ہیں، یعنی جو کہا گیا وہ ایک فیصلہ کُن قول ہے اور ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔اس لئے مجھے مفسّرین قران کی تمام تشریحوں کے باوجود جو انہوں نے سورۂ طارق کی کی ہیں، سنجیدہ طور پر شک پڑتا ہے کہ انه علی رجعه لقادر کے معنی وہی ہیں جو میں نے کئے اور مراد یہ ہے کہ انسان کو سوچنا چاہیے کہ اس کی ادنیٰ حیوانوں کے طریق پر ایک ''اچھلتے ہوئے پانی سے (جو انتہائی طور پر ناپاک ہے) پیدائش انتہائی طور پر باعث شرم ہے اور چونکہ قطرۂ منی کے ذریعے سے پیدائش تمام سفلی مخلوق کا خاصہ ہے، انسان اگر مناسب جدّ و جہد کرے گا تو ضرور ہے کہ وہ اس امر پر قادر ہو جائے کہ اس گندے پانی سے پیدائش کو حیوانات کی طرف ہی لوٹا دے اور خود اس سے آزاد ہو جائے۔پھر کہا کہ کئی بڑی بڑی قسمیں کھا کر جو یہ بات کہی گئی کہ انسان اپنی پیدائش پر غور کرے، تو یہ بات کہ وہ اس ''پانی کی واپسی'' پر پورے طور پر قادر ہے ایک فیصلہ کن قول ہے محض بکواس نہیں بشرطیکہ انسان اس سعی و عمل کی طرف اپنے آپ کو ہمہ تن لگا دے جو اُس کو اس ذلیل پیدائش سے آزاد کرا سکتا ہے۔

اگر ان آیات کے یہی معنی ہیں جو میں نے بیان کئے تو لامحالہ قرانِ عظیم نے انسان کے سامنے اس کے آئندہ اعضائی انقلاب کے متعلق اعجوبات کا ایک نیا دفتر کھول دیا ہے۔

بالمقابل دس گنا زیادہ اکثریت میں ہے۔غریب کی حکومت قائم کرنے سے امیر اور اس کا سرمایہ ایک ایسی اقلیّت میں آجائیں گے جس کی وجہ سے سرمایہ بجائے اس کے کہ دنیا کی سیاست پر حاکم ہو، صاحب علم حاکم کا محکوم بن کر رہ جائے گا اور **عالم** کو موقع ملے گا کہ وہ سرمایہ دار اور سیاسی مداریوں کے ظالم پنجوں سے نکل کر دنیا کی حکومت صحیفہ فطرت کے قانون کے مطابق کریں، بنی نوع انسان کو قوموں میں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بجائے بہ حیثیت مجموعی دیکھیں۔دنیا میں انسان کا انسان سے جنگ و جدال قطعی طور پر منسوخ

☆سوال تو یہ ہے کہ سورۂ طارق میں اگر کوئی عظیم الشان حقیقت قران نے نہیں بتلائی تو اتنی قسمیں کھانے کی کیا ضرورت تھی بلکہ مجھے تو والسمآء ذات الرجع o کی قسم سے بھی یہ مراد نظر آتی ہے کہ آسمانوں تک جانے کے بعد ہی انسان اپنی اس پلید پیدائش کو جو نطفۂ منی سے ہے حیوانوں کو لوٹا دے گا۔اوپر کے خط کشیدہ الفاظ میں رجع کا لفظ اور پھر اس قسم میں وہی رجع کا لفظ اس دعوے کی دلیل ہیں۔

جو مسئلہ ارتقا کی جان ہے اور جس کی روح کو سمجھ کر انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ اُس کا اس بیکراں کائنات میں جو کروڑوں سال سے ہے اور جو ہزاروں سال سے حضرت انسان کو محوِ حیرت کر رہی ہے، مآل اور معاد کیا ہے۔ میرے نزدیک اگر انسان فی الحقیقت اس کا مصداق ہے کہ اُس میں خدا کی روح پھونک دی گئی ہے اور وہ ''خدا کی تصویر'' ہے تو جس جسم میں خدائی روح پھونکی گئی ہے اور جس جسم نے آگے چل کر خلیفہ خدا ہونے کا اہل بننا ہے، بلکہ جس جسم نے تمام کائنات کے کونے کونے پر حاوی ہو کر بالآخر فاطر زمین و آسمان سے دوبدو ملاقات کرنی ہے، اس جسم کی یہ ہیئت کذائی، اس کی یہ پلید ذہنی، اس کی یہ نفسانی شہوتیں، اس کا صبح سے شام تک عورتوں سے عشق، اس کا ہر ہم بستری کے وقت گندگی سے کھیل، اس کے جسم کے اندرونی حصّوں میں ہر وقت شہوت کی آگ، اس کی ہر دوسری خوبصورت عورت پر نظر، الغرض یہ تمام حیوانی سلسلہ جو اس کے تمام ربّانی کردار کے باوجود اس کے ساتھ نطفہٗ منی کی حدّت کی وجہ سے لگا ہے اور جو ہر دم اس کو یاد دلائے رکھتا ہے کہ وہ علّو کردار کی انتہائی بلندیوں پر بھی حیوان ہی ہے۔ انسان کو شرم دلاتا ہے کہ اس کا موجودہ جسم اس کا اہل نہیں کہ وہ وہاں کے ماحول کو برداشت کر سکے۔ ابھی ابھی اس نے تجربہ کیا ہے کہ صرف پانچ میل کی ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھ کر زن و مرد کی شہوت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ پانچ میل بلند نہیں ہو سکتا جب تک اُس کے بدن پر کئی غلاف ایسے نہ ڈالے جائیں جن سے وہ ہوا کے دباؤ کا مقابلہ کر سکے، دل کی حرکت کو صحیح رفتار پر رکھنے کے لئے ہی کئی طرح کے علمی اوزار بدن کے ساتھ لگانے پڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ انسان کے بدن اور اعضا کی اگر یہی صورت پانچ میل کی بلندی پر ہے تو کروڑوں اور اربوں میل کی بلندی پر نہ معلوم اس کے جسم کا کیا حشر ہوگا۔

۹۔ انسان کے اعضائی ارتقا کے متعلق تین واقعات قرانی

(۴۹) نسل انسانی کو اس کی پیدائش کے ابتدائی مرحلوں میں ہدایت دینے والے انبیا کے متعلق یہ کہنا کہ اُن کا دعویٰ کہ وہ خدا کی طرف سے پیغام لے کر آئے تھے، نرا دھوکہ تھا، اب کسی صاحب نظر کے نزدیک قابل تسلیم نہیں رہا۔ اب قابل یقین امر یہ ہے کہ انبیا اور علی الخصوص وہ مشہور انبیا جن کی اُمّتیں ابھی تک روئے زمین پر باقی ہیں بے شک اُن انتہائی طور پر باخبر انسانوں میں سے تھے جنھوں نے انسانی معاشرے کے صحیح اصول ہمیشہ کیلئے وضع کئے، انہوں نے اس حیوان نما انسان کو

کر کے زمین پر اپنی علمی ایجادوں کے بہشت کے علاوہ سیاست اور حکومت کا ایک نیا بہشت پیدا کریں جو بنی نوع انسان کو بالآخر صحیفہ فطرت کے علم کے زور سے ایک اُمّت پھر بنا کر رہے اور منشائے فطرت پورا ہو کہ انسان فی الحقیقت ایک اُمّت ہیں کیونکہ وہ ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی اولاد سے ہیں۔ سرمایہ کی حکومت کو کچل دینے کے بعد علم کی حکومت کا فطری میلان اس طرف ہوگا کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو صحیفہ فطرت کی واحد حقیقت کی طرف متوجہ کرے۔ تاکہ فطرت کے زیادہ سے

جس کی زندگی آفرینش کے ابتدائی زمانوں میں درندوں سے بدتر تھی، باہم مل کر رہنے کے صحیح طریقے سکھلائے، عقل و ہوش اور فہم وادراک کے عطیّات ربّانی کے باعث جو خودسری، اور خودرائی، ظلومیّت اور جہولیّت، تشدّد اور نفسانیت انسان میں پیدا ہوگئی تھی اور جن کے باعث انسان روزِاوّل سے انسان کے خلاف، فطرت کے تمام معمول کو برطرف کرکے، برسر پیکار رہا اور ایک دوسرے کا گلا کاٹتا رہا، انبیا نے اس تمام فساد فی الارض کو صحیح طور پر روکا، عقل وادراک کی امانت☆ کو جس کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور صرف ظلوم وجہول انسان نے اٹھالیا تھا، انبیا نے اس حیرت انگیز باخبری سے انسان کے لئے بابرکت بنا دیا کہ ہر صاحب نظر کی عقل اُن کے لائے ہوئے یا بنائے ہوئے، قوانین پر دنگ ہے۔ کمتر حیوانوں میں ہر شخص جانتا ہے کہ تلاش خوراک وغیرہ کے بارے میں کوئی اخلاق یا معاشری قوانین موجود نہیں ہر حیوان جہاں سے اور جس طرح میّسر ہو اپنی مناسب خوراک خزانہ فطرت سے بہرنوع وصول کرلیتا ہے اور دیانت داری اور بددیانتی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ہر شخص آج اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگر ''گناہ'' کا ابتدائی احساس ابتدائی انسان کو نہ دیا جاتا تو انسانی معاشرہ آج کس محشر انگیز فتنہ میں مبتلا ہوتا۔ خدا کے ہونے کا یقین اگر انسان کو شروع سے نہ ہوتا تو انسان کس قصاب خانہ زمین پر بستا۔ چوری، قتل، زنا، خیانت، دھوکہ، جھوٹ، وغیرہ وغیرہ کے خلاف جذبات کو رواج نہ دیا جاتا تو انسانی زندگی کس قدر تاریک ہوجاتی۔ اس نقطہ نظر سے جہالت کے اُن تاریک زمانوں میں انبیا فی الحقیقت معمولی انسان ہرگز نہ تھے اور جس دروں بینی، صداقت اور ''صحیح خبر'' سے انہوں نے انسانی زندگی کو بہتری اور بہبودی کی راہوں پر لگایا سچ مچ حیرت انگیز ہے۔ لیکن انبیا کی فضیلت یہیں پر بس نہیں ہوتی بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کارخانہ فطرت کو اس سے بھی بہت بلند نظر سے دیکھ رہے تھے اور ان کی مدّت العمر کی سب سے بڑی دُھن یہ تھی کہ اس کارگاہ جہاں کے پیدا کرنے والے تک اپنے روحانی سعی وعمل اور بصیرتی جدّ وجہد سے پہنچ کر اس تمام ہنگامے کی جو آنکھوں کے سامنے نظر آرہا ہے، کنہ وماہیّت دریافت کریں اور نسل انسانی کو خدا سے ملادیں۔

انبیا کا نسل انسانی پر حیرت انگیز اثر جو آج تک اس شدّت سے نمایاں ہے، ہر صاحب نظر کو اس امر پر مجبور کردیتا ہے کہ وہ اُن کی صادقیت اور تبحر علم وعمل کو کُھلے دِل سے تسلیم کرے، ان کے بتائے ہوئے **علم** اور نباء کو انسانی معاشری علم کی بنیاد یقین کرے۔ وہ اختلاف اور افتراق جو ان کے مختلف انسانی گروہوں میں نمودار ہونے کی وجہ سے زمین پر پیدا ہوگیا ہے بے شک دردناک بلکہ تاریخ انسانی کا سب سے زیادہ ہولناک

زیادہ راز جلد از جلد کُھل سکیں۔ روئے زمین کے اکثر انسان (۱) اپنے سمع وبصر اور ذہن کا صحیح استعمال کریں اور وہ اس جہنّم کے عذاب سے بچ سکیں جس کی دھمکی خدا نے جنّ وانس کی اُس اکثریت کو دی ہے۔ جو ان عطیّات الٰہی کو صحیح طور پر استعمال نہیں کرتی۔ علم کی حکومت ہی زمین پر تمام مذاہب کے اختلافات کو دور کرسکے گی۔ کیوں کہ **عالم** فطرت کے نزدیک ہی دنیا کے تمام پیغامبر ایک مقصد لے کر آئے تھے اور وہ مقصد فطرت کو واضح کرنا تھا۔ **عالم** فطرت ہی انبیا کی طرح کسی خاص مذہب مثلاً

☆ قرانِ حکیم میں ہے: انا عرضنا الا مانة ۵۲۴ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان ط انه کان ظلوماً جهو لاo لا: (۹/۳۳)(۱) دیکھو صفحہ ۱۹

حادثہ ہے لیکن یہ سب کچھ انسان کی اپنی بغاوت، خودرائی اور ضد کا منصوبہ ہے، انبیا اس گناہ عظیم کے مجرم ہرگز نہ تھے۔ اُن کے ارادوں کی عظمت اس امر کی گواہ ہے کہ وہ انسان کو ''صحیح راہ'' پر چلانے کے بارے میں کامیاب انسان تھے۔ اور اُن عظیم الشان انسان جیسا ان کے بعد مجامع انسانی میں بہت کم پیدا ہوا۔

اس تمہید کے بعد اُس کیف وحال کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوسکتا ہے جو انبیا کے ذہنوں میں صحیفہ فطرت کی چیستاں کے متعلق مدۃ العمر رہا ہوگا۔ قران حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کا ''آسمان وزمین کی ملکوت'' کو دیکھنے کا واقعہ (**کذالک نری ابراهیم ملکوت السموات والارض**: (۹/۶)). حضرت موسیٰؑ کا کوہ طور پر ''خدا سے ہمکلام'' ہونے کا واقعہ (**وکلم الله موسیٰ تکلیما** ج: (۲۳/۴) **خر موسیٰ صعقاً** ج: (۱۷/۷) اور رسول خدا صلعم کا ''معراج'' کا واقعہ (**اسری بعبده لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی برکنا حوله لنریه من ایتناط**: (۱/۱۷)) تینوں خرقِ عادت واقعات معلوم ہوتے ہیں اور تینوں کا بیان قران علیم میں نہایت مختصر الفاظ میں ہے۔ ان واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں مخصوص کیف وحال میں ہوئے ہونگے اور ان واقعات کے دوران میں ضرور کوئی نہ کوئی اعضائی جسمانی انقلاب ان انبیا کے بدنوں میں اس وجہ سے پیدا ہوا ہوگا کہ آسمانوں پر جاکر دیکھنے کے دونوں واقعات موجودہ جسموں سے نہیں ہوسکتے تھے اور خدا سے ہمکلامی کا واقعہ اگرچہ بے ہوشی کی حالت میں ہوا تھا مگر وہاں بھی **لنریک من ایتنا الکبری** ؈ ج: (۱/۲۰) کے الفاظ موجود ہیں۔ میرے نزدیک یہ تینوں واقعات (اگر یہ نرا دھوکہ نہ تھے) اس امر کی دلیل بلکہ اس امر کی طرف اشارہ ہیں کہ اقوام کی نبوت کے مرحلے پر جو نسل انسانی کی تگ ودو کے ضمن میں ایک نہ ایک دن آنے والا ہے، انسان کا آسمانوں پر جاکر اس کی ملکوت کو ''بچشم خود'' ملاحظہ کرنا اٹل ہے۔ انبیا اگر اپنے روحانی زور علم سے اس امر پر قادر ہوگئے تھے کہ خدا کی ملکوت کو بہ چشم خود (**لنریه من ایتنا** اور **کذلک نری ابراهیم** کے الفاظ اس کیفیّت پر دلالت کرتے ہیں) دیکھیں تو انسان کی پوری نسل کو بھی یہ واقعہ ایک نہ ایک دن پیش آنے والا ہے اور اس کا بھی ایک نہ ایک دن رسول خدا کی طرح **سمیع و بصیر** ہوجانا **انه هو السمیع البصیر** ؈: (۱/۱۷) اٹل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھنے اور اس سے ہمکلامی کا واقعہ قران حکیم میں انتہائی عمیق وبلیغ الفاظ میں ہے اور اس کے کیف وحال کو پہنچنا غیر روحانی انسان کے لئے جو ابھی تک زمین سے پانچ چھ میل اوپر بھی اپنے اس جسم کے ساتھ نہیں ہوا ازبس مشکل ہے لیکن وہاں بھی **لن ترانی**: (۱) (۱۷/۷) کے الفاظ کے باوجود **لنریک من ایتنا الکبری** ؈ ج (۱/۲۰) یعنی تاکہ ہم تم کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں ان

یہودی یا نصرانی یا محمدیؐ گروہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کے نزدیک ہی سب انبیاء برابر ہیں، اس کا مطمح نظر خالصتہً یہ ہوگا کہ دنیا میں انسان کی انسان سے لامتناہی جنگیں برقرار رکھنے کی بجائے باہمی اخوت اور مساحت سے زمین کی آبادی بے اندازہ طور پر بڑھادی جائے۔ تاکہ باشندگان زمین میں آسمانوں کی نئی زمینوں پر قبضہ کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ علم کی حکومت ہی قرآن حکیم کے اس اعلان پر صحیح معنوں میں عمل پیدا کرسکتی ہے کہ زمین پر جو شے ہے وہ زمین کی زینت کے لئے ہے: **انا جعلنا ماعلی الارض زینة لها لنبلوهم ایهم احسن عملا**؈: (۱/۱۸) اس امر کا روئے زمین کے انسانوں کو پورا احساس دلاسکتی ہے۔ کہ نہ صرف زمین کی ہر شے بلکہ آسمانوں کے لاتعداد ستارے

(۱) تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔

آنکھوں سے دکھلا دیں) کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بھی انسانی بصیرت کا ایک عظیم الشان مرحلہ تھا جو اس نبی کو اپنی بصیرتی جدّ وجہد کے سلسلے میں ملا۔ اسی بصیرتی جدّ وجہد کے ایک مرحلے پر حضرت موسیٰؑ کو کوئی ''آگ'' محسوس ہوئی ہوگی جس کے متعلق انہوں نے کہا کہ شاید اسی ''آگ'' سے مجھے کوئی ''ہدایت'' کا راستہ مل جائے (اذرا ناراً فقال لاهله امكثوا انی انست ناراً تعلی اتیكم منها بقبس او اجد علے النار هدی ٥: (۲۰/۱)
الغرض یہ تینوں واقعے انسان کی بصیرت کی تاریخ میں عظیم الشان اشارے اس امر کی طرف ہیں کہ انسان کی آنکھیں عام حالات میں اگرچہ صحیفہ فطرت کی صرف محدود اشیا کو دیکھ سکتی ہیں مگر ہزار در ہزار اشیا فطرت میں ایسی ہیں جن کو انسان صرف اپنے جسم کے خاص کیف وحال میں محسوس کر سکتا ہے اس خاص بصیرت کی زندہ مثال آج کل روشنی کی بے شمار شاعیں ہیں جن کا علم انسان کو اس کی موجودہ آنکھ سے اس لئے حاصل نہیں ہوا کہ ان کی طول موج (ویولینگتھ) انسان کے پردہ چشم کو متاثر نہیں کرتی مگر وہ اپنے انعکاسی عمل (ریڈیو ایکٹویٹی) سے جو وہ دوسری اشیا پر کرتی ہیں، اپنے وجود کا بیّن ثبوت دیتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں سماعت اور بصیرت کی انتہا آج علمی ترقی کے اس زمانے میں یہاں تک ہو چکی ہے کہ انسان ہزاروں میل کی آوازیں اور کروڑوں میل دور سے نکلی ہوئی شعاعیں اپنے علمی آلات کے ذریعے سے قید کر کے اپنے کانوں اور آنکھوں تک پہنچا سکتا ہے، وہاں سماعت اور بصیرت کے اَور بالاتر مراحل بھی ہیں جن کا تعلق انسان کے قلب یعنی ذہن سے ہے اور جو اُسی وقت حاصل ہوتے ہیں جب کہ انسان کی ذہنی کیفیت تن کو اس قدر گداز کر دے کہ اس میں اعضائی انقلاب ایسے طریقے سے واقع ہو کہ آنکھ اُس شے کو دیکھ سکے جو معمولی آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور کان اُس شے کو سُن سکے۔ جو معمولی کان نہیں سن سکتے۔ حضرت موسیٰؑ کی خدا سے ہمکلامی کا واقعہ آنکھ اور کان کا اسی قبیل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اور اگر انبیا کو اپنی انتہائی بصیرت سے یہ مرحلہ نصیب ہو گیا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ عالم فطرت کو اور اس کے بعد اقوام کی نبوّت کے سلسلے میں نسل انسانی کو بہ حیثیت مجموعی یہ مرحلہ بالآخر نصیب ہو کر نہ رہے۔ انسان میں اگر از روئے قرآن ''خدا کی روح'' پھونک دی گئی ہے تو ''خدا کی روح'' کا پہلا تقاضا ہے کہ وہ ''خدا سے ملنے'' کی سبیل نکالے۔ ابھی تک انسانی علم کی غیر فطری بنیادیں جو اس کو زیادہ سے زیادہ گھومنے والی مشینوں تک لے گئی ہیں، اس امر کی ضامن نظر نہیں آتیں کہ وہ ان مشینوں کے ذریعے اس زمین سے کسی بڑے فاصلے تک

اَور گُرے خدا نے انسان کے حسن عمل کی پاداش میں بطور انعام محفوظ کئے ہوئے ہیں: (ولله مافی السموات وما فی الارض لیجزی الذین اسآوابما عملوا ویجزی الذین احسنو بالحسنی ٥: (۲/۵۳) انسانوں کو انسانوں سے لڑا کر زمین کو بے آباد کر دینے سے فاطرِ فطرت تعالیٰ کے یہ عظیم الشان مقاصد پورے نہیں ہو سکتے۔ علم کی حکومت ہی انسان کے موجودہ علم کو جس کے ذریعے سے اب تک صرف گھومنے والی مشینیں بنی ہیں اور جس علم کی بنیادیں نقطہ، خط مستقیم اور دائرہ کی غیر فطری شکلوں پر استوار ہوئی ہیں، ناقص ٹھہرا کر انسان کی توجہ اُس علم کی طرف لگا سکتی ہے جن کی بنیادیں فطری اصولوں پر ہوں۔ یہ گھومنے والی مشینیں انسان کو

پرواز کر سکے لیکن جب اس نے اپنے علم کی بنیادیں فطری اکائیوں پر استوار کر کے اس زمین پر زندگی کے راز کو دریافت کر لیا اور خود بے جان مشینوں کا خالق ہونے کی بجائے صحیح معنوں میں زندہ اشیا کا خالق بن گیا، تو اس کی فطرت میں ''خدا کی روح'' کا پہلا انکشاف عملی طور پر ہوگا اور انبیا کی طرح اس کی بصیرت کا یہ مرحلہ اُس کو آسمانی کُروں تک کسی ایسے اعضائی انقلاب کے ساتھ لے جائیگا جس میں اس کی بنائی ہوئی گھومنے والی مشینوں کا دخل تک نہ ہو۔ یہ مشینیں اُس وقت کسی ناقص اور غیر فطری علم کی پرانی یادگار کے طور پر رہ جائیں، موجودہ علم ریاضی جس سے وہ فطرت کی تقدیر و تخمین کے انداز سے علم حساب کے ایک دو چار اور علم جبر و مقابلہ کے الفؔ اور بؔے سے بنائی ہوئی مساواتوں کے ذریعے سے کرتا ہے اور خدا کو انسان کے اپنے وضع کئے ہوئے علموں کا ماہر یقین کرتا ہے، سب کا سب مضحکہ انگیز نظر آئے، اس پر صحیفہ فطرت کے متعلق ایک نئے اور ''خدائی علم'' کا طلوع ہو اور کاغذ پر اور قلم سے لکھی ہوئی کتابوں کی بجائے وہ ''کتاب فطرت'' کا مطالعہ ''خدائی آنکھ'' سے کرے اور نہال ہو جائے!۔

میرے یقین میں قران حکیم جیسی بلند کتاب میں پرانے زمانے کے انبیا کی بصیرت کے متعلق یہ بلند اشارے جو انسانی فہم و ادراک سے بالاتر نظر آتے ہیں، قران حکیم کو قصّوں اور افسانوں کی کتاب نہیں بناتے بلکہ انسان پر نبّوت یعنی کمال باخبری کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں اور صاف اشارہ اس امر کی طرف ہیں کہ انبیا وہ لوگ تھے جو اپنے اپنے زمانے میں اپنی کمال بصیرت کے باعث نفخت فیہ من روحی اور جاعل فی الارض خلیفة کے صحیح مصداق اپنے زمانے کے معیار علم کے مطابق بنے اور چونکہ یہ فضیلت تمام نسل انسانی پر عائد ہے، تمام نسل انسانی بھی اسی فضیلت تک پہنچ سکتی ہے بشرطیکہ وہ تمام کی تمام نبّوت کے درجے تک پہنچ جائے!

۱۰۔طریق پیدائش انسان میں اعضائی انقلاب کا قرانی واقعہ

(۵۰) انسان کے جسم میں اعضائی انقلاب کے موضوع کے متعلق ایک اور عظیم الشان واقعہ حضرت مریمؑ کے بطن سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا واقعہ ہے جس کا ذکر قران حکیم میں ہے۔ اس واقعہ کے متعلق مذہبی جذبات کچھ ہی کیوں نہ ہوں مگر علمی نقطہ نظر سے جو نتائج پیدائش انسان کے بارے میں قران کے استدلال سے واضح ہوتے ہیں، نسل انسانی کے لئے ایک اہم اشارہ ہیں۔

زمین سے چند میل اوپر بھی نہیں لے جاسکتیں چہ جائیکہ ان کے ذریعے سے انسان کا قبضہ آسمانوں کے لاتعداد ستاروں اور کُروں پر ہو۔ علم کی حکومت ہی اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد دنیا کے تمام مُلکوں کے عالمان فطرت حاکموں کی ایک مشترک کانفرنس منعقد کر سکتی ہے جس میں علم صحیفۂ فطرت کو اِس نئے نقطہ نظر سے مسخر کرنے کے لئے علم کی نئی بنیادیں قائم کی جائیں، صرف بے جان اشیاء کی ماہیّت دریافت کر کے گھومنے والی بے جان مشینوں کو بنانے کی بجائے فطرت میں زندہ اشیاء کی ماہیّت اور زندگی کا راز دریافت کیا جائے، انسان کو زندہ اشیاء کا خالق بنا کر خدا سے قریب تر کیا جائے، نسل انسانی میں خدائی اخلاق کی وہ خاصیتیں پیدا کی جائیں جس کے ذریعے سے وہ روز بروز خدا کا مماثل بنتا جائے۔

مرد اور عورت کی شرمگاہوں کی حفاظت کے متعلق قران حکیم میں چار جگہ واضح طور پر تاکید ہے کہ یہ حفاظت ہر مرد اور عورت پر فرض ہے (دیکھو: ۲۳/۱، ۲۴/۴، ۳۳/۳۴، ۵/۰، ۷۰/۱)۔ ایک قانونی کتاب میں زِنا نہ کرنے کے متعلق یہ تاکیدیں لازمی تھیں اور فاطر السموات والارض کے بارے میں جس نے انسان کا سلسلہ توالد و تناسل خود قائم کیا۔ ''شرمگاہ'' کا لفظ استعمال کرنا بھی کچھ معیوب نظر نہیں آتا لیکن دنیا کے ایک بڑے **عظیم الشان نبی** کی **عظیم المرتبت والدہ** حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی شرمگاہ کا خاص طور پر ذکر کر کے ان کے متعلق دوبار خاص الخاص طور پر یہ کہنا کہ حضرت مریمؑ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور کسی مرد کو پاس پھٹکنے نہ دیا خالی از علّت نہیں ہوسکتا۔ سورۂ انبیا میں بہت سے انبیا کے عمدہ اعمال کو انتہائی طور پر سراہنے کے بعد ہے: **والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا وجعلنھا وابنھا آیۃ للعلمین o**: (۲۱/۹۱) یعنی اور ''اس (عظیم الشان) عورت کا ذکر کرنا مجھے بھلا معلوم دیتا ہے) جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس عورت میں اپنی روح پھونک (کر اس کو بغیر مرد کے نطفے کے رحم میں داخل ہونے کے اس قابل بنا دیا کہ اس کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ کا حمل ٹھہر جائے اور جب وہ حمل ٹھہر گیا اور حضرت عیسیٰ پیدا ہو گئے) تو پھر ہم نے مریمؑ اور اس کے بیٹے دونوں کو تمام دنیا کے لئے (عجوبہ روزگار) نشانی بنا دیا''۔ مریمؑ اور ان کے بیٹے کو تمام کائنات کے لئے ایک ''یادگار نشانی بنا دینا'' صرف اسی عجیب و غریب واقعے سے ہوسکتا ہے کہ حضرت مریم کو بغیر خاوند کے نطفے کے حمل ٹھہر گیا تھا اور حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اور کسی وجہ سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہی نکتہ سورۂ مومنون میں ہے: **وجعلنا ابن مریم وامہ اٰیۃ**: (۲۳/۵۰) اگرچہ یہاں شرمگاہ کی حفاظت کا ذکر نہیں۔ تیسری جگہ سورۂ تحریم میں ہے: **ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا وصدقت بکلمت ربھا وکتبہ وکانت من القنتین o**: ع (۶۶/۱۲) یعنی ''اور (ایک قابل ستائش عورت جو خدا کی فرمانبردار عورت تھی) مریم بنت عمران تھی جس نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے اس کی شرمگاہ میں اپنی روح پھونک دی (اور بغیر مرد کے نطفے کے اس کے پیٹ میں حمل ٹھہرا دیا) اور وہ وُہ عورت تھی جس نے اپنے پروردگار کے کہے ہوئے کلمات پر (والہانہ) عمل کر کے ان کو سچ کر دکھایا تھا اور وہ انتہائی طور پر اطاعت کرنے والی عورتوں میں تھی۔'' یہاں جو بات قابل غور ہے یہ ہے کہ سورۂ انبیا میں **فنفخت فیھا من روحنا** اور سورۂ تحریم میں **فنفخنا فیہ من روحنا** کے الفاظ

تا کہ وہ خدا سے ملاقات کرنے کا اہل بنے اور کائنات کی آفرینش کا مقصد پورا ہو۔ الغرض علم کی حکومت سے ہی وہ تمام رکاوٹیں انسان کے رستے سے دور ہوسکتی ہیں جن کے باعث وہ اب تک صرف ایک دوسرے کو کاٹ کھانے والا حیوان بنا ہوا ہے، اس کے سامنے صرف ایک دوسرے کے ملک پر قبضہ کر کے کمزور قوموں کو فنا کرنے اور ایک قوم کی عالمگیر حکومت قائم کرنے کے سوا کوئی مقصد نہیں، اُس کی نگہ زمین کے چھوٹے چھوٹے مسائل، مثلاً سفید اور سیاہ رنگ کی قوموں میں باہمی جنگ و جدال یا مذہبی تفریق کے باعث آئے دن کے مقاتلوں یا سرمایہ داری کے ظلم وغیرہ سے ہٹ کر کائنات کے بڑے بڑے مسائل کی طرف نہیں لگتی۔ وہ مقامی الجھنوں میں جو شرمناک طور پر ادنیٰ اور بے نتیجہ ہیں پڑ کر فطرت کے بلند مقاصد کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ اور فطرت کی چیستاں کو آپس میں مل کر حل کرنے سے کوسوں دور ہو رہا ہے۔ بلکہ نسلِ انسانی کو دائمی جہنّم میں ڈال کر اس کے بالآخر ناپید ہو جانے کے اسباب پیدا کر کے انسان کو ذلیل کر رہا ہے۔

ہیں۔ اوّل الذکر میں خدائی روح کو حضرت مریم میں (یعنی ان کے تمام جسم کے اندر) اور مؤخر الذکر میں خدائی روح کو حضرت مریم کی شرمگاہ میں (کیونکہ فرج کا لفظ مذکر ہے اور اسی لئے ہٗ کی مذکر ضمیر استعمال کی گئی ہے) پھونکنے کا ذکر ہے۔ ان سے بڑھ کر قابل توجہ بات فَ کا حرف ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ مریم علیہا السلام نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی اور کسی مَرد کو نزدیک پھٹکنے نہ دیا تھا اس لئے اس مشکل کے علاج کے طور پر خدا نے حضرت عیسیٰ کو اُن کے پیٹ سے بن باپ کے نطفے کے پیدا کرنے کے لئے اپنی روح حضرت مریم کے جسم یا ان کی شرمگاہ میں پھونک دی۔ ادھر چونکہ: **نفخت فیہ من روحی** : ☆(۱۵/۳، ۳۸/۵) کے بعینہٖ یہی الفاظ انسان کی پیدائش کے متعلق بھی استعمال کئے گئے ہیں اور ان کا صریح مفہوم یہ ہے کہ انسان کو اس کا اہل بنا دیا گیا ہے کہ وہ خدا کی خاصیتوں کا حامل ہو کر خدا کا مماثل بنے اور اپنی لازوال اہلیتوں کو اپنی جدّ و جہد اور علم حقائق الاشیا سے اوجِ کمال تک پہنچائے اس لئے **نفخت فیہ من روحی** کے ربّانی عمل سے، جو انسان کی نسل اور مریم علیہا السلام دونوں پر یکساں ہوا، ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے، وہ یہ کہ جس طرح اس روح ربی کو حضرت مریم کے جسم میں پھونک دینے سے وہ مرد کی ہم بستری سے بے نیاز ہو گئی تھیں، اسی طرح انسان بھی اپنے ارتقا کے آخری مرحلوں میں جب کہ وہ خدا کا مماثل بنتا جائیگا، کسی ایسے اعضائی انقلاب کا حامل ہو کر رہے گا جس اعضائی انقلاب کے باعث اس کو حاجت ہی نہ رہے گی کہ وہ اپنی پیدائش مرد اور عورت کی مجامعت سے کرے اور یہ مرحلہ وہ ہوگا کہ وہ نطفہ منی کے رسوا کن طریق پیدائش سے نکل کر کسی ایسے باعزّت طریق پیدائش کی طرف آئے گا جو مریم علیہا السلام کو خدا کے حضور سے ارزانی ہوا تھا!

میری نگاہ میں ایک جلیل القدر اور پاکیزہ عورت کے متعلق ایسے رسوا کن الفاظ کا استعمال کرنا جیسے کہ قرآن حکیم نے کئے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی پیدائش کو باقی تمام انبیا کی پیدائش سے مختلف کر کے ان کو تمام دنیا میں ہمیشہ کے لئے انگشت نما کرا دینا (بلکہ یہودیوں سے طعنے دلوانا کہ معاذ اللہ، حضرت مریم نے زنا کیا ہوگا) بجز اس علّت کے نہیں ہو سکتا کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور رسول خدا صلعم کو آسمانوں تک پہنچا کر یا خدا سے ہمکلام کروا کر انسان کو آسمانوں تک جانے کا اشارہ دینا تھا، اسی طرح حضرت عیسیٰ کو بن باپ کے جنوا کر انسان کو اشارہ اس امر کا دینا تھا کہ انسان کے آئندہ ارتقاؤں کے مرحلوں میں جو **نفخت فیہ من روحی** سے متعلق ہوں گے) ایک مرحلہ ضرور ایسا آنے والا ہے کہ وہ نطفہ منی کی پلید پیدائش سے آزاد ہو کر رہے گا اور اسی ارتقا کے ضمن میں اس کے اعضا کے اندر وہ عظیم الشان انقلاب پیدا ہوگا کہ اس کے یہ تمام ہاتھ پاؤں دل اور جگر، آلات تناسل وغیرہ

روئے زمین کے ہر کمزور یا زور آور ملک میں سرمایہ داری کی حکومت کی بجائے عالمانِ فطرت کی حکومت قائم کرنے سے زمین پر انسانی ترقی کی بالکل نئی شاہراہ کھل جائے گی، اقوام عالم میں صرف چند افراد کے حامل علم ہونے کی بجائے قوموں کی قومیں صحیفہ فطرت کی طرف متوجہ ہوں گی، حقیقت کی طرف جانے کا مشترک بلکہ انقلاب انگیز احساس پیدا ہوگا۔ ملکوں کے **عالم** حکمران اس وقت ایک مستقل برادری ہوں گے جن کا مقصد تمام نسل انسانی کی مجموعی بہبودی ہوگا وہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو کر قوموں کو آپس میں لڑانے کی بجائے قوموں کی تمام اہلیتیں

☆ دونوں جگہ انسان کی پیدائش کے بارے میں فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین ۝ : (۳۸/۵) کے الفاظ ہیں یعنی فرشتوں (یا دوسرے لفظوں میں فطرت کی طاقتوں کو خدا نے کہا کہ جب میں نے انسان کو پیدائش کے (ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک گذار کر) برابر کر لیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی (یعنی وہ میری تمام خاصیتوں کا حامل ہو گیا) تو تم سب طاقتیں اس کی مطیع بن جانا یہ منظر صاف طور پر وہ مرحلہ ہے جبکہ انسان اپنی جد و جہد اور کمال ارتقا سے خدا کا مماثل بن جائے گا۔

الغرض اس کا تمام ڈھانچا اسی طرح بدل کر رہے گا جس طرح کہ سفلی حیوانوں سے کروڑ ہا سالوں میں ترقی کر کے اس کا موجودہ ڈھانچہ قطعی طور پر بدل کر رہا ہے، اور ڈھانچہ آئندہ چل کر ''خدا کے ڈھانچے'' کے لگ بھگ ہوگا جس کا تصور بھی ابھی انسان کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ ایک ایسے قرآن میں جو **فلن تجد لسنة الله تبديلا ٥ ولن تجد لسنة الله تحويلا**: (۵/۳۵) پکار کر کہتا ہے اور کہتا ہے کہ قانونِ خدا میں ہرگز تبدیلی نہیں ہو سکتی اور جس کی تعلیم کی تمام تر بنیاد صحیفہ فطرت ہے، انبیاء کے ''آسمان پر جانے'' اور حضرت عیسیٰؑ کے ''بن باپ'' پیدا ہونے کے یہ چاروں واقعات کھلے طور پر بیان ہونا جو آج خرق عادت اور خلاف فطرت نظر آتے ہیں کسی اور توجیہہ سے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ! فتدبّر۔

میرے نزدیک یہی باعث ہے کہ قرآن حکیم نے اَور جلیل القدر انبیاء کو چھوڑ کر صرف عیسیٰ علیہ السلام اَور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق **انما المسيح عيسى بن مريم رسول الله و كلمته ج القها الى مريم و روح منه**: (۲۳/۴) کے الفاظ استعمال کئے یعنی مسیح عیسیٰؑ جو مریم کا بیٹا تھا (خدا نہیں تھا جیسا کہ تم لوگ اس کے بن باپ پیدا ہونے سے گمان کر رہے ہو بلکہ) وہ صرف خدا کا بھیجا ہوا ایک پیغامبر تھا اور اسی کا ایک ''**كلمته**'' (یعنی فطرت کا ایک اعجوبہ) تھا اور اس ''**كلمة**'' کو خدا نے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور وہ (وُہی) ''روح'' تھا (جو مریم کے جسم میں) خدا میں سے (خود ڈالی گئی) تھی۔ الغرض اس تکلّف اور آورد سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''**روح منه**'' کے انوکھے الفاظ سے یاد کرنا اور پھر تاکید سے کہنا کہ خدا صرف ایک ہے **انما الله الـه واحد**: (۲۳/۴) وہ اس سے بلند تر ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو (جیسا کہ تم خدا کی روح کو مریم کے جسم میں ڈالنے کی وجہ سے سمجھ رہے ہو): **سبحانه ان يكون له ولدم**: (۲۳/۴) یا کہنا کہ مت کہو کہ خدا تین ہیں (وہ تو وہی ایک ہی ہے): **لا تقولوا ثلثة**: (۲۳/۴) الغرض یہ تمام قرآنی اشارات جو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے مخصوص ہیں اور کسی دوسرے نبی کے بارے میں استعمال نہیں کئے گئے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ **نفخت فيه من روحى** کا ربانی عمل انسانی ارتقا کا ایک عظیم الشان مرحلہ ہے جو آج سے ہزاروں یا لاکھوں برس بعد ضرور منصّہ شہود پر آ کر رہے گا۔ اور اسی طرح فطرت کا ایک جز ہوگا جس طرح کہ فطرت کی اَور حقیقتیں آج کل ہیں۔ اگر ہزار ہا مزید سالوں کی جدوجہد کے بعد نسل انسانی صحیفہ فطرت کے علم کے زور سے اسی طرح سمیع و بصیر ہوتی گئی۔ اگر انسان نے آگے چل کر علم فطرت کی بنیادیں فطری طور پر استوار کر لیں اور وہ فی الحقیقت **نفخت فيه من روحى** کا پورا مصداق بنتا گیا تو اس پر ایک مرحلہ ضرور بالضرور آنے والا ہے۔

اس مقصد کی طرف موڑ دیں گے کہ صحیفہ کائنات کو مجموعی طور پر مسخر کر سکیں۔ وہ تمام نسل انسانی میں علم وخبر کا ہیجان پیدا کر کے قوموں کو اجماعی طور پر **نبوّت** کی طرف لے جائیں گے تاکہ افراد کی جگہ **اقوام کی نبوت** پیدا ہو (اور تمام نسل انسانی کے مجموعی جہنّم سے بچنے کی کوئی صورت پیدا ہو۔ دیکھو (۲۶) (صفحہ ۱۹)۔ پھر اقوام کی مجموعی نبوّت سے نسل انسانی میں اُسی طرح کے اعضائی انقلاب کی علامتیں پیدا ہوں جس طرح کہ انبیائے کے بدنوں میں خاص خاص موقعوں پر پیدا ہوگئی تھیں جن کے باعث وہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح زمین وآسمان کی تمام ملکوت کو بہ چشم خود دیکھنے، حضرت موسیٰ کی طرح فاطر زمین وآسمان سے ملاقات کر کے ہم کلام ہونے اور رسول خدا صلعم کی طرح ''آسمانوں پر جا کر'' خدا سے بقدر دو کمان قریب

کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح بن باپ کے پیدا ہوا کرے گا۔اس مرحلہ پر آ کر مرد اور عورت کی تفریق ختم ہو جائے گی (جیسا کہ ابتدائی قسم کے خورد بینی حیوانات میں آفرینش کے ابتدائی مراحل میں تھی)☆ وہ اس وقت آسمانوں کے لاتعداد کروں تک دوڑ لگانے کے قابل ہوگا۔ یہ ہاتھ، یہ پاؤں، یہ دل، یہ جگر، یہ گردے، یہ ذہن کان آنکھ سب کے سب کسی ایسے مناسب تر اعضا میں تبدیل ہو جائیں گے جو اس کو موجودہ گوشت پوست والے انسانوں سے بالکل مختلف پیدائش (یعنی **خلقاً آخر** ☆☆) کا ''انسان'' بنا دیں گے اور اس زمین پر بلکہ اس تمام کائنات میں کسی ایسی **خلق جدید** کا ظہور ہوگا جو اپنی خاصیات میں خدا کا مماثل ہوتا کہ کسی ایک آخری مرحلہ پر فاطر زمین و آسمان تعالیٰ اس سے مساویانہ سطح پر ملاقات کرنے کے لئے تیار ہو جائے!

۱۱۔مسئلہ ملاقات ربّ اور انجام کائنات

(۵۱) الغرض بنی نوع انسان کی **نبوت** کے اس مرحلے پر جو بیان ہوا انسان کا کسی انتہائی طور پر اعلیٰ مخلوق میں منتقل ہو جانا اٹل ہے۔ یہ منزل بہت **ممکن** ہے کہ ''نیم جسمانی'' اور نیم ''روحانی'' یا صرف ''روح'' کی منزل ہو۔ بہت **ممکن** ہے کہ ارتقا کی آخری منزلوں میں جسم کی پلیدی انسان سے قطعی طور پر علیحدہ ہو چکی ہو اور انسان میں مرد اور عورت کی تمیز بالکل غائب ہو جائے انسان صرف روح کا ایک مضغہ رہ جائے جو زمین سے کروڑوں میل دور اپنی نئی **سمع و بصر** سے اسرار خدا کی تلاش میں محو ہو، اس کو **معرفتِ خدا** بڑی حد تک ہو چکی ہو، ایک بھید کے بعد دوسرا بھید یک بیک کھلتا جائے، روز بروز صحیفہ فطرت کے عظیم الشان اسرار اس طور پر اس نئی مخلوق پر کھلیں کہ **خدا کی پہچان** میں ادنیٰ کسر باقی نہ رہے اور معاذ اللہ خدا خود ''حیران'' ہو جائے کہ یہ ''ظالم'' انسان کہاں تک پہنچ گیا! اور جب **فاطر السموات والارض** تعالیٰ کی یہ حیرانی تحسین و آفرین میں بدل جائے تو انسان کا یہ روحانی ڈھانچہ خدا کی روح سے کچھ اس طرح ''ملاقی'' ہو کہ کائنات کے ایک گوشے سے لے کر دوسرے گوشے تک ایک **تہلکہ انگیز زلزلہ** پیدا ہو جائے جس زلزلے میں یہ تمام کائنات اس بنا پر ختم ہو کہ موجودات کی پیدائش کا مقصد ختم ہو چکا اور انسان کی روح اپنے پیدا کرنے والے خدا سے مل کر ایک ہو گئی! خدائے (اللہ تعالیٰ) عالمیان کی حضرت موسیٰؑ سے کوہ طور پر ملاقات کا ایک منظر قرآن عظیم نے حسب ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آفرینش کے آخری مرحلوں میں یہ **ملاقات** حضرت انسان کی خدا سے ہوگئی تو اس کائنات پر کیا انقلاب اور کیا تباہی ہو کر رہے گی سورۂ اعراف میں ہے:

فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا و خر موسیٰ صعقاo: (۷/۱۷)

ہو جانے کے اہل بن گئے تھے۔ انسان کے موجودہ اعضا اگر کسی بہتر اعضا کی طرف ارتقا کر کے موجودہ انسان کو اس سے بھی بہتر مخلوق بنا سکتے ہیں تو یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ نہ صرف چند **عالم** افراد (جو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں) بلکہ نسل انسانی کا اکثر حصّہ اس انتہائی بصیرت اور نبوت میں لگ جائے جس میں کہ انبیاء لگے تھے۔ تمام نسل انسانی کے سامنے صحیفہ فطرت ایک ایسی واحد حقیقت عیاں طور پر نظر آئے جس حقیقت تک جلد از جلد پہنچنے کیلئے ان کی آنکھیں، ان کے کان، ان کے ذہن دن رات لگے ہوں، نسل انسانی پر بہ حیثیت مجموعی خدا کی معرفت اور دریافت کے بارے میں وہی کیفیت طاری ہو جو انبیاء کرام پر طاری ہوا کرتی تھی۔ وہ دھوکہ اور فریب، ظلم اور قتل، بربادی اور ویرانی کی بجائے حقیقت اور سچائی

☆ نہایت ادنیٰ درجے کے خوردبینی حیوانات میں نر اور مادہ کی تمیز نہیں ایک ہی شکل کے دو جرثومے آپس میں مل جاتے ہیں اور چار بن جاتے ہیں **ثم رددنه اسفل السافلین:** (۹۵/۱) کا اشارہ میری دانست میں انسان کے اسی آخری ارتقا کی طرف ہے۔

☆☆ قران میں ہے **ثم انشاناة خلقا آخر** :(۱/۳) یعنی پھر انسان کو دوسری پیدائش کی ابتدا کر دیں گے۔ دوسری جگہ ہے **یات بآخرین**: (۱۹/۴) یعنی انسان کی جگہ خدا دوسری مخلوق لائے گا۔ تیسری جگہ ہے۔ **اذا شئنا بدلنا امثالهم تبدیلا**: (۷۶/۳) یعنی ان کی جگہ دوسرے انسان بدل دیں گے۔ چوتھی جگہ ہے **یات بخلق جدید**: (۳۵/۳) یعنی اس کی جگہ نئی (اور زیادہ ترقی یافتہ) پیدائش لائیں گے۔ دیکھو (۱۱۰) لٹا د نیز ہ و صفحہ ۵۹،۵۸

ترجمہ: تو جب پروردگارِ عالم نے اپنا جلوہ پہاڑ پر دکھلایا تو اس پہاڑ کے پرزے اُڑ گئے اور موسیٰؑ لڑکھڑا کر گر پڑا!

۱۲۔انجام کائنات کی طرف اقدام اور انسان کا آئندہ عمل!

(۵۲) انجام کائنات کے متعلق میرے یہ وہ حسابی نظریات ہیں جو قرانِ حکیم کے گہرے مطالعے اور کائناتِ فطرت پر مجموعی غور وفکر کے بعد مجھے ارزانی ہوئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ نظریات وہ ہیں جن پر انسان کی آئندہ ترقی کی تمام بنیاد ہے۔ان نظریات کو منطقی طور پر صحیح سمجھنے اور ملاقاتِ رب کا سچا ولولہ پیدا کرنے کے بغیر نسلِ انسانی تقدم اور ترقی کی کسی بڑی منزل تک ہرگز نہیں پہنچ سکتی!

بنی نوع انسان کا فرض ہے کہ قرانِ حکیم کی اس تعلیم سے سبق لے اور ابھی کہ وقت ہے سمجھ لے کہ بہ حیثیت مجموعی انسان کا اس کائنات کے بارے میں کیا فرض ہے۔

اس وقت لازمی ہے کہ روئے زمین کے ہر ملک میں وہ مردانِ حق پیدا ہو جائیں جو جمہوریت کے موجودہ مکروفریب کو بدل کر **اکثریت کی حکومت** آبادی کے تناسب سے قائم کریں۔**غریب طبقے کی حکومت قائم** کرنے کے بعد حاکم ہونے کا معیار **علم** اور **جسم** قائم کریں۔**علم** کی حکومت قائم کرنے کے بعد اتحادِ عالم کے مسئلے کی طرف رجوع کریں، تمام نسلی، مذہبی وجاہتی جغرافیائی تفریق کو خیرباد کہہ کر ساکنانِ زمین کا منتہا بنی نوع انسان میں اتحاد اور صحیفہ فطرت کی مکمل تفتیش و تلاش قائم کریں صاف لفظوں میں اعلان کر دیں کہ اس کائنات میں صحیفہ فطرت کے ماسوا کوئی حقیقت نہیں اور اس حقیقت کی تہہ تک پہنچنا انسان کا واحد فرض ہے اس تفتیش و تلاش کے منتہا کو نتیجہ خیز کرنے کے لئے موجودہ ناقص علم، کی نئی بنیادیں قائم کریں۔صحیفہ فطرت کے عالموں کا ایک، مستقل گروہ علم کے نئے بنیادی ارکان وضع کرے، صحیفہ فطرت کو صحیح بنیادوں پر تلاش کرنے کے لئے صحیفہ فطرت کی پیمائش اور دریافت کی نئی اکائیاں وضع کی جائیں **علــــم** کا رخ اکثر اس طرف ہو کہ دریافت کیا جائے کہ زندگی کیا ہے، زمین سے باہر کی سرزمینوں کی تسخیر کیونکر ہوسکتی ہے۔ بنی نوع انسان کی صحیفہ فطرت کی دریافت کے متعلق ذمہ داریاں انسان کو سمجھائی جائیں اور انسان کے قلب میں اس امر کا سچا اور روحانی احساس پیدا کیا جائے، کہ صحیفہ فطرت کی چیستان کو حل کرنے سے ہی فاطر زمین و آسمان سے ملاقات ہوسکتی ہے اور یہی سب سے بڑی ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کا تمام تر بوجھ انسان پر ہے۔

سرمایہ داری، حیوانیت، درندہ پن اور ذہنی جہالت کا جو دَور اس وقت بنی نوع انسان پر گزر رہا ہے، وہ

تک پہنچنے کی دُھن میں لگی ہو۔اس کے سامنے کائنات کا یہ حیرت انگیز منظر کسی منار کی طرح روشن ہو جس منار تک پہنچنے کے ہزاروں اور لاکھوں جانیں روزانہ اُسی طرح قربان ہوتی جائیں جس طرح کہ آج کوہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر پہنچنے کے لئے علمائے فطرت کی جانیں قربانی ہوتی ہیں۔ الغرض زمین کے موجودہ خطرناک مسئلوں کا حل، جن کے نہ حل ہونے سے یقینی طور پر جہنم اور نسل انسانی کا بالآخر منقطع ہو کر ہلاک ہو جانا لازمی ہے، ازروئے قران یہ ہے کہ ہر ملک میں **علم کی حکومت قائم کی جائے**۔نسل انسانی چونکہ آج کل ''جمہوریت'' کے طلسم میں پھنسی ہے اور اسی جمہوریت کے فریب کے باعث جو سرمایہ داری نے زمین پر پھیلا دیا ہے، بے مثال دُکھ اٹھا رہی ہے، اس لئے ہر ملک اور قوم میں عام

سیاہ دَور ہے جس میں نسلِ انسانی ماسوا اس کے کہ وہ اپنے آپ کو دُکھ اور بربادی کے جہنّم میں لبالب جھونک دے، کسی اَور مآل تک نہیں پہنچ سکتی۔ اگر یہ ہوا تو ممکن ہے کہ بنی نوع انسان، من حیث النوع، تمام کی تمام مٹ جائے اور فاطر زمین وآسمان کی مشیّت، اس لئے کہ کائنات کا راز انسان سے کُھل نہ سکا اور وہ اس عظیم الشان امتحان میں ناکام ہو گیا، کسی نئی مخلوق کو اس زمین پر لا کر بسا دے جو انسان سے بہتر، زیادہ ہوش مند، زیادہ معاملہ فہم اور اس کائنات کو زیادہ سمجھنے والی ہو۔ اس قطع کی دھمکی قران حکیم میں چودہ سو برس پہلے سے موجود ہے:۔

یـاایها الناس انتم الفقرآء الی الله ج و الـله هو الغنی الحمیدo ان یشایذهبکم ویات بخلق جدیدo ج وما ذالک علی الله بعزیز o: (۳/۳۵)

اے انسانو! تم (ہر حالت میں) فاطر زمین وآسمان کے محتاج ہو اور اللہ تو بالکل بے نیاز اور سزاوارِ حمد ہے۔ وہ اگر مناسب سمجھے گا تو تم سب کو اُچک لے جائے گا اور کسی نئی (اور ترقی یافتہ پیدائش کو لا بسائے گا اور (یاد رکھو کہ) یہ (تبدیلی پیدا کرنا) اس کیلئے کچھ مشکل نہیں۔

۱۹ اگست ۱۹۵۳ء بوقت گیارہ بجے دن

عنایت اللہ خان المشرقی

ہیجان پیدا کر دیا جائے کہ جمہوریّت کے معنی سرمایہ داری کا عروج نہیں بلکہ اُس طبقے کی حکومت ہے جو اکثریّت میں ہے اور چونکہ ہر ملک اور قوم میں غریب اکثریّت ہیں، اس لئے **جمہوریت کے صحیح معنی صرف غریب کی حکومت ہے** غریب کی حکومت ہر ملک میں قائم کرنے کے لئے لازمی ہے کہ **غریب کا حلقہ امیر سے الگ** ہوتا کہ سرمایہ دار غریب کے ووٹ کو خرید نہ سکے اور چونکہ غریب کے حلقے میں **عالمان فطرت** (جن کی ماہانہ آمدنی عموماً تین چار سو روپیہ سے زیادہ نہیں ہوتی) شامل ہیں اس لئے **جمہوریت کا لازمی نتیجہ عالم کی حکومت** ہے۔ الغرض قران حکیم کی تعلیم موجودہ دُکھی دنیا کے لئے وہ نورِ ہدایت ہے جو زمین کے سب ناقابل حل مسئلوں کو قطعی طور پر حل کر کے کائنات کی پیدائش کے آخری مقصد تک اس تیز رفتاری سے لے جا سکتی ہے کہ کوئی دوسرا ارضی قانون اس تیز رفتاری سے لیجا نہیں سکتا۔ مسلمانوں میں اگر یہ تعلیم اس نئے نقطۂ نظر سے رائج ہو کر **قرآن حکیم کے نئے مبلّغ** دنیا کے طول وعرض میں پیدا کر گئی تو کچھ عجب نہیں کہ دین اسلام اگلے پچاس (۵۰) برس میں ہی پھر دنیا پر غالب آجائے اور لیظهره علی الدین کله کا نصب العین مسلمانوں کو ایک بار پھر حاصل ہو جائے۔ **قرآن کو اگر دنیا میں پھر زندہ کرنا ہے** تو آج اس تنور اور تقدّم کے زمانے میں دنیا کسی اَور طریقے سے قرآن کو سننے کیلئے تیار نہیں۔ نہ دین اسلام کسی اور طریقے سے زندہ ہو کر عالمگیر ہو سکتا ہے۔ فقط ۲۵ اگست ۱۹۵۳ء

عنایت اللہ خان المشرقی

قرآن کو سمجھنے کیلئے بلندئ نگاہ کیا ہو!

کسی کتاب کے مفہوم کو جو مصنّف کے ذہن میں ہے سمجھنے کیلئے اُسکے مصنف کی حیثیت کو پیش نظر رکھنا بھی لازمی ہے، قرآن اگر اُس بیمثال وجود کا کلام ہے جس نے آسمان کے کروڑ در کروڑ ستاروں اور سیّاروں کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس زمین کو بھی پیدا کیا اور یہ کلام اس وسیع زمین کے ایک چھوٹے سے وجود یعنی انسان کو اس ناپیدا کنار مخلوق میں راہ دکھلانے کے لئے ہے تو لازمی ہے کہ اس کلام میں اس حد تک بڑائی ہو کہ اُس کا تصوّر بھی انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ یہ بڑائی ظاہر ہے کہ سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک کہ انسانی نگاہ بھی کافی وسیع اور بلند نہ ہو، انسان کی بلندئ نگاہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو سمجھتے وقت تمام کائنات (بلکہ اسکی پچھلی داستان کو جب سے وہ پیدا ہوئی) آنکھوں کے سامنے رکھے، قرآن کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لئے اپنے آپ کو آسمان کے **اُفق اعلیٰ تک بلند کرے** اور پھر وہاں کھڑا ہو کر سمجھنے کی کوشش کرے کہ قرآن نے کیا کہا۔

مثلاً **ان فی السموات والارض لآیات للمومنین ٥:** (۴۵/۱۰) سات الفاظ کی ایک چھوٹی سی آیت قرآن میں ہے جس میں دو (۲) تاکیدی الفاظ اِنَّ یعنی (درحقیقت) اور لَ یعنی (ضرور) کے ہیں اور ترجمہ یہ ہے کہ ''بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان رکھنے والوں کے لئے ضرور بہت سے اشارے ہیں۔'' پست نظر انسان کی نگاہ جس نے آسمانوں اور زمین کو غور سے دیکھا ہی نہیں کہ یہ کارخانہ کیا ہے، ان دو تاکیدی الفاظ کے باوجود اس آیت کی اہمیّت کو نہ سمجھے گی کہ قرآن نے انسان کو کیا کہا۔ **''ایمان والوں''** پر کیا فرض عائد کیا۔ ''آیات'' کا لفظ کہہ کر کیا مفہوم سمجھایا، اور ان آیات کو پڑھنے کے بعد بغیر کسی تعجّب کے، بغیر کسی حرکت اور ولولے کے، بغیر کسی ارادہ بنانے یا عمل کی راہ تیار کرنے کے، وہ اس کو ایک بے معنی سی بات سمجھ کر گذر جائیگا اور اس آیت کا کوئی ''غم'' ذہن میں نہ رکھے گا۔ حالانکہ یہ سات لفظ تیرہ سو ستّر برس ہوئے اُس فاطر زمین و آسمان نے کروڑوں اور اربوں برس کی مدّت کے بعد، نہیں، لاکھوں اور کروڑوں برس کی محنت کے بعد ہوش اور سمجھ والے انسان کو پیدا کر کے پہلی دفعہ اس کو یہ سمجھانے کے لئے کہے ہیں کہ ''دیکھو اس وقت تک تو کوئی دوسری مخلوق ان میرے الفاظ کو اگر میں کہہ بھی دیتا، سمجھنے کی اہل نہ تھی کیونکہ ذہن ہی نہ رکھتی تھی لیکن اب تم انسانوں کو آخری پیغمبر کے ذریعے سے کہتا ہوں کہ تم کافی سوچ اور سمجھ والے بن چکے ہو، مَیں نے ان کروڑوں ستاروں اور سیّاروں اور زمین کی ہر شے میں جو میں نے بنائی ہے اُن انسانوں کے لئے جنہیں یقین ہے کہ میں نے کوئی شے بے مطلب نہیں بنائی اور جو اُن کے مفید ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، لاانتہا فائدے نسل انسانی کی بہتری اور بہبودی کیلئے

رکھے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھا کر اپنا آئندہ مقام حاصل کرے۔ گویا یہ تمام سلسلہ **کائنات ہی تم سمجھدار انسانوں کے لئے بنایا ہے!**

اس طرح کی یا بلند نگاہ سے کہی ہوئی اور صدہا آیتیں قرآن میں ملیںگی، بڑی شخصیت کا کلام ہونے کی وجہ سے کئی جگہ ایک آیت کا تعلق ساتھ کی آیت سے واضح نہیں ہوتا۔ کئی جگہ ذہن پریشان ہوتا ہے کہ بات کیا مُلانوں والی کہدی، کئی جگہ تمام سورت پڑھ لینے کے بعد بھی کسی نتیجے پر پہنچا نہیں جا سکتا، قرآن میں کئی جگہ ایک آیت کے ایک حصّے کا ربط اس کے دوسرے حصّے سے نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اس لئے کہ اتنی بڑی شخصیّت کے مصنّف کے شایان شان نہیں کہ وہ انسان کو بچوں کی طرح سمجھائے۔ انسان میں خود وہ ذہن موجود ہے کہ وہ اس تمام کائنات کو حیثیت مجموعی سمجھ کر مالک زمین وآسمان کے کلام کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ یہی مشکل صحیفہ فطرت میں ہے، ہزاروں برس کی تحقیق وتلاش کے بعد اب انسان کے آگ، یا تیل سے چلنے کا انجن یا بڑی ہلاکت پیدا کرنے والا ایٹم بم بنایا ہے، اور ابھی نہ جانے آگے چل کر اَور کیا بنائیگا۔

پس قرآن سے صحیح نتائج اخذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ (۱) ہر آیت کے متعلق اس کے مفہوم سمجھنے کا زاویۂ نگاہ بلند ہو (۲) قرآن کے الفاظ کو اُن کے اُس وقت کے مفہوم اور معنوں میں دیکھا جائے جب کہ قرآن نازل ہوا تھا، جو معنی اب رسم ورواج کے باعث ''مُلاّئی'' بن چکے ہیں نہ لئے جائیں (۳) کسی لفظ کے معنی کی شرح خود قرآن سے لی جائے اِلا یہ کہ وہ لفظ کسی دوسری جگہ موجود نہ ہو اور اُس صورت میں مجبوراً لُغت سے کام لیا جا سکتا ہے (۴) مختلف جگہوں پر ایک ہی مضمون کی آیتوں کو سامنے رکھ کر اور مقابلہ کر کے مفہوم تلاش کیا جائے۔ (۵) قرآن کے ہر حصّے کو یکساں طور پر ضروری اور واجب العمل سمجھا جائے خواہ وہ سردست سمجھ میں آئے یا نہ آئے (۶) اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ سینکڑوں یا ہزاروں برس کے واقعات کو چند لفظوں میں بیان کرنے میں، یا پوری کائنات کی کسی حقیقت کو ایک قاعدے کے تحت لانے میں کس قدر دقّت ہے اور اُن چند لفظوں سے ہی پوری حقیقت پر حاوی ہونے کی سعی کی جائے (۷) سب سے ضروری یہ امر کہ یقین اس بات کا ہو کہ قرآن کے الفاظ زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے خدا کے الفاظ ہیں، اس لئے اگر اُن کا صحیح مفہوم معلوم ہو گیا تو بنی نوع انسان کے لئے مفید ہوگا، (۸) قرآن کو غرض صرف رسمی مسلمانوں سے نہیں سب نوع انسان سے ہے (۹) اگر قرآن کہتا ہے کہ زمین کے وارث صالح لوگ ہیں تو جو قومیں زمین کی اس وقت وارث ہیں اسی نسبت سے جس قدر وہ وارث ہیں صالح ہیں یا اگر قران کہتا ہے کہ کافر کو ہمیشہ شکست اور مومن کو ہمیشہ فتح ہے تو جس قوم کو شکست مل رہی ہے وہ کافر اور جس کو فتح ہو رہی ہے وہ اسی نسبت سے مومن ہے، گویا قرآن کا تعلق صرف مسلمانوں کی موجودہ مِلّت سے نہیں، سب سے ہے اور سب قرآن کی مخاطب ہیں۔

ان تصریحات کے بعد جو باتیں قرآن کے متعلق سمجھنے والی ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) قرآن کوئی ''مذہبی'' کتاب مسلمانوں کی نہیں جس سے انسانوں کے اُس فرقہ کے مذہبی نشان اور شعائر (مثلاً ڈاڑھی رکھنا یا تہمد پہننا یا تسبیح

ہاتھ میں رکھنا وغیرہ وغیرہ) معلوم ہوتے ہیں جس کا نام ''مسلمان'' ہے بلکہ وہ تمام بنی نوع انسان کیلئے خدا کا قانون ہے۔ قرآن انکار کرتا ہے کہ ابراہیم یہودی تھا یا نصرانی بلکہ وہ خالص ''مسلم'' تھا یعنی خدا کے حکموں کو ماننے والا) اسی طرح قرآن میں مُسلم وہ قوم ہے جو حکموں کو عملاً مانتی ہے عقیدۃً قرآن کو ماننے والی قوم قرآن کے نزدیک کچھ نہیں، پیغمبر کوئی فرقہ بنانے نہ آئے تھے، نہ رسُول خدا صلعم نے کوئی گروہ ''مسلمان'' بنایا۔

(۲) قرآن میں کئی جگہ لقوم یعملون، لقوم یتقون، لقوم یسمعون، لقوم یومنون وغیرہ وغیرہ، کے الفاظ ہیں اس لئے قرآن کا خطاب انسان کی ہر اُس قوم کی طرف ہے جو عمل کرے، علم حاصل کرے، ڈرے، سُنے، ایمان لائے وغیرہ وغیرہ، مسلمان قوم کی کوئی تخصیص نہیں (۳) قرآن میں آدم کی کہانیاں کسی حضرت آدم کی کہانیاں نہیں بلکہ نوع انسان کے متعلق انسان کا اس دنیا میں مقام ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا کہ پہلے صرف ایک مرد اور ایک عورت پیدا ہوئی اور اس سے نسل پھیلی۔ زمین کی پچھلی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ ادنیٰ حیوانوں کی نسلیں لاکھوں برسوں میں آہستہ آہستہ چڑھتے چڑھتے انسان کی ہم شکل بن گئیں، پہلے انسان بڑے وحشی تھے پھر آہستہ آہستہ مہذب ہوتے گئے، پھر اکٹھے رہنے لگے پھر جوں جوں سمجھ آتی گئی ان میں رحم، ہمدردی، انصاف، دیانت، نیکی وغیرہ وغیرہ کی خصلتیں آتی گئیں، قرآن میں آدم کا ذکر تمثیلی معنوں میں ہے، ممکن ہے لاکھوں برس بعد کوئی حضرت آدم علیہ السلام بھی ہوئے ہوں لیکن اس وقت انسانی نسل مکمّل ہو چکی تھی۔ (۴) شیطان اور فرشتوں کا ذکر قرآن میں بطور خدائی قوتوں کے ہے جو خدا کے حکموں کی تعمیل اُسی طرح کرتی ہیں جس طرح سورج، چاند، ستارے وغیرہ یا درخت، حیوان، جمادات وغیرہ لیکن وہ صرف قوتیں ہیں، انسان ان سے بہت اعلیٰ تر پیدائش ہے (۵) انبیا علیہم السلام کے قصّے نہایت مختصر اور مُغلق ہیں انکو سمجھنا آسان نہیں (٦) چھوٹی چھوٹی سورتیں جو اکثر قرآن کے اخیر میں ہیں نہایت پیچیدہ معانی رکھتی ہیں انکی تہہ تک پہنچنا آسان نہیں (۷) قیامت، آخرت، عاقبت، وغیرہ کے الفاظ کے معانی قرآن حکیم میں اُن سے بالکل مختلف ہیں جو لوگوں نے رواج دیئے ہیں (۸) قرآن کی کوئی ایک سورۃ مکمل مضمون ہے اور رکوع اس کے وہ وقفے ہیں جہاں سے نیا مضمون شروع ہوتا ہے، لازم ہے کہ ایک سورۃ کے اندر کوئی مستقل سبق ہو اور اس کا استدلال مربوط ہو۔ (۹) اگر کسی جگہ قرآن کی ایک آیت کا بعد کی آیتوں سے ربط پورے طور پر نہیں بیٹھتا تو مطالب کے سمجھنے میں خرابی ہے، قرآن کا نقص نہیں۔ (۱۰) ہر لفظ یا اصطلاح کا پورا مفہوم قرآن میں موجود ہے اور مختلف جگہوں پر اُس لفظ یا اصطلاح کے واقع ہونے والی آیتوں کا مقابلہ کر کے پورا مفہوم معلوم ہوتا ہے،

آخری بات جو قرآن کے متعلق ذہن میں رکھنے والی ہے یہ ہے کہ کروڑوں اور اربوں سال کی کامل خامشی کے بعد مہذب (یعنی متمدّن) اور کافی طور پر ترقی یافتہ انسان کے ساتھ فاطر زمین و آسمان (اللہ تعالیٰ) کی پہلی علمی بات قرآن ہے اور یہی خدا کی آخری بات بھی ہے (جواب تک پچھلی تیرہ سوستّر برس کی تاریخ سے ثابت ہے)۔ ایسی آخری بات میں لازم تھا کہ خدا اپنی کروڑوں اور اربوں سال کی مدّت میں بنائی ہوئی فطرت کا بڑے شد و مد سے ذکر کرتا، انسان کو کہتا کہ دیکھو یہ میرا واحد کارنامہ ہے، پہلے انبیاؤں کے وقت میں تو انسان کا ذہن اتنا ترقی یافتہ نہ تھا کہ فطرت کے متعلق میری پوری بات سمجھ سکتا، اب میں پوری بات بتا کر تم سے رخصت ہوتا ہوں کہ اس کارخانہ فطرت کا ایک ایک ذرّہ اور گوشہ تلاش کر مارو، اسی کے اندر سب کچھ ہے اسی کے اندر تمہاری نجات ہے، میں نے اسی لئے کہ کوئی مخلوق میری حیرت انگیز صحیفہ فطرت کو سمجھ کر میری بڑائی کو پہچانے، انسان کو پیدا کیا اور یہی آفرینش کا منشا ہے! چنانچہ اسی واسطے اس آخری کتاب میں اس شدّ و مد سے صحیفہ فطرت کا ذکر ہے۔

المشرقی رح

۱۹ اگست ۱۹۵۴ء

صلائے عام بہ ساکنانِ زمین!

دُنیا کے ہوشمند انسانوں کو خطاب!

۱۔ ہوشمند انسانوں کو جو روئے زمین کے انسانی مسائل کو بلند نظر سے دیکھنے کے لئے تیار ہیں پہلا مسئلہ جو حیران کر دیتا ہے حسب ذیل ہے:۔

اربوں اور کھربوں میل کی دوریوں تک آسمانی فضا میں لاتعداد کُرے موجود ہیں جن کے متعلق انتہائی کاوش کے بعد بھی اب تک انسان کو معلوم نہیں ہوسکا کہ ان میں کوئی جاندار آبادی موجود ہے یا نہیں۔ یا اگر ہے تو وہ اعضائی لحاظ سے انسان سے بہتر ہے یا کمتر۔ عقل باور نہیں کرتی کہ یہ سب ارب در ارب کُرے جو زمین سے کروڑ ہا گنے بڑے ہیں ویران پڑے ہوں، کیا فطرت اس لا متناہی حد تک فضول خرچ ہے کہ صرف اس زمین پر فطرت کو سمجھنے والی مخلوق یعنی انسان پیدا کیا ہو اور ذی ہوش مخلوق کسی اَور جگہ نہ ہو، فطرت نے اگر ان میں انسان سے بہتر کوئی مخلوق پیدا نہ کی تو تعجب ہے اور اگر پیدا کی ہے تو وہ مخلوق کیا کر رہی ہے، کن اعضا سے مرتب ہے کن احوال میں زندہ ہے، اس مخلوق کا ہم انسانوں سے کوئی ربط ضبط اب تک کیوں پیدا نہیں ہوا اور چونکہ پیدا نہیں ہوا اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ وہ مخلوق انسان سے ذہن میں برابر یا کمتر ہے اور اس بنا پر صرف انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور اس کے ذمّہ اہم ترین فرض ہے کہ اس تمام لا متناہی مخلوق کو دریافت بلکہ مسخّر کرے لیکن حال یہ ہے کہ وہ ابھی صرف زمین ہی کی مخلوق کا کروڑواں حصّہ مسخّر نہیں کر سکا، نزدیک سے نزدیک ستارے کو مسخر کرنا تو در کنار رہا!

چند ارب انسانوں کا اس زمین پر وجود صحیفۂ فطرت کی بیکراں پہنائی کے مقابلے میں بہ منزلہ صفر کے ہے۔ کیا یہ چھوٹی سی ایک نقطہ سے بھی کم آبادی کبھی نہ کبھی تمام صحیفہ فطرت کو مسخّر کرلے گی؟ وہم میں نہیں آتا لیکن اگر اَور کوئی مخلوق انسان سے بہتر کسی جگہ نہیں تو صحیفہ فطرت کو مسخّر کرنا صرف انسان کا کام ہے اور اگر ہوش مند مخلوق کے ذریعہ سے فطرت کو دریافت اور مسخر کرنا فاطر زمین و آسمان کا منشا نہیں ہے تو پھر اس نے یہ عظیم الشان کارخانہ کیوں پیدا کیا؟ یہ بھی باور نہیں آتا کہ یہ تمام حیرت انگیز اور مفید کائنات بے مطلب پیدا کی گئی ہے!

ادھر انسان کی یہ حالت ہے کہ کروڑ در کروڑ انسان اپنی اپنی کشمکش حیات میں لگے ہیں، ان کو صحیفہ فطرت کو دیکھ کر کچھ تعجب نہیں ہوتا، ان کو فرض کا احساس تو الگ یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے ذمّے کوئی فرض ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں میں سے صرف چند ہیں جو صحیفہ فطرت کی طرف انسانی مفاد کی خاطر لگے ہیں۔ ان چند میں سے لاکھوں اب تک اسی جستجو میں اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے باوجود کسی بڑی منزل تک نہیں پہنچے، چند گھومنے والی مشینیں بنا سکے ہیں جو کچھ تیز حرکت کرسکتی ہیں، لیکن صحیفہ فطرت کے کُروں کی حرکت کے مقابلے میں یہ حرکت کچھ شے نہیں، یہ لوگ چند میل سے زیادہ اوپر نہیں جا سکتے، چند ہزار میل سے زیادہ دُور کی آواز سن نہیں سکتے، دُوربین کے ذریعے کروڑوں میل تک کچھ نہ کچھ دیکھ سکتے ہیں لیکن یہ فاصلے بھی صحیفۂ فطرت کے فاصلوں کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتے، الغرض صرف چند لوگ بصیرت رکھتے ہیں باقی تمام مخلوق انسانوں کی اندھی بہری اور گونگی ہے۔

اُدھر انسان کی ایک اَور حالت یہ ہے کہ مذہب، نسل، رنگ، قومیّت، خواجگی، غلامی، سرمایہ داری، مزدوری، تعصّب، عصبیت، جمہوریّت، اشترا کیّت وغیرہ وغیرہ کے لا متناہی جھگڑوں میں پھنسا ہے، جب سے اس کا ظہور اس زمین پر ہوا لاتعداد جنگیں، بے انتہا فساد اس زمین پر برپا ہیں۔ قوم سے قوم الگ ہے اور کوئی صورت انسان کے ایک اُمّت بن جانے کی نظر نہیں آتی تا کہ صحیفہ فطرت کو اپنی مجموعی قوت سے ہی فتح کر سکے جو وحشت اور درندگی انسان میں ہے خدا کی کسی اَور مخلوق میں ہرگز نہیں اور تمام صحیفہ فطرت میں صرف انسان ہی ایک وجود ہے جو ایک جنس کا ہو کر آپس میں برسرِ پیکار ہے، فساد کا سب سے بڑا محّرک اب بھی مذہب ہی ہے جو انسان کو ایک وحدت میں پرونے نہیں دیتا، دوسرے محّرک بھی ہزاروں ہیں جو انسانی اُمّت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسکی اجتماعی قوّت کو ضائع کر رہے ہیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ جو ہوش مند انسان کے لئے تعجب خیز ہے حسب ذیل ہے۔

کشمکش حیات جس میں انسان مبتلا ہے زیادہ تر انسان کی آپس کی جنگوں کی وجہ سے ہے، صحیفہ فطرت سے براہ راست جنگ کی وجہ سے نہیں، روئے زمین پر اب بھی انسانی خوراک اور ضروریات کے وسائل اس قدر کثرت سے ہیں کہ اگر سب انسان مل جل کر زمین کے خزانوں کو مسخّر کریں اور ایک قوم دوسری قوم کو کمزور اور مغلوب کر کے اس کو ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرے تو موجودہ آبادی سے دس پچاس یا ہزار گنا آبادی بھی ایک معتدل معیار زندگی قائم رکھ سکتی ہے اگر ایک قوم (مثلاً امریکہ یا روس کی قوم جنکی آبادی بہ مشکل ۲۵ کروڑ ہے) دنیا میں باقی سب قوموں پر غالب آ گئی تو بالآخر زر و آور قوم کے دست تظلّم کی وجہ سے زمین کی آبادی اور کم ہو جائیگی اور غالب قوم کی کشمکش حیات بھی اسی تناسب سے کم۔ ایسی حالت میں غالب قوم کو اپنی چھوٹی سی آبادی کو زندہ رکھنے کیلئے زیادہ آسانیاں ہو جائینگی اور وہ غالب قوم بالآخر کاہل ہو کر ہلاکت کے نزدیک خود بخود آ پہونچے گی۔

تقاضائے فطرت یہ ہے کہ کسی جنس کی کشمکش حیات کثرت آبادی کی وجہ سے مجموعی طور پر اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ جنس وسائل حیات کو زیادہ عمدہ طور پر حاصل کرنے کے لئے نئی زمینوں کی تلاش کرے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں اعضائی ارتقا بھی پیدا ہوتا جائے جو حیات کے وسائل زیادہ عمدہ طریقہ پر فراہم کرے۔ ایک چھوٹی سی انسانی قوم کے باقی سب انسانی قوموں پر غالب آنے سے یہ تقاضا پیدا نہیں ہوسکتا۔ نہ اس زمین سے باہر کسی دوسری زمین کی تلاش کرنیکا ولولہ پیدا ہوسکتا ہے۔

دوسری دقت یہ ہے کہ ایک قوم کے دوسری قوموں پر غالب آ جانے سے صحیفہ فطرت کے وسائل کی تلاش بھی کم ہو جائے گی اور جس سرعت سے زمین کے تمام وسائل کو مسخر کرنیکے بعد نئی زمینوں کو مسخر کرنے کی خواہش پیدا ہوسکتی ہے وہ سرعت بھی نہ رہیگی۔

القصہ یہ کہ انسان کی آپس میں ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کی کوشش غیر فطری ہے اور اس کا نتیجہ انسان کی نسلی ہلاکت ہے دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ انسان صحیفہ فطرت کو مسخر کرنے سے رہ جائے گا۔

۳۔ ان حالات میں انسان کے سامنے فطری طور پر حسب ذیل مسائل پیش ہو جاتے ہیں:۔

انسان اس میں روئے زمین پر اپنی آبادی کو زیادہ سے زیادہ کثرت سے کرے تا کہ کشمکش حیات زیادہ سے زیادہ پیدا ہو، انسان آپس کے تمام تعصّبات جو مذہب رنگ نسل وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوئے ہوں چھوڑتا جائے، مقصداً آپس میں جنگ نہ ہو، بلکہ صحیفہ فطرت کے وسائل سے جنگ ہو۔ موانست بلکہ اخوت قائم کرے

جیسا کہ ادنیٰ اجناسِ حیوانی میں ایک جنس کے اندر ہے، صرف چند لوگ ہی نہیں بلکہ نسل انسانی کا اکثر حصہ (سو فیصدی تک) فطرت کے استعمال، دریافت اور تسخیر میں لگ جائے تا کہ نہ صرف یہ کہ زمین کے تمام وسائل ختم ہونے کو آ جائیں بلکہ پیہم عمل سے ایجادات میں انتہائی ترقی ہوتا کہ زمین سے باہر کی دوسری زمینوں پر قبضہ کرنے کے سامان پیدا ہوں انسانی دماغ میں بحیثیت مجموعی ارتقا پیدا ہوتا جائے اور انسان کے اعضا بھی اسی طرح ارتقا کریں جس طرح کہ ادنیٰ حیوانوں نے ابتک ارتقا کیا۔

۴۔ (ا) انسان کے آپس کے جھگڑوں کے مٹانے کا مسئلہ اس قدر حیرتناک طور پر مشکل ہے کہ اس کا حل ناممکن نظر آتا ہے۔ ''مذہب'' کے مخمصے کے متعلق اگرچہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ ایک خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے کئی ہزار نبی بدیہی طور پر الگ الگ پیغام نہیں لا سکتے اور یا سب جھوٹے ہیں یا اگر وہ سچے ہیں تو ان کے پیغام کو انسان نے ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث غلط لیا ہے لیکن انسان کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہ آئی کہ یہ دلیل قطعی طور پر درست ہے، خدا کا منشا ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکے بنائے ہوئے بندے آپس میں ایک دوسرے کیخلاف صف آرا ہوں اور یہ زمین فساد کا گھر بن جائے، اگر انسان کسی کشمکش میں مبتلا ہو سکتا ہے تو مجموعی طور پر صرف فطرت کیخلاف ہو سکتا ہے، علیٰ ہذا القیاس نسلی، جغرافیائی، قومیت، سرمایہ داری اور مزدوری، آقائی اور غلامی کے جھگڑوں کے متعلق بنی نوع انسان کو سمجھانا کہ یہ سب غیر فطری ہیں اور انسان کی اعلیٰ ترقی یافتہ جنس کے لیے انتہائی طور پر ناموزوں، کسی ایک کانفرنس یا بڑے فلسفی کے وعظ کا کام نہیں، انتہائی ذہنی ترقی کے باوجود انسان میں بہ حیثیت مجموعی وہ تدبر ہی نہیں کہ ان مسئلوں کو سمجھ کر کوئی حل دریافت کر سکے یا کسی ایک بات پر متفق ہو سکے۔ ادھر اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بین الاقوامی جھگڑے تو الگ رہے، انسانی قومیں اپنی داخلی تنظیم میں بھی شہنشاہیت، جمہوریت، اشتراکیت یا اس قسم کے اور ڈھونگ رچا کر دراصل انسان کو انسان کی غلامی میں رکھنے کی تجویزیں کرتی رہی ہیں، ایک قوم کے اندر ہی بشر کو بشر کا پابند کرنے اور قوم کے خلاف، مجموعی سازش کرنے کے کئی سامان روز بروز بنتے جاتے ہیں۔ اور وہ افراد کی آزادی جو ادنیٰ حیوانوں میں نمایاں ہے۔ انسانی مجتمعات میں ہرگز نہیں۔ مغربی طرز کی جمہوریت میں بھی جو انسانی آزادی کا ایک مکمل مظہر سمجھا جاتا ہے۔ بالآخر چڑھ سرمایا داری کی ہے اور غریب طبقہ کی جو ہر ملک میں اکثریت میں ہے انصافاً کہیں حکومت قائم نہیں ہوئی، نہ سرمایہ دار اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ ملک کے سپاہی طبقہ کی جو ملک کی حفاظت کے لیے جانیں دیتا ہے، حکومت قائم ہو، ان حالات میں تمام صحیفہ کائنات اور اس کے بلند مقصد کو سامنے رکھ کر انسان سٹ پٹا جاتا ہے کہ کیونکر مذہب، نسل، رنگ جغرافیہ، قومیت، سرمایہ داری، آقائی وغیرہ کے تعصّبات سے نوع انسانی کو آزاد کر کے ذہنی اور اعضائی ارتقا کے اس بام تک پہنچا دے جس تک سب ادنیٰ حیوانات روز آفرینش سے ابتک اپنی نوعی اتحاد کے باعث پہنچتے رہے ہیں، انسان میں اگر یہ نوعی اتحاد نہ ہوا تو غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی نسل ایک دوسرے سے لڑلڑ کر ہی نیست و نابود ہو جائیگی اور آفرینش کا یہ سلسلہ جو انسان تک کروڑوں برس کے اعضائی ارتقا سے پہنچا تھا یہیں پر ختم ہو جائیگا۔ اس تخیل کی پستی یہاں تک پہنچی ہے کہ دنیا کے بعض مشہور سائنس دان بھی اس امر کا اظہار کر رہے ہیں کہ انسانی اعضا اور انسانی ذہن اب اس سے زیادہ مکمل تر نہیں ہو سکتے گویا وہ ارتقا جو کروڑوں برس سے ہو رہا تھا اب آخری طور پر رک چکا ہے اور انسان کی قسمت یہ ہے کہ اپنی داخلی کشمکش حیات میں ہی ایک دوسرے کو فنا کر دے اور اس کی نسل منقطع ہو جائے!

(ب) ہوش مند انسان کے لیے سائنس دانوں کی یہ نگاہ ہی نہ صرف حد درجے تک افسوسناک ہے بلکہ صریحاً غلط ہے کیونکہ کائنات کا یہ ناپیدا کنار سلسلہ اس امر کو گوارا کر نہیں سکتا کہ انسان جیسی ہوشمند خلقت کو کروڑوں اور اربوں برسوں کے ارتقا کے بعد پیدا کر کے پھر اس پر ارتقا کو ختم کر دے اور کائنات کے پیدا کرنے کی غرض و غایت ہی فنا ہو جائے!

(ج) احوال فطرت کے مطالعہ سے جو طبقات زمین کی پیدائش پر غور کرنے سے اخذ ہوتا ہے جو نتیجہ نکلتا ہے صاف طور پر یہ ہے کہ اگر ادنیٰ حیوانوں کے ارتقا سے انسان پیدا ہوا ہے تو انسان سے اور ہزار ہا قسم کی برتر مخلوق کا پیدا ہونا اٹل ہے، انسان کی سمجھ اگر اس وقت اس قدر ناقص ہے کہ وہ آپس ہی میں لڑ رہا ہے تو اس سمجھ میں کافی تلخ اور ہولناک تجربوں کے بعد ترقی ضرور ہوگی۔ حتیٰ کہ کسی باخبر انسان کی آواز یا اسی طرح کا کوئی اور بڑا واقعہ تمام دنیا کے انسانوں کو اس امر پر متفق کر کے رہے گا کہ انسان کا مقصد آپس میں لڑائی نہیں بلکہ سب سفلی تعصّبات کو خیر باد کہہ کر صحیفہ فطرت سے جنگ کر کے بہتر نوع کی طرف ارتقا ہے۔

۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ کے بعد پچھلے تیس چالیس برس سے انسان میں یہ احساس کہ دنیا کی سب حکومتیں مل جل کر اپنے جھگڑے فیصلہ کریں یا پچھلے دس پندرہ برس سے یہ☆ احساس کہ تمام دنیا پر ایک حکومت ہو اس انسانی سمجھ میں ترقی کی صاف علامتیں ہیں اگرچہ اس سمجھ کی ترقی میں بھی زور آور قوموں کی بدنیتی کی جھلک روز بروز ظاہر ہو رہی ہے۔

(۵) دنیا کی حکومتوں میں جو زیادہ تر ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے میں لگی ہیں اور جن کی توجہ اکثر ان ہتھیاروں کے تیار کرنے کی طرف ہے جو انسان کو ہلاک کریں، اس شعور کا آجانا کہ وہ صلح اور رواداری سے ملکر زمین پر حکومت کریں یا اپنے تعصّبات اور طاقت کا کبر و غرور چھوڑ کر آپس میں ایک ہو جائیں، ابھی دائرۂ عمل سے بہت دُور نظر آتا ہے اور جب تک امریکہ اور روس کی باہمی عالمگیر جنگ دونوں سلطنتوں اور ان کی رفقا حکومتوں کو کئی سالوں کے کشت و خون و کروڑوں انسانوں کی ہلاکت اور دنیا کے اکثر معاشی وسائل کی دردناک بربادی کے بعد اس قدر کمزور نہ کر دے کہ روس اور امریکہ دونوں آنے والی عالمگیر جنگ کے بعد سچ مچ پشیمان نہ ہو جائیں اور بالآخر اس نتیجے پر نہ پہنچیں کہ آج کل کی انسانی لڑائیوں میں فریقین کا ناقابل تلافی نقصان لازمی ہے اور اب درحقیقت نہ کوئی فریق فاتح ہو سکتا ہے، نہ مفتوح، اس وقت تک نئے شعور کا پیدا ہو جانا محال ہے، لیکن یہ واقعہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی اکثر آبادی لڑ مر کر ہلاکت کے کنارے تک پہنچ چکی ہوگی اور اس وقت تک اس شعور کا انسان کے دماغ میں آجانا بھی کچھ نفع مند نہ ہوگا۔

(۶) پچھلی کئی صدیوں میں ایک دوسرا فعل جو انسان نے انسان سے لڑنے کے متعلق نمایاں طور پر کیا ہے وہ سرمایہ اندوزی اور بالآخر سیاست کے میدان میں اس کی چڑھ ہے یورپ اور امریکہ کی خانہ ساز جمہوریت اور نیا اشتراکی فریب دونوں اس جُرم کی مجرم ہیں، اشتراکیت تو جمہوریت سے بڑھ کر انتہائی قسم کی سرمایہ داری ہے جو تمام رعیّت کی ملکیت کو ایک جگہ جمع کر دیتی ہے اور امریکہ کی سرمایہ داری سے بھی زیادہ عالمگیر جنگوں کی جارحانہ کارروائی میں مصروف ہے، اشتراکیت کا جمہور کا نیا فریب کہ اس میں مزدور کی چڑھ ہے ایک حیرت انگیز فریب ہے کیونکہ دراصل انتہائی سرمایہ داری کی طرف سے مزدور کی چڑھ نہیں بلکہ مزدور کی انتہائی طور پر غلامانہ تنظیم اور بالآخر انسان کی انفرادیت کو کچل دینا ہے القصّہ اس وقت انسان جس ہولناک نئی غلطی میں مبتلا ہے وہ سرمایہ داری کا غلبہ ہے اور یہ سرمایہ داری کا غلبہ انسانوں کو آئے دن کی عالمگیر جنگوں میں مبتلا کر کے بڑے پیمانے پر ہلاک کرنے کا زبردست آلہ ہے۔

(ب) پورے غور سے اگر دیکھا جائے تو زر اگرچہ دنیا کے باشندوں کو آسائش کے سامان پہنچانے کا زبردست ہتھیار ہے اور مزدور طبقہ اگرچہ آسائش اور ترقی کے سامان تیار کرنے کا واحد وسیلہ ہے لیکن سرمایہ دار اور مزدور دونوں طبقے انسانی تمدّن اور تہذیب کی جڑ نہیں۔ سرمایہ دار صرف اپنا جمع کیا ہوا روپیہ بڑے پیمانے پر

☆ انسانی اعضا کی ارتقا کے سلسلے میں جو بات روز روشن کی طرح واضح ہے یہ ہے کہ اگر فی الحقیقت انسان کے کروڑوں اور اربوں میل دُور تک کے صحیفہ فطرت کو ایک نہ ایک دن مکمل طور پر مسخّر کرنا ہے تو یہ تسخیر ان گوشت اور خون کے بنے ہوئے اعضاء سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی ان اعضاء سے تو انسان زمین سے صرف چند میل اوپر جا کر ہی ختم ہو جاتا ہے اور نہ ستاروں میں وہ لوازمات حیات انسانی موجود ہیں جو زمین پر ہیں اس لئے لامحالہ انسان کا اعضائی ارتقا اس قدر انقلاب انگیز ہو کر رہے گا کہ موجودہ گوشت پوست کو چھوڑ کر صرف ''روح'' ہی رہ جائے اور شاید یہ آنکھیں اس کو دیکھنے کے لئے بھی نہ رہیں!

صرف کرتا ہے اور انسانی تمدّن کی آسائشوں کا خام سامان اس روپیہ سے خریدتا ہے، مزدور صرف اپنے ہاتھ پاؤں کے زور سے اس سامان کو کسی دوسرے شخص کی ہدایت کے مطابق تیار کر دیتا ہے، دُنیا کے باشندوں کو آرام و آسائش یا ترقی کے سامان پہنچانے میں اس سے زیادہ دخل سرمایہ دار اور مزدور کو ہرگز نہیں، دوسرے لفظوں میں یہ کہ سرمایہ دار اور مزدور دونوں کسی تیسرے شخص کے آلۂ کار ہیں، ان دونوں میں کسی آرام دہ شے کے سامان فراہم کرنے یا اس کو تیار کرنے کی طاقت ضرور ہے لیکن دونوں میں اس شئے کو ایجاد کرنے کا دماغ موجود نہیں اور جب تک وہ ایجاد موجود نہ ہو سرمایہ دار اور مزدور دونوں بیکار شے ہیں اور دنیا ایک قدم اس ایجاد کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔

(۷) پس اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا کی ترقی اور تمدّن کا سب سے بڑا باعث، بلکہ واحد باعث وہ عــالـم فطرت ہے جو فطرت کا مطالعہ کر کے روز آفرینش سے نئی ایجادیں کر رہا ہے اور جس کے دم سے دنیا کو مسلسل آرام پہنچ رہا ہے۔ اس شخص کا ذہن عوام الناس کے مقابلے میں اس قدر روشن اور رسا ہے کہ وہ فطرت کی بے جان اشیا کو لے کر اور ان کو آپس میں اپنی ترکیب سے رلا ملا کر وہ چیزیں پیدا کر رہا ہے جو انسان کی راحت اور آرام کا باعث ہیں۔ جب تک اس کی وضع کی ہوئی کوئی شے منظر عام پر نہ آ جائے، زر اور مزدور قطعاً بیکار ہیں۔ اسی کی پیدا کی ہوئی کسی شے کے فائدے زر کی حرکت کے باعث ہیں اور یہی فائدے مزدور کے بازوؤں کو حرکت میں لاتے ہیں، اس نقطہ نظر سے روئے زمین پر عالم فطرت ہی سب سے زیادہ اہم وجود ہے اور زر اور مزدور اس کے صرف دو کارندے ہیں جو ہر لحاظ سے اپنی حیثیت میں اس سے بدرجہا ادنیٰ تر ہیں۔

لیکن حیرت ہے کہ انسان نے اپنے مکر و فریب سے عــــالـم فطرت کو ہمیشہ سے وہ حیثیت دی ہے کہ وہ دُنیا کی ہلاکت انگیز اور جہاں آشوب سیاست میں کسی شمار میں نہیں آتا۔ وہ سرمایہ دار کا ایک ادنیٰ ملازم ہے، اپنی انقلاب انگیز اور جہاں آرا ایجادوں کو روز بروز پیدا کرنے کے باوجود اسکے سامنے دم بخود ہے اپنے معمل کے گوشوں میں عاجزوں اور یتیموں کی طرح بیٹھا ہے اور اپنے سیاسی سرمایہ دار کو اپنا رازق سمجھ کر اپنے افعال کو اس کی سیاست کے تابع سمجھتا ہے۔ ایٹم بم جیسی طاقتور شئے کو اپنے زور دماغ سے ایجاد کر کے یتیموں کی طرح اس کو سیاسی درندوں کے سپرد کر دیتا ہے، غلامی کے اس عجز پرور ماحول میں اس کو شعور نہیں رہا کہ دُنیا اس کے بل پر قائم ہے اور اگر وہ نہ ہو تو دنیا کا ایک ایک گوشہ ظلمت اور جہالت میں پھنس جائے احساس کمتری نے اس کا مرتبہ مزدور کے برابر کر دیا ہے اور سرمایہ دار اس کو مزدور سے بہتر سمجھنے سے جھجکتا ہے اور گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کو وہ مرتبہ دیا جائے جس کا وہ صاف اور منطقی طور پر حقدار ہے،

(۸) انسانی مسئلوں کے ان پیچیدہ حالات میں ہوش مند انسان کے شعور کا حسب ذیل امور کی طرف منتقل ہونا فطری ہے

اول: صحیفہ فطرت اس کائنات میں واحد حقیقت ہے اس کے سوا جو کچھ انسان نے از خود پیدا کیا ظن ہے، عــلــم کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس صحیفہ فطرت کا عالم اپنی ایجادوں کے باعث انسانوں میں بہترین ذہن کا مالک ہے، اور اسی بہترین ذہن کے مالک ہونے کی وجہ سے صحیفہ کائنات کے پیدا ہونے کے مقصد کو اور انسانوں سے بہتر سمجھ سکتا ہے۔ عالم فطرت ہی اس نتیجہ پر بہتر ساز و سامان اور دلائل کے ساتھ پہنچ سکتا ہے کہ بنی نوع انسان کو اس زمین پر کس طریقے سے چلنا چاہیے تاکہ فطرت کا مقصد پورا ہو، الغرض (باوجود اس کے کہ عالم فطرت کی حیثیت موجودہ دنیا میں غلام سے زیادہ کی نہیں) عالم فطرت ہی انسان کی سیاست کو بہ حیثیت مجموعی سمجھنے کا اہل ہے۔ سیاسی لوگ جو اس وقت دنیا کو چلا رہے ہیں فطرت سے نابلد ہونے کی وجہ سے اس کو غیر فطری بنیادوں پر چلا کر اپنے انتہائی محدود ذاتی اغراض کو پورا کر رہے ہیں، فطرت کے مقصد کو پورا نہیں کرتے۔ ادنیٰ حیوانی جنسیں نشاءِ آفرینش سے اب تک فطرت کے مقصد کو اس لئے پورا کرتی آئی ہیں کہ ان میں فہم و ادراک کا امتیازی وصف نہ تھا، وہ جو کچھ ان کو فطرت نے سکھلا دیا، اس پر بے سوچے سمجھے چلتی گئیں اور فطری تقاضا کے باعث ہی ارتقا کرتی گئیں یا مٹتی گئیں لیکن انسان فہم و ادراک کا حامل ہونے کے باعث اپنی مرضی سے بنی نوع انسان کو جدھر چاہتا ہے لے چلتا ہے، فطرت کے بنیادی قاعدوں کا پابند رہنا اور انسان کو تقاضائے فطرت کے مطابق چلانا اس کو گوارا ہی نہیں بلکہ اس کے زعم میں اس کی توہین ہے، ان حالات میں عــالـم فطرت ہی وہ وجود ہے جو بنی نوع انسان کو ایسی راہ پر چلا سکتا ہے جو اس نوع کی مجموعی بہبودی کا باعث ہو۔ اُدھر عــالـم فطرت ہی وہ وجود ہے جس کی قوت فکر اور وسعت نظر بہ باعث اس کی حیران کن ایجادوں کے عام انسانوں میں نہ صرف لائق احترام ہو سکتی ہے بلکہ اُس کا موجودہ خود غرض سیاستدانوں کے مقابلے میں بدرجہا صحیح تر نظریوں کی حامل ہونا لازمی ہے۔ عالم فطرت ہی وہ وجود ہے جس کو فی الحقیقت کسی خاص مذہب کا تعصب نہیں، وہ عقیدۃً نہ عیسائی ہے، نہ موسوی، نہ محمدیؐ، وہی ہے جس کو تمام انسانی مخلوق بلا لحاظ رنگ و نسل ایک نظر آتی ہے، وہی ہے جو مزدوری اور سرمایہ داری کے جھگڑوں کو وسیع نقطہ نظر سے نبٹ کر دنیا میں انکا صحیح مقام مقرر کر سکتا ہے یا ان میں صحیح توازن پیدا کر سکتا ہے وہی ہے جس کے نزدیک اس دنیا میں نہ کوئی خواجہ ہے نہ آقا، وہی ہے جو انسانی ترقی کے کسی مرحلے پر انسانوں کو یک زباں ہو کر بحیثیت مجموعی تنبیہ دے سکتا ہے کہ انسان صحیح چل رہا ہے یا غلط چل رہا ہے۔ اُسی کی ایجادوں اور صنعتوں کا استعمال تمام دنیا یک زبان ہو کر روز اوّل سے کر رہی ہے۔ اُسی فطرت کے متعلق افکار اور نظریات کو دنیا ہمیشہ سے صحیح سمجھتی چلی آئی ہے اور فی الحقیقت اسی کا پیدا کیا ہوا علم وہ علم ہے جس پر تمام دنیا بے چون و چرا متفق ہے اور اس کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

دوئم: عــالـم کی اس بے اندازہ برتری اور فوقیت کی وجہ سے ہی عالم کا مقام ہے کہ وہ انسان پر علمی اور ذہنی حکومت کے علاوہ سیاسی حکومت بھی کرے اور ہر سچائی کے معاملے میں دنیا کے تمام عــالـمـوں کے داخلی اتحاد اور یکجہتی کی وجہ سے بنی نوع انسان کو بہ حیثیت مجموعی اُن راہوں پر چلاتا جائے جو فطرت کا تقاضا ہے۔

سوئم: عــالـم کی حکومت ہی سرمایہ داری کے نارواز ور کو جو ''جمہوری'' طرز کے ملکوں میں غریب کی ووٹوں کو خرید کر زر کی حکومت پیدا کر رہی ہے، فنا کر کے کسی معتدل سطح پر لا سکتی ہے، کیونکہ عالم کے علم کے بالمقابل زر کی اہمیت اس قدر نہیں جس قدر کہ اب ہے۔

چہارم: عالم کی حکومت ہی (چونکہ وہ خود مزدور ہے اور غریب طبقے سے اس کا فطری تعلق ہے) مزدور اور غریب طبقے کی اکثریت کو مدّنظر رکھ کر جمہوریت کی سچی روح یعنی نہ صرف غریب کی حکومت قائم کر سکتی ہے بلکہ مزدور اور غریب طبقے کو زر کی حکومت سے آزاد کر کے نسل انسانی کے بڑے سے بڑے حصّے کو فطری طور پر آزاد کر سکتی ہے۔

۹۔ان بناؤں پر زمین کے اُلجھے ہوئے انسانی مسئلوں کا فطری حل جو کسی ہوش مند انسان کے دماغ میں آ سکتا ہے حسب ذیل ہے:۔

اوّل: ہر ملک میں انسانی آبادی کو دو طبقوں یعنی امیر اور غریب میں اس طرح پر تقسیم کر دیا جائے کہ غریب کے طبقے کا نمائندہ امیر اور امیر کے طبقے کا نمائندہ غریب نہ ہو سکے اور چونکہ غریب ہر ملک میں بے انتہا زیادہ کثرت سے ہیں غریب کی حکومت بلحاظ تناسب آبادی قائم کی جائے۔

دوئم: غریب طبقے میں سے عالم فطرت کو ہر ملک میں نمائندگی دیئے جانے کا انتظام اس طریقے سے کیا جائے کہ سوائے عالم کے کوئی دوسرا شخص منتخب نہ ہو سکے۔

سوئم: صرف چند عالم ملکوں کے سیاسی نمائندے ہوں جو اَور امور کے علاوہ تلاش صحیفۂ فطرت کی عام ہَوا پیدا کریں، باقی بدستور اپنی ایجاد اور تلاش میں مصروف رہیں، ہر ملک کا سرکردہ شخص انتہائی طور پر وسیع نظر اور مشہور عالم ہو جو اپنے مُدۃ العمر تجربہ کے بعد ملک کو فطرت کی راہ پر چلائے۔

چہارم: تمام ملکوں کے سرکردہ عالم حکمران متحدہ طور پر انسانی جنگوں کو بند کریں، مذہبوں کو جو انسان نے آپس میں جنگ کرنے کے ڈھونگ بنائے ہیں ختم کر کے ''فطرت کے مشترک مذہب'' کا اعلان کریں جو سب بنی نوع انسان کو قبول ہو، نسل اور رنگ کے بیہودہ تفرقوں کو مٹائیں۔ سرمایہ کو اس کا مناسب مقام دیں۔ مزدور اور غریب کی سچی خوشحالی کے قواعد وضع کریں، انسان کے غریب اور مزدور طبقے کو مجموعی طور پر زمین کی بہتری کے لئے استعمال کریں زمین کے وسائل کے متحدہ استعمال اور فطرت کی تسخیر کے متحدہ منصوبے بنائیں تا کہ انسان متحدہ طور پر آگے بڑھنے کے قابل ہو۔

پنجم: اگر ضرورت لاحق ہو تو تمام روئے زمین پر ایک حکومت قائم کی جائے جو نسل انسانی کو ایک راہ پر چلائے۔

ششم: وسائل زمین کو زیادہ مؤثر طریقوں پر استعمال کرنے کے منصوبے اور طریقے متحدہ طور پر وضع کیے جائیں۔

ہفتم: موجود علم چونکہ زیادہ تر صرف بے جان اشیا کی تحقیق و تلاش ہے اور زندگی کے راز کو انسان نے اب تک دریافت نہیں کیا اس لئے علمائے فطرت کا یہ زمینی گروہ اس علم کو ناقص گردان کر اس سے بہتر علم کی راہ دریافت کرے اور صحیفہ فطرت کو زیادہ مکمّل طور پر جاننے کے لئے عِلم کی بنیادیں وسیع کی جائیں بلکہ فطرت کی زندہ اشیا کی ماہیّت کو سمجھنے کے لئے پیمائش کی نئی فطری اکائیاں وضع کی جائیں جو موجودہ اکائیوں اور بنیادوں سے قطعی طور پر مختلف ہوں۔

ہشتم: عالمانِ فطرت پیدائش کائنات کا کوئی متفقہ مقصد قرار دے کر بنی نوع انسان کو اُس مقصد کی طرف لگا دیں تا کہ تمام نسلِ انسانی کسی نصب العین تک پہنچ سکے اور پھر بالآخر اس مقصد تک پہنچنے کے لئے انسان میں کوئی اعضائی ارتقا خود بخود پیدا ہو یا علما اپنے اعضا پر مجاہدے کر کے اِس ارتقا کو قریب تر لائیں!

نہم: تمام کائنات کی تسخیر کو انسان کا واحد منتہا سمجھ کر انسان کو اس کے لئے تیار کیا جائے اور موجودہ عِلم کی توسیع ان خطوط پر کر کے نسل انسانی کی سعی کو اس کے مطابق کیا جائے۔

دہم: بالآخر یہ کہ علم کی اس عظیم الشان اور انقلاب انگیز حکومت کے سائے میں نسل انسانی کو منشائے فطرت کے اس قدر تابع اور انسانی سعی و عمل کو اس حد تک وسیع اور نتیجہ خیز کیا جائے کہ صحیفہ فطرت کی ان بیکراں پہنائیوں میں تلاش فاطر السموات (اللہ تعالیٰ) کا مسئلہ اس قدر ہیجان انگیز اور قریب الحل ہوتا جائے کہ ہزاروں اور لاکھوں برس کی زہرہ گداز اور جانکاہ کشمکش کے بعد منشائے فطرت پورا ہو اور انسان کی خدا سے ملاقات پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے!

کیا ہوش مند انسانوں کا کوئی گروہ کائنات کے اس لازوال ہنگامے کو جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے رونما ہے، فکر و دانش کے ان فطری اور نتیجہ خیز خطوط پر چلا کر انسان کو راہ راست پر لا سکتا ہے!

کیا لکھو کھا سال کی نادانی اور بے ہوشی کے بعد آج ہر ملک اور خطّے میں ایسے دانشور انسان پیدا ہو سکتے ہیں جو کائنات کی پیدائش کے اس مقصد کو پا کر دیوانہ وار اس سعی میں لگ جائیں کہ انسانوں کی مخلوق کو اس بھید سے آشنا کر کے اُن میں اس مقصد کو حاصل کرنے کی عالم آرا اور لازوال تڑپ پیدا کر دیں۔

عنایت اللہ خان المشرقیؒ

۱۳۔ستمبر ۱۹۵۴ء

بوقت: ساڑھے ۴ بجے شام

یہ اُس مراسلہ کا لُبِّ لباب ہے جو مصنّف نے دنیا کے کئی ہزار مشہور عالمانِ فطرت کو بھیجا ہے کہ وہ اس پر غور کر کے ساکنانِ زمین کو (مغربی جمہوریت اور روسی اشتراکیت سے ہٹا کر) نیا فطری نصب العین دیں اور ہر ملک میں اپنی حکومت قائم کرنے کے سامان پیدا کر کے انسانی ارتقا کی راہ کھول دیں۔

فہرست مضامین حدیث القرآن

خطوط وحدانی میں لکھے ہوئے اعداد آیات قرانی کو ظاہر کرتے ہیں جو ان مضامین میں آئی ہیں۔ مضامین کے کالموں میں باقی اعداد وہ دفعات ہیں جن کے تحت قران حکیم کی تعلیم کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ ہر صفحے کے اوپر کا عدد حدیث القران کا اور نیچے کا بہ سلسلۂ دہ الباب ہے۔

جو قوم وقت کی قدر نہیں کرتی،
وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔
علامہ مشرقیؒ